خوشبو آن لائن ڈائجسٹ
جنوری 2017
Khushboo
Online Digest
آن لائن
خوشبو ڈائجسٹ
سالِ نو مبارک
جنوری 2017ء
مدیرہ خصوصی نگہت عبداللہ
نگران اعلیٰ شاہد احمد شاہد
مدیرہ
امامیہ سردار خان
مدیر اعلیٰ
کبریٰ نوید
چیف ایگزیکٹو
خضر حیات مون
معاون خصوصی
عنبرین صبوحی
نائب مدیرہ
فاطمہ عبدالخالق
نائب مدیرہ
عریشہ سہیل
سینئر نائب مدیرہ
نوشین اقبال نوشی
منتہیٰ ارائیں
دیا خان بلوچ
انچارج برائے دیگر سلسلہ جات
اسامہ بھٹی
سبیل حسین
فروا سیف
ریما نور رضوان
طوبیٰ جاوید
آمنہ ولید
رضوان عباس
فہمیدہ انجم
طالب میتلا
سمیرا ستار رانجھانی
کنول خان
امرینہ سہیل

خوشبو آن لائن ڈائجسٹ

Khushboo Online Digest 0300-7198339

khushboodigest@gmail.com

خوشبو آن لائن ڈائجسٹ

ریلوے روڈ پوسٹ آفس ٹاٹے پور، ملتان

Khushboo Online Digest 0300-7198339

khushboodigest@gmail.com

مجھے کچھ کہنا ہے..........!

خوشبو رائٹرز فورم کا آغاز 1999ء سے کیا گیا اس ادبی فورم کے تحت ادب کے فروغ کیلئے تقریبات' رائٹرز کی حوصلہ افزائی کیلئے ایوارڈز دیے گئے' خوشبو کا سفر کے نام سے ادبی مجلہ 2009 میں شروع کیا جس کو ملک بھر میں بے حد پذیرائی ملی' اب 2016 سے خوشبو آن لائن ڈائجسٹ کا اجراء کیا گیا ہے جس کو انٹرنیٹ کی دُنیا میں معیاری اور خوبصورت ہونے کا اعزاز حاصل ہے' خوشبو آن لائن ڈائجسٹ کی ٹیم میرے لیے بہت اہم اور قابل فخر ہے جن کی محنت کی بدولت خوشبو آن لائن ڈائجسٹ کو دنیا بھر میں سراہا جارہا ہے' خوشبو آن لائن ڈائجسٹ کی تیاری اور اسے اچھے انداز میں پیش کرنے کیلئے تین لوگ کمپیوٹر سیکشن میں کام کرتے ہیں جن کی ماہانہ تنخواہ میں خود پے کرتا ہوں' خوشبو آن لائن ڈائجسٹ کے شائع کرنے کا مقصد صرف اور صرف ادب کا فروغ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا ہے، ہمیں کسی سے کوئی لالچ نہیں نہ ہی کوئی انکم کمانے کی ضرورت ہے مجھے اللہ رب العزت نے بہت نوازا ہے میں ادب کے فروغ اپنی خدمات انجام دینا پسند کرتا چاہتا ہوں' الحمد للہ مجھے جس ٹیم کا ساتھ ملا ہے میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ سب اپنے کام سے مخلص ہیں اور نیک نیتی سے کام کررہے ہیں' مدیر اعلیٰ کبریٰ نوید' مدیرہ امائیہ سردار' نائب مدیرہ، فاطمہ عبدالخالق سمیت سب اراکین کی خدمات قابل تحسین ہیں، تمام رائٹرز اور قارئین کو سال نو مبارک

خضر حیات مون

0303-3310786

اداریہ ...

اسلام علیکم ...

ایک بار پھر اللہ کے فضل اور آپ سب کی دعاں کے ساتھ حاضر ہیں ... دسمبر کے شارے کو جو پذیرائی ملی اس پر اپنی رب کی شکر گزار ہوں ... اور ساتھ ساتھ آپ سب کی محبتوں کی بھی مشکور ہوں ... بیشک خوشبو آن لائن ڈائجسٹ آپ کی محبت سے ہی آن لائن ڈائجسٹ کی دنیا میں منفرد مقام بنا پایا ہے 2016 .. گزر گیا اور کچھ ایسے ناپر ہونے والے خلا چھوڑ گیا جنکا صدمہ ہمیشہ رہے گا ... لیکن زندگی نام ہے چلنے کا اور ہمیں بھی نئی اُمیدوں کے ساتھ آگے بڑھنا ہے ... دعا ہے 2017 ہم سب کے لیے ڈھیروں آسانیاں اور برکتیں لے کر آئے آمین۔

یہاں ایک اور خوش خبری بھی سناتی چلوں خوشبو آن لائن ڈائجسٹ 2017 میں ہی عنقریب آپ کے ہاتھوں میں ہوگا انشااللہ ... مجھے فخر ہے کے ہمارا واحد آن لائن ڈائجسٹ ہے جس نے صرف 3 ماہ میں نا صرف اپنا منفرد مقام بنایا بلکہ مقبولیت بھی حاصل کی آج الحمداللہ ادب کی دنیا کے روشن ستارے ہمارے ڈائجسٹ سے منسلک ہیں جو کسی اعزاز سے کم نہیں، جو فیڈ بیک ہمیں موصول ہو رہا ہے مجھے یقین ہے یہ ڈائجسٹ پرنٹ میں آتے ہی چھا جائے گا ... جنوری کا شارہ ہم جنید جمشید کے نام کرتے ہیں ... اور خدا تعالی سے انکی اور فلائٹ میں موجود تمام مسافروں کی بخشش و مغفرت کے لیے دعا گو ہیں ...

اس بار آپ سب کے لیے بہت سے دلچسپ و منفرد سلسلوں کا آغاز کیا گیا ہے .... جو کہ یقیناً آپ کو پسند آئیں گے۔ ڈائجسٹ سے متعلق اپنی قیمتی رائے سے آگاہ ضرور کیجیے گا ...

اگلے ماہ تک کے لیے اجازت دیں

فی امان اللہ

مدیرہ اعلی : کبری نوید

نئے سال، نئی خوشیوں کے ساتھ تیسرے شمارے کے ساتھ حاضر ہیں ۔آپ نے جس محبت سے پذیرائی دی ہمارے کاوشوں کو سراہا
اس کے لئے مشکور ہوں تمام رائٹر اور قارئین کے تعاون سے ہی مزید کامیابیاں سمیٹے گا ۔جلد مستند اور مقبول عام ڈائجسٹ کی قطار میں شامل ہوگا، اُمید کرتے ہیں کہ آنے والے دنوں میں ہم خوشبو کو مزید نکھار سکیں گے ۔ہم نئی اُمید کے ساتھ نئے سال میں قدم رکھ رہے ہیں سال نو کی آمد اللہ سب کو اپنی امان میں رکھے اور سدا آباد و شاد رکھے ،اور وطن عزیز کو ترقی دے ۔دُعا ہے کہ یہ سال سب کیلئے کامیابیوں کا سال ہو۔

بہت سی دُعائیں

امائیہ سردار خان

مدیرہ

خوشبو آن لائن ڈائجسٹ

نعت شریف
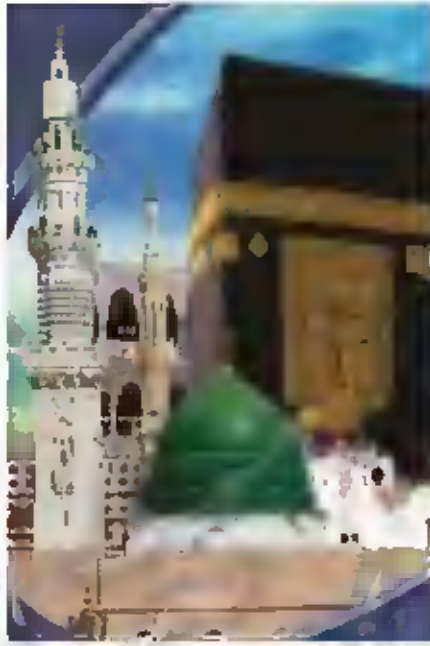
کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقط نقش کف پا تیرا
لوگ کہتے ہیں کہ سایہ تیرے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا
ایک بار اور بھی طیبہ سے فلسطین آ
راستہ دیکھتی ہے مسجد اقصیٰ تیرا
اب بھی ظلمات فروشوں کو گلہ ہے تجھ سے
رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا تیرا
پورے قد سے جو کھڑا ہوں یہ کرم ہے تیرا
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

شاعر: احمد ندیم قاسمی

بزم خوشبو

انٹرویو.....عنبرین صبوحی

مہمان شاعرہ

سباس گُل

انچارج گبریٰ نوید

بزم خوشبو میں ہر ماہ ایک ادبی شخصیت کا انٹرویو پیش کیا جاتا ہے اس ماہ کی ہماری بزم کی مہمان کسی تعارف کی محتاج نہیں ان کا شاعری اور افسانہ ناول نگاری میں بہت نام پیدا کیا ہے ہماری مہمان سباس گل کا تعلق رحیم یار خان سے ہے سباس گل نے ایم اے کیا ہے ماشاء اللہ بہن بھائیوں میں تیسرے نمبر پر ہیں ان کے نو بہن بھائی ہیں۔ آیئے ان سے گفتگو کرتے ہیں۔

خوشبو.....آپ کی صبح کس وقت آنکھ کھلتی ہے

سباس گل.....تہجد کے وقت جاگتی ہوں نماز پڑھتی ہوں اللہ کے ذکر کے ساتھ صبح کا آغاز کرتی ہوں اور دنیاداری کے کاموں میں مصروف ہو جاتی ہوں۔

خوشبو.....فکر کا کوئی لمحہ؟؟

سباس گل.....اب تو ہر لمحہ فکر کا ہوتا ہے بس ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہنا سب سے ضروری ہے۔

خوشبو.....گھر میں پیار سے کس نام سے پکارتے ہیں۔

سباس گل.....گل، مون

خوشبو.....تاریخ پیدائش

سباس گل.....15 فروری، رحیم یار خان

خوشبو.....بارہ مہینوں میں سے کونسا مہینہ پسند ہے؟

سباس گل.....رمضان شریف کا ماہ بہت پسند ہے موسموں میں دسمبر کا مہینہ بہت پسند ہے۔

خوشبو.....مردوں اور عورتوں میں کیا عادت پسند ہے؟

سباس گل.....مرد کا عورت کی عزت کرنا اور عورت کا وفا شعار ہونا

خوشبو.....ڈریسز میں کیا پسند ہے؟

سباس گل.....مشرقی لباس ہی میرے فیورٹ ہیں

خوشبو.....مرد ذہین ہونا چاہیے یا حسین؟

سباس گل.....مرد ذہین ہونا چاہیے حسن خود بخود آ جاتا ہے۔

خوشبو.....ایس ایم ایس کا فوری جواب دیتی ہیں؟

سباس گل.....کوشش ہوتی ہے کہ فوری جواب دیا جائے۔

خوشبو.....بوریت کیسے دور ہوتی ہے؟

سباس گل.....نماز پڑھ کر اور کلوز فرینڈز کے ساتھ بات کر کے

خوشبو.....پسندیدہ گلوکار؟

سباس گل.....نصرت فتح علی خان، اے نیر، مہدی حسن منیر نور راحت فتح علی خان عاطف اسلم

خوشبو.....آپ کے فینز کی تعداد؟

سباس گل .... ہزاروں کی تعداد میں ہیں

خوشبو ..... سوشل میڈیا پر اپنی شاعری اور افسانوں کو متعارف کروانا کیسا لگا؟

سباس گل ..... بہت اچھا لگا اور اس کی وجہ سے میری شہرت میں اضافہ ہوا اور مزید اچھا لکھنے کا حوصلہ ملا

خوشبو ..... شہرت کا ذاتی زندگی پر کوئی اثر ......؟

سباس گل ..... جی ہاں، کبھی کبھی

خوشبو ..... آپ کبھی آن لائن شاپنگ کرتی ہیں

سباس گل ..... جی ہاں، کبھی نہیں بس ایک بار کی تھی۔

خوشبو ..... کلر کونسا پسند ہے

سباس گل ..... بلیک کلر۔

خوشبو ..... پھول کونسا پسند ہے

سباس گل ..... گلاب

خوشبو ..... اپنی کمائی سے سب سے پہلے کیا خرید کیا۔

سباس گل ..... جی ہاں! سونے کا لاکٹ خریدا تھا۔

خوشبو ..... فیملی کی طرف سے لکھنے میں کوئی دشواری؟

سباس گل ..... میرے والدین نے مجھے لکھنے میں بہت سپورٹ کیا ہے اور میری ہر مقام پر حوصلہ افزائی کی ہے۔

خوشبو ..... پسندیدہ کھانا؟

سباس گل ..... چکن پلاؤ ..... کریلے گوشت

خوشبو ..... بارش کا موسم کیسا لگتا ہے

سباس گل ..... بارش دل کو بھاتی ہے بارش کے دوران مٹی سے آنے والی خوشبو بہت پسند ہے۔

خوشبو ..... آپ کا اپنا پسندیدہ ناول

سباس گل ..... میرا ہر افسانہ اور ناول میری ہر تخلیق میری فیورٹ ہے لفظ لکھنا آسان نہیں یہ تو وہ ہی جان سکتا ہے جو لفظ لکھنے کی قدر جانتا ہو......

خوشبو ..... آپ کی کتنی بکس آچکی ہیں

سباس گل ..... میری ناول کی سات کتابیں آچکی ہیں دو کتابیں زیر طبع ہیں وہ جلد مارکیٹ میں آجائیں گی۔

خوشبو ..... آپ کو ایوارڈز بھی ملے ہیں

سباس گل .... جی ہاں اللہ کا کرم ہے متعدد اداروں کی طرف سے بہتر کارکردگی پر ایوارڈز اور اسناد ملی ہیں۔

خوشبو ..... کس ناول کو زیادہ پذیرائی ملی؟

سباس گل ..... سب ناول کو بہت زیادہ پذیرائی ملی ابھی میرے ناول "تمہارے بن ادھوری ہوں" کو بہت پسند کیا جا رہا ہے

خوشبو ..... خوشبو آن لائن ڈائجسٹ کیسا لگا؟

سباس گل .... انٹرنیٹ کی دنیا میں خوشبو آن لائن ڈائجسٹ کی ٹیم بہت منفرد کام کر رہی ہے جو باقی تمام آن لائن سے خوبصورت اور معیاری ڈائجسٹ ہے

خوشبو ..... آپ کی کتابیں کہاں سے منگوائی جا سکتی ہیں

سباس گل .... آن لائن میرے آفیشل پیج پر آرڈر کیا جا سکتا ہے کتابیں میرے آٹوگراف کے ساتھ ارسال کی جائیں گی

خوشبو ..... آپ کا اپنے فینز اور دوستوں کے نام پیغام؟

سباس گل .... میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے ہمیشہ اپنے والدین کی خدمت کریں والدین کی خوشی میں ہی دنیا و آخرت سنورتی ہے بڑوں کا ادب اور چھوٹوں سے پیار اپنا شیوہ بنائیں زندگی میں خوشیاں آپ کے قدم چومیں گی۔

ناول

راہ یار تیری بارشیں

از قلم

کبریٰ نوید

Episode 2

03007198339

موسم انتہا کا خوبصورت تھا .. بارش تھم چکی تھی ... آسمان مکمل طور پر بادلوں کی لپیٹ میں تھا. ماحول پے خوشگوار سا فسوں طاری تھا ... رات کے 9 بج رہے تھے ... مجتبیٰ جمال کا انتظار طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا تھا ... وہ لائٹ فروزی رنگ کی اسٹائلش سی شلوار قمیض کے ساتھ ڈارک بلیو شال کندھوں پے خوبصورتی سے سجائے اپنے خوبصورت سلکی شولڈر کٹ بالوں کو کھولے لان میں ٹہل رہی تھی .. پورا گھر ہی آج روشنیوں سے جگمگا رہا تھا .. لان میں بنی مصنوئی چھوٹی سی آبشار کا پانی چلوا دیا گیا تھا .. سجاوٹی لائٹس آن کروا دی گئیں تھیں .. یہ سب کام نوال کے تھے ... اس کا بس چلتا تو مجتبیٰ کے اس گھر تک آنے والے تمام راستوں کو سجا چھوڑتی ... نوال کمال حسن کو بارش اور بارش کے بعد کے موسم سے کبھی کوئی خاص لگاؤ نہیں رہا لیکن آج کی بارش کو وہ اپنے لئے مبارک سمجھ رہی تھی آج اسے یقین محکم تھا مجتبیٰ لازمی آئے گا ... اور اسی احساس کے تحت اسے صبح سے مجتبیٰ کا انتظار کرنا کوفت میں مبتلا نہیں کر رہا تھا ... بارش تو تھم چکی تھی اگرچہ سرد ہوائیں وقفے وقفے سے چلتی نوال کمال حسن کے بالوں کے ساتھ چھیڑ خانیاں کر رہی تھیں ... وہ سلکی بالوں کو کانوں کے پیچھے کرتے آسمان کو دیکھنے لگی ... آسمان بلکل سیاہ اور خاموش تھا ... لیکن نوال کمال حسن کو ہر طرف چاندنی بکھری محسوس ہو رہی تھی .. مجتبیٰ جمال حسن کیا تم کوئی جادوگر ہو، کوئی سحر پھونکنے والے ہو یا کسی سلطنت کے حسین و جمیل شہزادے ہو ... تم کیا ہو جس نے میرے دل کو اپنی مٹھی میں لیا ہوا ہے ... یا پھر تمہاری شخصیت میں ہی سحر انگیزی ہے جو مد مقابل کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے ... وہ آنکھیں موندے تصور میں مجتبیٰ جمال کا چہرہ دیکھ رہی تھی ..

گارڈ کے گیٹ کھولنے پر تیزی سے دو گاڑیاں اندر داخل ہوئیں .. جن میں آگے آنے والی گاڑی رومان کی گرے ہونڈا سوک تھی۔ اور پیچھے پیچھے مجتبیٰ جمال حسن کی بلیک پراڈو داخل ہوئی .. نوال نے فٹ سے آنکھیں

کھولیں وہ انکی یوں اچانک آمد پر گھبرا گئی تھی وہ خیالوں میں اتنی مگن تھی کے گارڈ کے مین گیٹ کھولنے کا بھی علم نا ہوا ... یہ شکر تھا ان دونوں کا دھیان اس طرف نہیں تھا ...

روہان تو گاڑی سے اترتے ہی اندر بھاگا تھا اسکا موڈ بھی آف لگ رہا تھا ... نوال کو اپنے بھائی کی اس حرکت کی سمجھ نہیں آئی تھی .. وہ مجتبیٰ جمال کو چھوڑ کر اندر چلا جائے . ایسا ہونا تو نہیں چاہیے تھا وہ اسی کشش و پنج میں کھڑی تھی جب نظر گاڑی سے نکلتے مجتبیٰ جمال پر پڑی ... وہ گاڑی کے ڈیش بورڈ سے اپنا قیمتی فون اور سگریٹ جینز کی پاکٹ میں رکھتا نکل رہا تھا ... مجتبیٰ جمال کی نظر بھی گاڑی کا دروازہ بند کرتے نوال پر پڑ چکی تھی .. اور نوال تو گویا اپنا آپ بچا ہوا بھی ہار بیٹھی تھی ..

مجتبیٰ جمال کو وہ شاید کچھ مہینوں بعد دیکھ رہی تھی ... وہ اتنے مختصر وقت میں اتنا بدل گیا تھا ... اسے یاد تھا کوئی سال پہلے وہ ان سے گھر ملنے آیا تھا .. ورنہ باہر گاڑی سے روہان کو لے کر چلا جاتا تھا .. اور آخری بار 2 ماہ پہلے ٹیرس سے ہی مجتبیٰ جمال کی ایک جھلک دیکھ سکی تھی ... نوال کو اسکی مردانہ وجاہت اور خوبرو شخصیت کا اندازہ آج ہوا تھا ... وہ مسکراتا ہوا اسکی طرف ہی آ رہا تھا 6 .. فٹ سے نکلتا قد صاف رنگت بڑی بڑی سیاہ چمکدار آنکھیں کشادہ پیشانی اور ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو ... اسکے مسکراتے ہی نوال کمال حسن کو بھی صحیح معنوں میں پتا چلا کے اصل چاندنی بکھرنا کسے کہتے ہیں .

مجتبیٰ کو اپنے قریب آتا دیکھ کر وہ اپنے حواسوں میں آئی تھی ...

السلام وعلیکم ... نوال کو آج بولنا کچھ زیادہ ہی مشکل لگ رہا تھا ... اور لگتا بھی کیوں نا مد مقابل جانا مانا بد مزاج اور اکھڑ مزاج اسکا کزن جو کھڑا تھا پھر کمبخت دل پر بھی اس شہزادے کی حکومت تھی ... . نوال کی گھبراہٹ بجا تھی .

وعلیکم سلام ... کیسی ہو ... مجتبیٰ نے مسکرا کے پوچھا تھا

اور نوال کمال حسن نے حیرت سے مجتبیٰ جمال کی طرف دیکھا تھا گویا اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا .. مجتبیٰ مسکرا کے اسکا حال دریافت کر رہا ...

میں ٹھیک ہوں اور آپ ... بمشکل ہی وہ پوچھ پائی تھی ...

تمہارے سامنے ہوں جیسا ہوں ...

یا حیرت آج مجتبیٰ کا موڈ اتنا خوشگوار کیسے ہو گیا ...

ارے میرا بیٹا آیا ہے... مجتبیٰ ادھر سے ہی واپس جانا ہے کیا .... نجمہ بیگم بھی تیزی سے چلتے ہوئے لان میں آ ئیں ...

مجتبیٰ انکی طرف بڑھ گیا جھک کر انکو سلام کیا

نجمہ بیگم نے مجتبیٰ کی پیشانی کو چوما اور پھر مجتبیٰ کے گلے لگ گئیں ...

نوال کو یہ منظر بہت مکمل لگا تھا ... وہ چمکتی آنکھوں سے انھیں دیکھ رہی تھی پیچھے پیچھے گل بی بھی آ گئی . مجتبیٰ نے جھک کر گل بی کو بھی سلام کیا ... وسلام . سدا خوش رہو مجتبیٰ بابا ... گل بی نے مجتبیٰ کے کندھے پر پیار سے بوسہ دیا..............نوال جیسی حیرت نجمہ بیگم کو بھی ہوئی تھی ..... مگر وہ مسکراتے ہوئے مجتبیٰ کو لے کر اندر چلی گئیں ... اور گل بی نے نوال کے چہرے کو دیکھا جسکی چمک اور روشنی کے آگے لان میں لگی قیمتی لائٹس کی روشنی بھی مدھم پڑ رہی تھیں ...

****

عشا کی نماز کے بعد اس نے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے تھے ... آنسو اسکی پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر اسکی شفاف ہتھیلیوں کو بھگو رہے تھے ... وہ کبھی بھی دنیا کے سامنے اسکو یاد نہیں کر سکی تھی اسکو سوچ نہیں سکی تھی لیکن جب بھی اسے اپنے رب کے ساتھ تنہائی میسر ہوتی تو وہ اپنے غم پر قابو نا رکھ پاتی تھی ... آج بھی نا چاہنے کے باوجود اسے اپنی دعا میں وہ یاد آ گیا تھا ... اے میرے رب کیا یہ گناہ ہے؟؟؟ جب تیرے قریب ہوتی ہوں وہ یاد آتا ہے؟؟؟ نہیں یہ گناہ نہیں ... میرا تیری ذات کے علاوہ کون ہے دنیا میں جس کو میں اپنا آپ بتا سکوں اور نا بھی بتاؤں تو پھر بھی سب جان جائے گا ... دعا مانگتے اور آنسو بہاتے اس نے آنکھیں بند کی تھیں ...

کتنا تکلیف دہ منظر اسکی آنکھوں کے سامنے آیا تھا

مجتبیٰ جمال تم یہ ٹھیک نہیں کر رہے ... وہ اسکو جاتا دیکھ کر رو پڑی تھی ...

میں کچھ غلط بھی نہیں کر رہا ... اس نے مڑ کر اسے دیکھا تھا ...

مجتبیٰ جمال میں جن راستوں کی مسافر ہوں انکی منزل صرف تم ہو ... تم نا ملے تو دربدری ہی میرا مقدر ہو گی ... وہ خوبصورت آنکھوں میں اشکوں کا سمندر قید کیے ہوئے تھی ...

جس خدا کی تم مانتی ہو نا وہ تمہیں دربدر نہیں کرے گا ... وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا تھا

میں جس خدا کی مانتی ہوں وہ تمہارا بھی خدا ہے مجتبیٰ ... وہ اسے جتاتے ہوئے بولی

ہاں ہے ... لیکن میں اس خدا کو کبھی ہمارے بیچ نہیں لایا .. وہ حبا عظیم کی باتوں سے اکتا رہا تھا...

لانے کی ضرورت نہیں وہ تو ہر جگہ موجود ہے ... حبا نے نرمی سے کہا ... وہ اسے قائل کر رہی تھی...

فار گاڈ سیک ... جسٹ اسٹاپ اٹ نا...

میں ہمیشہ کے لیے جا رہا ہوں... وہ رخ موڑ گیا تھا...

مجتبیٰ مجھے تم سے محبت ... وہ مزید بولنا چاہتی تھی ..

جب مجتبیٰ جمال نے اسکے لبوں پر زور سے شہادت کی انگلی رکھی تھی ....

شش شش .... یہ محبت کا نام اپنی زبان سے مت لو مجھی ... لعنت بھیجتا ہوں میں ایسی محبت پے ... وہ سختی سے بولا تھا غصے سے اسکی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں.....اس نے سختی سے حبا عظیم کو اپنے راستے سے ہٹایا تھا اور غصے سے گاڑی سٹارٹ کر کے اسے تنہا سڑک پر چھوڑ کے چلا گیا تھا ...

حبا نے آنکھیں کھولیں تھیں ... تم نے بہت برا کیا مجتبیٰ بہت برا ... اس نے بہتے آنسوں کو رگڑ کر صاف کیا.... اور اپنی دعا مکمل کرنے لگی ... جس میں بہتے آنسو صرف خدا کے لیے تھے

****

وہ گھر سے نکل کر کافی دیر گلیوں میں گھومتا رہا تھا ... بظاہر تو وہ مطمئن ہو گیا تھا لیکن وہ اچھے سے جانتا تھا کے حبا کے ساتھ جو ضد اسکی ماں بہنیں لگا بیٹھی ہیں وہ اتنی آسانی سے ختم نہیں ہوگی .. وہ 2 سالوں میں بارہا سب ٹھیک کرنے کی کوشش کر چکا تھا ... مگر نتیجہ صفر تھا ... ہر آنے والا دن حبا کے لیے مشکل ہو رہا تھا... اسے اس وقت صرف حبا کی فکر تھی اگر وہ اس گھر میں موجود تھی تو صرف اور صرف شاہ میر کی وجہ سے .. اور شاہ میر کو یہی بات اندر ہی اندر ہزار واہموں میں مبتلا کر رہی تھی.. سردی شدید تھی اور رات تاریک .وہ چلتا چلتا ایک کچی بستی میں آ گیا تھا ... جو کہ خانہ بدوشوں کی بستی تھی ... قطاروں میں لوگ خیمے لگائے ہوئے تھے. ہر طرف گہرا سناٹا تھا ... سردی کی شدت سے منہ سے دھویں نکل رہے تھے. کوئی اکا دکا خیموں سے روشنی باہر کو آ رہی تھی.. وہ چند لمحوں کے لیے ٹھہر سا گیا تھا.. پھر حوصلہ کر کے قدم اٹھائے....

.سب سے آخری والے خیمے کے پاس پہنچ کر اس نے آہستہ سے آواز دی تھی ... تارا ...

خیمے سے ہلکی ہلکی روشنی باہر آ رہی تھی ... اندر ہنوز خاموشی تھی ...

شاہ میر نے دوبارہ آواز دی ... تارا ..

وہ ہمیشہ دن کی روشنی میں ادھر آیا تھا مگر آج اسوقت اس کے قدم خود بخود اس طرف اٹھ گئے تھے وہ جھجک بھی رہا تھا ... رات کا اندھیرا، منجمند کرتی سردی، اور اجنبی علاقہ ... وہ کوئی جواب نا ملنے پر عجیب تذبذب کا شکار تھا ...

بابو ... اس کے عقب سے تارا کی آواز آئی تھی ...

وہ چونک کے پلٹا تھا...

تارا شکر ہے تم آ گئے ... شاہ میر نے تارا کو دیکھ کر سکھ کا سانس لیا ...

وہ سادہ سی شلوار قمیض پر دوپٹہ لیے کوئی 25 سالہ خواجہ سرا تھا ....

مجھے تو آنا ہی تھا بابو تم اس وقت خانہ بدوشوں کی بستی میں کیوں آ گئے ... مجھے بلوا لیا ہوتا ... تارا اپنے مخصوص انداز میں پریشانی سے بولا

مجھے دعا کروانی ہے تمہاری عالی بی بی سے .... شاہ میر نے سنجیدگی سے جواب دیا ...

عالی بی بی سے .... اس وقت ... تارا حیران تھا ...

خیر تو ہے میر بابو .... پانی پیو گے ... تارا کو شاہ میر ازحد پریشان لگا تھا ... وہ فکرمند تھا...

نہیں ... بس تم عالی بی بی سے کہو مجھے دعا کروانی ہے .... شاہ میر نے تارا کو منع کیا

اچھا بابو رکو میں پوچھتی ہوں عالی بی بی سے ... تارا کہہ کر خیمے کے اندر چلی گئی ....

2 منٹ بعد ہی تارا نے آواز دی ... بابو ادھر آ ٹیبان کھڑے ہو کر بول دو جو دعا کرنی ہے عالی بی بی سن رہی ہیں ...

شاہ میر انکے خیمے کے قریب ہو گیا ... وہ مدھم لہجے میں بول رہا تھا ... اور خیمے کے دوسری جانب عالی بی بی بھیگتی آنکھوں کے ساتھ آمین بول رہی تھی ...

****

مجتبیٰ نے کھانا بہت رغبت سے کھایا تھا ... اور دل کھول کر تعریف بھی کی تھی وہ سب ٹی وی لانج میں بیٹھے تھے ..

رومان ہنوز خاموش تھا ...

رومی بیٹا کیا بات ہے ... کیوں ناراض ہو مجتبیٰ سے ... نجمہ بیگم نے رومان کو خاموش دیکھ کر پوچھا ...

یہ آپ اپنے بھانجے سے پوچھیں .. وہ ناراضگی سے بول کر چینل سرچنگ میں مصروف تھا..........

خالہ جان اب بیچارے کی عمر کا تقاضا ہے اس عمر میں انسان زیادہ تر چڑ چڑا ہو جاتا ہے ... مجتبیٰ نجمہ اور ساتھ بیٹھی نوال کی طرف دیکھ کر شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا تھا ... وہ دونوں ہی مسکرا رہی تھیں ..

بھائی تم تو عمر کی بات مت کرو ... ماما آپکو پتا ہے موصوف جلد ہی کسی مولوی کے روپ میں آپکو نظر آ ئیں گے ... آتے ہوئے پورا گھنٹہ مسجد میں بیٹھ کر آیا ہے ... رومان کو دس منٹ کا کہ کر وہ واقعی مسجد میں گھنٹہ بیٹھا رہا تھا ...

ارے بہت ہی عجیب بات کی رومی تم نے مسجد ہی بیٹھا نا کسی مے خانے میں تو نہیں جو تمہیں غصہ آ رہا ہے .. نجمہ بیگم کو برا لگا تھا ... اگر چہ حیرت نجمہ بیگم کو بھی ہوئی تھی مگر آج وہ کسی صورت اپنے لاڈلے بھانجے کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھیں اسلیے پیار سے انہوں نے مجتبیٰ کی سائیڈ لی ...

مسجد والی بات پہ نوال بھی حیران تھی

آپ لوگ نہیں سمجھیں گے ... رومان بے بسی سے بولا ...

اچھا یار سوری .. ناراضگی ختم کرو مجتبیٰ نے رومان کے کندھے پر پیار سے تھپکی دی ...

اوکے ناراضگی بھی ختم کرلوں گا مگر ایک شرط ہے ... رومان سیدھا ہو بیٹھا تھا

خالہ جان یہ وکیل لوگ اپنے مفاد کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے کیا .. مجتبیٰ مسلسل رومان کو چھیڑ رہا تھا ...

جو مرضی سمجھو... تم کل کا دن بھی ہمارے ساتھ گزارو گے ... اینڈ thats final رومان نے ریموٹ لانج میں پڑے خوبصورت ٹیبل پر رکھا تھا ..

ہاں اس بات پہ تو میں بھی رومان سے متفق ہوں .. نجمہ بیگم بھی مسکرائی تھیں ...

گل بی سب کے لیے گرین ٹی اور خشک میوہ جات ٹرولی میں سجا لائی تھیں...

یہ لو سب گرما گرم قہوہ پیو ... بی بی جی صاحب کا فون آیا ہے آپ کے لیے ... اور رومی بابا آپکا کوئی دوست آیا ہے ... گل بی نے مجتبیٰ اور نوال کو خوبصورت شیشے کے نازک سے گرین ٹی کے بھاپ اڑاتے کپ پکڑائے ..... اور دوبارہ کچن میں چلی گئیں ... رومان پیغام سنتے ہی باہر چلا گیا تھا.....

بیٹا آپ قہوہ انجوائے کرو میں آپ کے انکل کا فون سن کے آئی .. آج صبح سے سیاست کے چکر میں وہ گھر فون نا کر سکیں ... نجمہ بیگم کہتے ہوئے اندر چلی گئیں...

نجمہ بیگم کے شوہر بزنس کے ساتھ اب سیاست میں bہی ان ہو رہے تھے اس غرض سے انکے دوستوں کے ساتھ بیرون ممالک کے چکر لگتے رہتے تھے ...

مجتبیٰ ٹی وی دیکھتے ہوئے گرین ٹی پینے لگا ... جب اسے خیال آیا نوال بھی ادھر موجود ہے .

وہ سائیڈ پڑے صوفے پر ہاتھ میں کپ پکڑے گم سم سی بیٹھی تھی ..

مجتبیٰ نے غور سے اسکو دیکھا ... مگر نوال کو جیسے علم ہی نا ہوا ...

اتنی بے خبر بیٹھی ہے ... وہ کچھ دیر اسکو دیکھتا رہا ... مگر وہ تو جیسے کسی اور ہی دنیا میں تھی

نوال ... اس نے نوال کو کافی ٹائم بعد نام سے پکارا تھا ..

ہم مم ... جی ... وہ ہڑ بڑا گئی اور ہاتھ میں پکڑا گرین ٹی کا مگ دوسرے ہاتھ پے گرا بیٹھی .... سی ... اسکے منہ سے صرف سسکی نکلی تھی ...

ارے ... آرام سے مجتبیٰ فورا اسکے قریب آیا تھا. نوال کی بیوقوفی پر وہ بھی گڑ بڑا گیا تھا

. ٹشو بکس سے ٹشو نکال کر اس نے نوال کمال حسن کا ہاتھ تھاما تھا ... اور جلدی جلدی صاف کرنے لگا ... نوال کو ابھی تک کچھ سمجھ ہی نہیں آیا تھا ... وہ اپنا سانس روکے مجتبیٰ جمال کے ہاتھوں میں ہاتھ دیے بیٹھی تھی ... اسکا نازک ہاتھ وہ ٹشو پیپر سے صاف کر کے لانج سے ملحق واش روم میں گیا. اور اگلے ہی لمحے ٹوتھ پیسٹ ہاتھ میں لیے اس کے ساتھ صوفے پے بیٹھا... پاگل لڑکی دیکھو کتنا ہاتھ جلا لیا ... وہ کتنی فکر سے اسکے پورے ہاتھ پے پیسٹ لگانے لگا نوال کا پورا ہاتھ سرخ ہو چکا تھا مگر جلن کے احساس سے صرف اسکی آنکھیں بھیگی تھیں ... جلن محسوس ہوتے ہوئے بھی نہیں ہو رہی تھی ... وہ اسکے قریب بہت قریب بیٹھا تھا صرف نوال کمال حسن کی خاطر ... مجتبیٰ جمال کے ملبوس سے پھوٹتی قیمتی کلون کی خوشبو نوال کمال حسن کو مہکا رہی تھی ...

ٹھیک ہے؟ جلن زیادہ تو نہیں ... وہ نوال کا ہاتھ تھامے اسے دیکھتے ہوئے بولا ...

نہیں ... ٹھیک ہے ... وہ مجتبیٰ جمال کے دیکھنے پے صرف اتنا ہی بول پائی تھی ... اسکی آنکھوں میں عجیب سحر تھا .. آنکھ جھکاتا تو اسکی آنکھ اور بھی موٹی لگتی اور جب آنکھ کھولتا تو سرخ ڈورے اگلے بندے کو بے چین کرتے تھے .. مجتبیٰ کی پلکوں کی جنبش پے نوال کمال حسن کا دل اتھل پتھل ہو رہا تھا ..

اوکے گڈ ... پیسٹ لگائی ہے اس سے وقتی طور پر آرام ملے گا ... وہ نوال کا ہاتھ گھما کر دیکھتے ہوئے تسلی کر رہا تھا

.. پھر پیسٹ واش روم میں رکھنے گیا.....

گل بی جو اندر آتے آتے رک گئی تھی ... مجتبیٰ کو نوال کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر گل بی نے بھی دونوں کے ساتھ کی دعا کی تھی.. گل بی نوال کمال کے جزبات کا اندازہ بخوبی لگا سکتی تھیں .. مسکراتے ہوئے وہ نوال کے پاس آئی

.... ماڑا ابھی سے ہوش گنوا بیٹھا ... گل بی نے سرگوشی کی جو سمجھ کے نوال جھینپ گئی .....

جی نہیں ... وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی تھی ... کہ مجتبیٰ بھی ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتا آ گیا تھا ...

پیچھے پیچھے رومان بھی اسے آوازیں دیتا لاؤنج میں آ گیا...

آو یار آفندی آیا ہے ... تمہیں ملواتا ہوں ... رومان کہتا ہوا مجتبیٰ کو باہر لے گیا...

اور نوال کمال حسن اپنے جلے ہوئے ہاتھ کو دیکھنے لگی .... آنکھیں بند کر کے اس نے ایک بار پھر اس دشمن جاں کی مسیحائی کو محسوس کیا تھا ... اور اسکے ارد گرد مجتبیٰ جمال کی خوشبو بکھر بکھر گئی تھی.....

یہ جلن یہ تکلیف اگر تا عمر آپکو میرے قریب میری نظروں کے سامنے رکھے تو میں سدا جلنے کو تیار ہوں ...

********************** ******************

نماز پڑھ کر وہ باہر نکلی تو باورچی خانے میں ایک طوفان بدتمیزی برپا تھا ... وہ دیکھ کر حیران تھی ... نماز سے پہلے وہ سب کو کھانا دے کر کچن صاف کر چکی تھی ... ابھی سنک گندے برتنوں سے بھری پڑی تھی .. پورے کچن میں مونگ پھلی کے چھلکے بکھرے تھے ... مریم اور تابندہ نے ہی کچن میں محفل جمائی تھی .. حبا ایک گہرا سانس بھر کے ٹھنڈے برف پانی سے برتن دھونے لگی ... برتن دھونے کے بعد کاؤنٹر صاف کر کے کچن سے جھاڑو لگا کر وہ پورے کچن کا جائزہ لے کر پلٹی تو شاہ میر کچن کے دروازے سے ٹیک لگائے نا جانے کب سے اسے دیکھ رہا تھا ...

ارے آپ کب آئے؟؟ وہ چونک گئی تھی

کوئی چیز ضرورت ہے شاہ میر ... وہ شاہ میر کو خاموش دیکھ کر بولی .اسے لگا وہ کوئی چیز لینے آیا ہے ....

وہ کچن میں آیا اور خاموشی سے حبا کو اپنے سینے سے لگا لیا ... حبا اسکی اس حرکت پے حق دق رہ گئی.

.وہ نرمی سے حبا کے الجھے بالوں کو سہلا رہا تھا .... نا جانے کیوں حبا کا دل کیا کے وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دے ... اسکی قربت میں جو اپنایت تھی جو خلوص تھا جو فکر تھی وہ حبا کو کسی اپنے کے ہونے کا احساس دلا رہی تھی ... حبا کو محسوس ہوا کہ وہ اکیلی نہیں اسکا ہمدرد بھی ہے... وہ انتہائے ضبط کے باوجود اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ سکی

... جس وجود نے اسکو اپنے ساتھ لگایا تھا ایک وہی تو اسکا واحد سہارا اور سب سے بڑھ کر محرم تھا....

حبا مجھے معاف کر دو ... شاہ میر نے آنکھیں بند کیے ہوئے کہا تھا .... حبا نے آنکھیں کھول کر شاہ میر کے لفظوں پر غور کیا اور سمجھ میں آتے ہی اس سے الگ ہوئی تھی..

شاہ میر کیا بات ہے .... حبا کو کچھ تھا جو کھٹکا تھا ...

کچھ نہیں .... چائے پیو گی ؟؟؟ وہ پیار سے اسے دیکھتے ساس پین میں چائے کا پانی رکھنے لگا ....

ارے آپ جائیں میں بنا کر لاتی ہوں .. حبا نے آگے ہونا چاہا...

نہیں میں بناں گا تم مجھے دیکھنا بس ... وہ مسکرایا تھا ...

حبا بھی دلچسپی سے اسکو دیکھنے لگی ...

یہ چینی ہے نا ... وہ نمک کو چینی سمجھ کر حبا سے پوچھ رہا تھا

حبا کو ہنسی آ گئی تھی ... یہ موصوف چائے بنائیں گے.....

واہ واہ یہ وقت بھی دیکھنا تھا.

دو دو جوان بہنیں گھر پر موجود ہیں اور بھائی بھابی کو شرم نام کو نہیں ہے ... اور یہ دیکھو ہاں تو ماں تھی یہ ماں سے بھی دس ہاتھ آگے ہے اٹھ کر پانی نا پینے والے کو چولہے کے آگے کھڑا کر دیا ... اللہ توبہ ...

عارفہ بی بی کی یوں اچانک آمد پر حبا گھبرا گئی تھی البتہ شاہ میر مطمئن تھا جیسے اسے کوئی فرق ہی نا پڑتا ہو ...

حبا کو بھی کے عارفہ بی بی ہو گئی جا سے معلوم ہوتا کے وہ جاگ رہی ہیں تو کبھی کچن میں شاہ میر کے ساتھ کھڑی نا ہوتی .... حبا نے گھبرا کر شاہ میر کو دیکھا تھا....

امی اپنا بی پی شوٹ مت کریں ... آج میرا دل کیا چائے بنانے کو ... یہ تو کب سے کچن کی صفائی میں لگی ہوئی تھی ... شاہ میر نے تسلی سے جواب دیا ....

چار جی ہیں گھر میں کونسا بھرا پرا گھر ہے جو تمھیں یہ ہر وقت کام کرتی نظر آتی ہے ... عارفہ بی بی کو شاہ میر کا حبا کی طرف داری کرنا بری طرح کھلا تھا مگر وہ قدرے آرام سے بولیں ...

پھپھو آپکو کچھ چاہیے.. حبا نے نرمی سے پوچھا ...

مجھے کیا چاہیے شاہ میر کے ابا کے لیے دودھ لینے آئی تھی.. غریب بستر پر پڑا کچھ بولتا نہیں تو کوئی احساس بھی نہیں

کرتا ... عارفہ بی بی کہ کر فریج سے دودھ نکالنے لگیں...

پھپھو انکل کو دودھ کے ساتھ دوا کھلا دی وہ تو سو بھی گئے ..

حبا شاہ میر کے ابا جو کے فالج کے وجہ سے بستر پر ہوتے بول بھی نا پاتے انکا پورا خیال رکھتی تھی اور ابھی بھی وہ دوا کھلا آئی تھی...

امی یہ لیں آپ دودھ پیے اور آرام کریں ابا سو چکے ہیں میں دیکھ آیا ہوں ... شاہ میر نے نرمی سے ماں کو دودھ کا گلاس پکڑایا اور انکو کندھوں سے تھام کر باہر لے گیا.. حبا نے سکھ کا سانس لیا اور کھولتی چائے کو اپنے اور شاہ میر کے مگ میں ڈال کر کمرے میں چلی گئی جہاں پہلے سے موجود شاہ میر کسی گہری سوچ میں غرق تھا...

****

رات کا ایک بج رہا تھا ... وہ اپنے نرم گرم بستر پر کروٹ بدل رہی تھی ...

میری آنکھوں سے تیری آنکھوں

کے تصادم میں

میرے بے خبر تجھے کیا خبر

اپنے نازک مچلتے

دل کو تیرے پہلو میں

چھوڑ آئی ہوں

حادثے تو بہت ہوئے

میرے ساتھ مگر

اس حادثے میں

میں اپنا سب کچھ

تم پر ہار آئی ہوں

تیرے اقرار تیرے وصل

کے خوابوں کو سجائے

میں مانتی ہوں میری جان

بہت دور نکل آئی ہوں ....

رومان کے دوستوں کی محفل 12 بجے تک ڈرائنگ روم میں جاری رہی تھی ... پھر سب اپنے گھروں کو چلے گئے تھے .. باہر خاموشی تھی ...

وہ مجتبیٰ کے خیال کو مسلسل جھٹک رہی تھی مگر اسے معلوم تھا آج ایسا کرنے کا کچھ فائدہ نہیں ہونے والا ... اس نے اپنے ریشمی بالوں کو اپنے ہاتھوں سے رف سی لک دی اور شال اوڑھ کر پیروں میں نرم سی چپل پہن کر وہ باہر لان کی طرف چلی گئی.. لانج کا دروازہ لاک نہیں تھا . لانج کا دروازہ کھولتے ہی یخ ہوا نے اسکا استقبال کیا تھا ... اسکے پورے جسم میں سرسراہٹ سی ہوئی تھی ... وہ دونوں ہاتھ باندھے کار پورچ میں کھڑی مجتبیٰ جمال کو بلیک پراڈو دیکھنے لگی ... مجتبیٰ جب گاڑی سے نکلا اور جیسے نوال پر اسکی نظر پڑی تھی ... نوال سوچ کر مسکرا دی تھی ... ... پھر چلتے چلتے لان میں آ گئی ... سردی انتہا سے زیادہ تھی .. بادل گرج رہے تھے . رات کے اس پہر اتنی سردی میں باہر نکلنا بیوقوفی تھا مگر نا جانے کس احساس کے تحت وہ باہر کھڑی تھی ... وہ گھاس پر نظریں جمائے چھوٹے قدموں سے چل رہی تھی ... سر جھکائے وہ مسکراتی ہوئی اپنے خیال میں مگن تھی ... جب چلتے چلتے وہ کسی مضبوط انسانی وجود سے ٹکرائی تھی ... اور وہ گرتے گرتے بچی ...

اہ .. تم ... مجتبیٰ جو نیند نا آنے کے سبب لان میں کھڑا اسموکنگ کر رہا تھا نوال کو دیکھ کر تلملا اٹھا تھا ...

ایم سوری ... میں نے آپ کو دیکھا نہیں ... نوال پہلے تو بری طرح ڈر گئی پھر گھبرائی اور اب مجتبیٰ کو اپنے سامنے دیکھ کر شرمندہ ہو گئی تھی ...

تم اس وقت ادھر کیوں آئی ہو... مجتبیٰ اب کچھ گھنٹے پہلے والا مجتبیٰ نہیں لگ رہا تھا ... وہ غصے سے بولا تھا

وہ مجھ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی ... نوال سچ میں گھبرا گئی تھی

نیند نا آئے تو گھر آئے مہمان پر نظر رکھتے ہیں ... مجتبیٰ بری طرح ڈسٹرب ہوا تھا اور نوال کی مکمل کلاس لینے پے تلا تھا.........نہیں میرا یہ .... وہ بولنا ہی چاہتی تھی جب اس نے ٹوک دیا

بس ٹھیک ہے تم جا ... مجتبیٰ نے قدرے نرم لہجے میں کہا وہ زیادہ بولنا بھی نہیں چاہتا تھا ...

نوال نے عافیت جانی اور فوراً پلٹی ..

بات سنو ... مجتبیٰ کی آواز پر وہ ٹھٹک کر رکی ...
وہ چلتا ہوا اس کے سامنے آن کھڑا ہوا... نوال سانس روکے کھڑی تھی
تمہارا ہاتھ ٹھیک ہے اب ... وہ سگریٹ ہاتھ میں پکڑے نوال کے ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے پوچھ رہا تھا ...
ہاتھ؟؟؟ نوال کو اپنے ہاتھ کی تکلیف کا تو یاد بھی نہیں تھا ...
اوہ ہاں ہاتھ ٹھیک ہے ... وہ زبردستی مسکراتے ہوئے بولی تھی
اوکے یو کین گو ... وہ رستے سے ہٹ گیا تھا اور نوال فٹ سے اندر بھاگی تھی ...
کمرے میں آ کر وہ جی بھر کر ہنسی بھی اور خود کو خوب کوسا بھی .. کیا ضرورت تھی مجھے اس وقت باہر جانے کی ...
مجتبیٰ کیا سوچتے ہوں گے کہ میں جان بوجھ کر ان کے پیچھے گئی ...
اف خدایا ... وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی ...
پورے بٹلر لگ رہے تھے. میں فضول کی خوش فہمی میں تھی کہ بدل گئے ... وہ خود سے ہی باتیں کر رہی تھی ...
اچانک وہ اٹھ کر گلاس ونڈو کے پردے ہٹا کر باہر لان میں دیکھنے لگی ...
مجتبیٰ جمال بلیک سادہ شلوار قمیض پر براؤن کھدر کی مردانہ شال کندھوں پر ڈالے جو کہ مجتبیٰ ہمیشہ اپنی گاڑی میں رکھتا تھا... ساتھ بینسن سگریٹ کے کش پہ کش لگا رہا تھا... وہ بےچینی سے ادھر ادھر ٹہل رہا تھا ...
مجتبیٰ کے چہرے پر عجیب سا اضطراب تھا... جو نوال کمال حسن نے محسوس کیا تھا ... وہ پردہ گرا کر بیڈ پر بیٹھ گئی...
کچھ تو ہے... جو مجتبیٰ کو تکلیف دے رہا ہے... کیا ہو سکتا ہے ......
یہی سوچتے سوچتے اسکی آنکھ لگ گئی ......

****

تمہارے شہر کی فضا کیوں خاموش ہوگئی ... تمہارے شہر کی برسات کیوں ویران ہوگئی
حبا عظیم کیا قدرت کی رنگینی بھی تمہارے دم سے تھی یہ ہی شہر تھا یہ ہی یخ بستہ ہوائیں یہ ہی بارشیں ... سب کچھ کتنا حسین لگتا تھا تمہارے دم سے .... تمہارا ساتھ اتنا دلنشیں تھا کے جیسے ہر شے پر رونق ہی رونق ہو جیسے ہر شے نے محبتوں کی چادریں اوڑھ لی ہوں ... تم جب اس کھردری زمین پر قدم اٹھاتی تھی تو زمین زرخیز ہو جاتی تھی راستوں کو اپنے نشان مل جاتے تھے ... جب تم گرجتے بادلوں کو شوق سے تکتی تھی تو انکی گرج بھی نرم پڑ جاتی تھی

جب تم برستی بارش میں اپنا چہرہ آسمان کی جانب کر کے اپنے شفاف چہرے پر بارش کی بوندیں جذب کرتی تھی تو بارش کے قطروں کا چاند پر گرنے کا گمان ہوتا تھا...

تم کیسی دیوانی تھی ایسے موسموں کی ...

"" میں اس دنیا میں ایک بارش اور دوسرا مجتبیٰ جمال حسن کی دیوانی ہوں ""

حبا عظیم نے کھنکتے لہجے میں کہا تھا ...

مجتبیٰ کے کانوں میں حبا کی آواز گونجی تھی ....

میں تو بیوفا تھا محبت کا دعویدار بھی نہیں تھا ... لیکن تم نے بھی پلٹ کر اپنی محبت کو نہیں پوچھا؟؟؟

میں مان ہی نہیں سکتا کہ تم مجھے بھول سکتی ہو .... ہرگز نہیں ... تم دنیا بھلا سکتی ہو مجھے نہیں کیوں کہ تم خود میرے معاملے میں بے اختیار تھی... تم نے مجھ سے کبھی نا ختم ہونے والی محبت کی تھی... ... تم کہیں مجبور ہو ... تم بہت مجبور ہو ... مجھے آواز تو دو ... میں تم تک نہیں پہنچ سکتا.... مجھے تمہارے ہونیکا علم نہیں لیکن تمہارے مجھ تک آنے والے تمام راستے وہی ہیں حبا ... تم آجا آج آجا... ابھی آجا... مجھے اپنی خبر تو دو ... میں قسم کھاتا ہوں ساری مجبوریاں سرے سے ختم کر دوں گا ... مجھ تک آنے میں جو شے رکاوٹ بنے گی سب ختم کر دوں گا سب کو ختم کر دوں گا... اور کچھ نا کر سکا تو خود کو ختم کر لونگا... وہ عجیب طیش میں آیا تھا

وہ دیوانہ وار لان میں پڑے ڈیکوریشن گملوں کو اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگا تھا باہر کی طرف آتا رومان تیزی سے اسکی طرف لپکا اور فٹ سے اسکو قابو کر کے سائیڈ پے لے گیا آیا گھر والے اٹھ جاتے تو مزید تماشا نا بن جائے ... گارڈ بھی انکی جانب دوڑتا ہوا آیا ... کیا ہوا صاحب کو ... خاموش رہو اور وہ اٹھا کوئی کچھ بھی پوچھے یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں ..... رومان مجتبیٰ کو تھامے گارڈ کو ہدایت دیتے اندر کی طرف بڑھ گیا ... اندر آکر اس نے مجتبیٰ کو بیڈ پر دھکا دیا تھا اور دروازہ لاک کر کے مجتبیٰ کے سامنے کھڑا ہو گیا ...

یہ کیا بیوقوفی تھی ... ؟؟؟ وہ نیم زوردار آواز میں بولا

مجتبیٰ سر جھکائے چپ رہا .... دونوں ہاتھوں میں بالوں کو جکڑے وہ انتہائی اذیت میں مبتلا تھا ...

بولتے کیوں نہیں تم ... کیا ثابت کرنا چاہتے ہو تم بہت پکے عاشق ہو .... مجنوں ہو؟؟؟ کس کے لیے یہ سب کر رہے ہو جو معلوم نہیں زندہ بھی ہے کہ نہیں ... رومان تلخی سے بولا تھا

جسٹ شٹ اپ رومان .... مجتبیٰ کا سارا خون جیسے آنکھوں میں اُمڈ آیا تھا....

ہاں آؤ مجھے مارلو .... لیکن اپنی اس ازیت کو ختم کرو برباد ہو جاؤ گے ... تم سمجھتے کیوں نہیں ہو ... یہ کونسا دور ہے سچی محبتوں کا. آج کل کوڑیوں کے بھاؤ محبتیں مل جاتی ہیں تم کن چکروں میں ہو .. رومان اب اسکی حالت پر پریشان تھا ...

میں اس کے بغیر برباد ہوں.. مجھے صرف اسکی محبت چاہیے ... مجھے حبا عظیم ہر قیمت پر چاہیے .... رومی اسکو ڈھونڈ کر لے آؤ اسکا کوئی اتا پتہ بتادو ... مجھے یہ شہر اس کے بغیر ویران لگ رہا ہے مجھ سے سانس لینا دشوار ہے یہاں.. اس شہر کی فضا میں آج بھی اسکی مہک ہے .... وہ انتہائی بے بسی سے بول رہا تھا

مجتبیٰ ... اچھا ریلیکس ... یہ پانی پیو .... رومان نے زبردستی اسکو پانی پلایا ... ساتھ سائیڈ ٹیبل کے دراز سے ٹیبلٹ بھی نکال کر دی یہ ٹیبلٹ کھا سکون ہوگا ... رومان نے ساتھ ایک نیند آور گولی بھی کھلا دی ...

صبح بات کریں گے تم آرام کرو ... مجتبیٰ خاموشی سے بغیر کچھ کہے لیٹ گیا تھا...

باہر بارش پھر تیز ہوئی تھی . ..

رومان کافی دیر مجتبیٰ کو دیکھتا رہا جواب سو چکا تھا... رومان آج پریشان تھا اور از حد پریشان تھا... وہ آج سچ مچ کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا....

************* .... *************

ارحم اسلام آباد کی ٹکٹ کنفرم کروالی بیٹا ... صبیحہ بیگم جو پانی پینے کچن میں گئی تھیں ارحم کے کمرے کی لائٹ آن دیکھ کر دروازہ ناک کر کے پوچھ رہی تھیں....

جی امی کروالی تھی ... ارحم دروازہ کھول کر کمرے سے باہر آیا تھا

بیٹا سو جا رات کافی ہو گئی ہے. صبح جلد نکلنا ہے . صبیحہ بیگم نے پیار سے اپنے شوخ سے بیٹے کو دیکھا ... کتنا فرق تھا مجتبیٰ اور ارحم میں.. مجتبیٰ شروع سے ہی باغی باغی سا تھا جب کہ ارحم بہت سوفٹ نیچر کا تھا ... وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کمرے کی جانب چلی گئیں ...

ارحم کمرے میں آ کر مجتبیٰ جمال کے لیے اسکی پسند کے لیے گئے گفٹس جن میں قیمتی پرفیوم، برانڈڈ رسٹ واچ ... اور دیگر چیزیں شامل تھیں ٹریول بیگ میں رکھنے لگا.. اسکے علاوہ اپنی کچھ ضروری اشیا بیگ میں رکھنے کے بعد

اچانک اسکی نظر بیڈ پر موجود سلور رنگ کے کیس پر پڑی وہ بہت دلکشی سے مسکرایا تھا.
مجتبیٰ کا کل برتھڈے تھا ... اس بار رومان اور ارحم نے مجتبیٰ کے لیے کل رات سرپرائز پارٹی کا پلان اسلام آباد monal ریسٹورنٹ میں کیا تھا ... کل صبح ارحم نے صبیحہ بیگم کو لے کر اسلام آباد پہنچنا تھا..
ارحم نے سلور رنگ کا کیس اٹھا کر کھولا وائٹ گولڈ کا نفیس سا بریسلیٹ جو واقعی بہت خوبصورت تھا... ارحم نے نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھا... نوال کل یہ دن مجتبیٰ بھائی کے ساتھ ساتھ میرے لیے بھی بہت خاص ہوگا... جو محبت مجھے کئی سالوں سے تم سے ہے اس کے اظہار کا دن ہوگا ... کل میں اپنے تمام پوشیدہ جذبے تم پر عیاں کرونگا ...
نوال مجھے تم سے محبت ہے ہاں نوال کمال حسن تمہاری میری دوستی صرف دوستی نہیں ہے ... یہ محبت ہے ....
7 دسمبر کا دن اصل معنوں میں اظہار محبت کا دن ہوگا ...
ارحم کے چہرے پر خوشی اور آنکھوں میں ستارے جگمگا رہے تھے ... آرام سے بریسلٹ کیس میں رکھ کر وہ بیکنگ کو فائنل ٹچ دے کر لیٹ گیا.
آج اسے نیند کہاں آنی تھی ... نوال کا نازک سراپا اسکی آنکھوں کے سامنے تھا وہ اسکی بہت اچھی دوست بھی تھی .... ارحم نے سائیڈ ٹیبل سے موبائل فون اٹھا کر میسج ٹائپ کیا ... جاگ رہی ہو؟؟؟
دوسری طرف نوال جسکی ابھی آنکھ لگی تھی میسج ٹون پر ڈسٹرب ہوئی تھی ... فون پکڑ کر جب ان باکس میں ارحم کا نام دیکھا تو وہ چونک گئی ... اس وقت میسج ...
میں ٹھیک ہوں خیریت نوال نے ریپلائی کیا.
ارحم سمجھ گیا تھا وہ اس وقت اس کے میسج پر حیران ہوئی ہوگی ...
ہاں خیریت ... ابھی سوئی نہیں؟
ارحم نے بھی ٹائپ کیا
سو ہی رہی تھی تم نے اٹھا دیا with smily ... جواب آیا ...
اوکے سو جاؤ صبح ملاقات ہوتی ہے .... گڈ نائٹ ... ارحم نے فون سائیڈ پہ رکھ دیا
مجتبیٰ کے علاوہ سب ہی اس گیٹ ٹو گیدر کے بارے میں جانتے تھے . مجتبیٰ کے اسلام آباد پہنچنے سے پہلے ہی رومان اور ارحم نے پروگرام فون پر ڈیسائیڈ کر لیا تھا...

نوال نے حیرت سے فون کو دیکھا ... دونوں بھائی ہی عجیب ہیں. ایک آدھی رات کو ڈراتا اور دوسرا آدھی رات کو جگاتا ہے .. وہ مسکرا کر آنکھیں موند چکی تھی

ادھر ارحم نوال کو سوچ رہا تھا... آنے والا کل کتنا حسین ہوگا وہ یہ ہی سوچ رہا تھا اور تقدیر ان سب کی سوچ پر صرف مسکرا رہی تھی ...

****

صبح 8 بجے خود ہی اس کی آنکھ کھلی تھی آج حبا نے اسے آفس کے لیے نہیں اٹھایا تھا... وہ آنکھ کھلتے ہی اٹھ کے بیٹھ گیا ... رات بھی جب حبا چائے لے کر کمرے میں ائی تو وہ فورا چائے پیتے ہی سو گیا تھا ... شاہ میر نے بیڈ کی دوسری طرف دیکھا تو حبا بیڈ کے کونے پر ٹکی ہوئی تھی ... وہ سو رہی تھی.... ابھی تک اٹھی نہیں .. شاہ میر حیران ہوا تھا ... اسے تو صبح جلدا ٹھنے کی عادت ہے ... وہ پریشان ہوا تھا.. وہ اٹھ کر بیڈ کی دوسری جانب آیا تھا جس طرف حبا سو رہی تھی ...

حبا ... شاہ میر کی آواز پر بھی وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی ...

شاہ میر نے نرم، کمبل ہٹایا اور حبا کے چہرے پر بکھری لٹوں کو آرام سے سائیڈ پہ کیا تھا وہ حیران تھا وہ ابھی بھی بے سدھ پڑی تھی ... وہ تو ایک آہٹ پر چونک کر اٹھ جانے والی تھی ... شاہ میر کو حبا کے بال پیچھے کرتے انگلی کے پوروں پر تپش کا احساس ہوا تھا... اس نے بیڈ کے قریب بیٹھ کر حبا کے چہرے کو پھر پیشانی اور پھر گالوں کو چھو کر دیکھا ...

اسے تو شدید بخار ہے ... حبا .. حبا آنکھیں کھولو.. وہ شدید پریشان ہوا تھا ...

مریم .. مریم ... شاہ میر نے بہن کو آواز دی تھی ...

لیکن وہ مریم ہی کیا جو سن جاتی ... وہ باہر آیا...

تم لوگوں کو آواز نہیں سنائی دیتی ... مریم اور تابندہ ناشتہ کرتے ہوئے ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھیں ...

خیر تو ہے کیوں صبح صبح بہنوں پر برس رہے ہو ... عارفہ بی بی بھی شاہ میر کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئیں ...

کتنی آوازیں دی سنتی ہی نہیں ہیں . شاہ میر برسنے والی بات اگنور کرتا ہوا آرام سے بولا

تو اپنی بیگم کو آواز دو نا بھائی جسے دن چڑھے تک پہلو میں لٹایا ہوتا ہے . مریم خاصی بدزبان تھی.

آپ زبان دیکھ رہی ہیں اسکی ... وہ عارفہ بی بی کو دیکھ کر افسوس سے بولا..

وہ اندر بخار میں بے سدھ پڑی ہے اور تم لوگ کچھ کر نہیں سکتی تو فضول بھی مت بولو ... وہ غصے سے باہر نکل گیا تھا

دیکھا امی .... کیسے اسکی زبان بولتا ہے ...

مریم نے پراٹھے کا نوالہ کھاتے ہوئے آنکھیں گھما کر کہا ...

کام نا کرنے کے بہانے ہیں سارے ... اپنی ماں کی طرح مکار ہے یہ بھی ... اس نے بھی میرے بھائی کو ایسے ہی پیچھے لگایا ہوا تھا اسکی ماں کی وجہ سے ہم بہنوں کو بولتا رہتا تھا ...

عارفہ بی بی تو جیسے ماضی میں کھو گئی تھی

اب بھائی بھی ایسے کرے گا ؟؟؟ تابندہ جو سب سے چھوٹی اور کم گو سی تھی وہ دسویں جماعت کی طالبہ تھی... تمام گفتگو کے درمیان اس نے پہلا سوال کیا تھا...

نہیں میری بچیوں تم لوگوں کے ساتھ ایسا نہیں ہونے دوں گی میں ...

اور اے مریم تو اپنی زبان پر قابو رکھا کر کیوں بول کر خود کو برا بناتی ہے ... میں ہوں نا بولنے کے لیے ... عارفہ بی بی سمجھداری سے بولیں

امی مجھ سے یہ ڈرامے بازیاں برداشت نہیں ہوتیں ... بھائی کو دیکھتی نہیں کیسے حبا حبا کر رہا ہوتا ہے اور آج محترمہ کام سے جان چھڑا کر بیماری کا بہانا کر کے بیٹھی ہیں کمرے میں ... کوئی اسکو کیوں نہیں کچھ کہتا ... وہ بول ہی رہی تھی جب دوا لیکر آتا شاہ میر اسکی باتیں سن کر ادھر ہی آ گیا تھا ...

مریم کے ساتھ ساتھ عارفہ بی بی کا بھی رنگ بدل گیا تھا ...

صبح صبح کسی سے اتنی بدگمانی اچھی نہیں مریم کل کو تم نے بھی اگلے گھر جانا ہے ... تمہارے ساتھ بھی یہ ہی سب کچھ ہو سکتا ہے... شاہ میر تاسف سے بولتا ہوا کچن میں چلا گیا ...

اور کر لے تو بکواس ... عارفہ بیگم مریم کو گھور رہی تھی ..

تابندہ اٹھ کر شاہ میر کے پاس کچن میں چلی گئی..

شاہ میر خاموشی سے دودھ گرم کر کے مگ میں ڈال رہا تھا ...

مجھے دو بھائی میں کر دوں ...

تابندہ نے اپنے بھائی کے چہرے پر پریشانی دیکھ لی تھی ...

نہیں گڑیا ہو گیا ہے.. شاہ میر زبردستی مسکرایا تھا

وہ فروٹ کیک اور بسکٹس ٹرے میں رکھ کر اندر چلا گیا ..

تابندہ کے دل کو کچھ ہوا تھا ... وہ خاموشی سے ابو کے کمرے کی طرف چلی گئی ...

شاہ میر اندر آیا تو حبا اٹھ کر بیٹھ چکی تھی ...

کیسی ہے میری حبا؟؟؟ شاہ میر پیار سے بولا تھا. آرام سے بیڈ پر ہی بیٹھی رہو ابھی...

یہ آپ نے کیوں کیا؟ وہ شاہ میر کے ہاتھوں میں ٹرے دیکھ کر پریشان ہوئی تھی .. وہ ٹائم دیکھ چکی تھی 9 بج چکے تھے شاہ میر بھی آفس سے لیٹ تھا ... شاہ میر کے ابو کو وہ ناشتہ بھی نہیں کرا سکی تھی ... وہ طبیعت کی خرابی کے باوجود شرمندہ تھی ...

لیکن بخار کے زور کی وجہ سے وہ واقعی اٹھ نہیں پا رہی تھی ..

یہ لو باقی باتیں بعد میں پہلے دودھ کے ساتھ کچھ کھا لو پھر دوا لینی ہے... شاہ میر نے دودھ کا کپ حبا کو پکڑایا تھا ... دل نا چاہنے کے باوجود اس نے خاموشی سے ناشتہ کر کے دوا لی تھی ... حبا کو اتنا تو اندازہ تھا کے شاہ میر کو حبا کے نا اٹھنے اور یوں حبا کے لیے ناشتہ لانے پر کتنی باتیں سننا پڑی ہوں گی ....

اب آپ آفس جائیں میں ٹھیک ہوں شاہ میر ... حبا نے ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے شاہ میر سے کہا

میں چلا جاں گا تم پریشان نا ہو اور مکمل آرام کرو .. وہ حبا کو زبردستی لٹا کر اوپر کمبل کر چکا تھا ... اب وہ کمرے میں بکھری چیزوں کو سمیٹ رہا تھا... حبا خاموشی سے اسکو دیکھی جا رہی تھی ...

کیا محبت انسان کو اس حد تک بدل دیتی ہے ؟ کیا شاہ میر کو واقعی اتنی محبت ہے مجھ سے کہ ایک ایسی لڑکی جسکا آگے پیچھے کوئی بھی نہیں اس کے لیے سب سے ٹکرا رہا ہے .. گلاس میں پانی تک جو ڈال کر نہیں پیتا تھا وہ حبا کے لیے ناشتہ لے کر آتا ہے..

یہ ہی تو اصل محبت ہے محبوب کی خاطر خود کو بدل لینا محبوب کے رنگ میں رنگ جانا اپنی انا کو فنا کر دینا اپنی ہستی کو مٹا دینا ... شاہ میر اگر محبت کا دعوے دار تھا تو وہ محبت کے تقاضوں پر پورا اتر رہا تھا ...

ایک محبت میں نے بھی تو کی تھی .. حبا نے سوچا..

کتنی محبت کی تھی کتنا چاہا تھا اسکو... لیکن کیا میں نے مجتبیٰ جمال سے اتنی محبت نہیں کی جتنی شاہ میر مجھ سے کرتے ہیں .. میں نے کیسی محبت کی تھی؟ میں نے محبت کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا تھا ... میں نے خود کو محبوب کے مطابق نہیں ڈھالا تھا ... میں نے خود کو نہیں بدلا اسکی محبت میں ... میں نے اپنی سوچ کو ہمیشہ محبت پر ترجیح دی .... میں نے مجتبیٰ سے محبت کا دعوا کیا تھا مگر اس دعوے کی کونسی پاسداری کی میں نے .. . اس کے رنگ میں رنگنے سے ہی مکر گئی تھی میں تو ... پھر کیوں میں آج بھی مجتبیٰ کا روگ دل میں لے کر بیٹھی ہوں ... کیوں اسکو یاد کرتی ہوں ... کیوں اسکو کوستی ہوں .. . جب کہ محبت کے اصولوں کو تو میں نہیں نبھا سکی تھی ... میں نے محبت کی ..... اس وقت گناہ ثواب کا کیوں نہیں سوچا ... جب بات مجتبیٰ کی مرضی کی ائی تو میرا ایمان جاگ اٹھا ... کیا میں غلط تھی ... ؟؟؟ شاہ میر بھی تو میری محبت میں وہ کچھ کر رہے ہیں جو پہلے کبھی نہیں کیا

تو میں کیوں نہیں کر سکی .... وہ اسی الجھن میں تھی جب شاہ میر اسکے قریب آ کر بیٹھ گیا ...

میری خوبصورت بیوی کیا سوچ رہی ہے ... وہ پیار سے حبا کے بال سہلانے لگا تھا ...

شاہ میر آپ محبت میں اتنا بدل گئے جو کبھی نہیں بھی کیا وہ بھی کر رہے ہیں؟؟؟ ایسا کیوں؟

حبا سرخ ہوتی آنکھوں سے شاہ میر کو دیکھ کر پوچھ رہی تھی ... وہ کچھ جاننا چاہتی تھی

حبا ڈیئر اللہ نے مجھے تمہارا شوہر بنایا ہے تمہارا محافظ بنایا ہے ...

نکاح جیسے بندھن میں باندھ کر ایک دوسرے کے حقوق و فرائض مقرر کر دیے ہیں .. اور میرا فرض ہے تمہارا خیال رکھوں .... تمہارا حق ہے مجھ پر جیسے میرا تم پر بس محبت کے ساتھ جب سے نکاح کے بول بولے تب سے مجھے تم سے محبت کرنے اور بے انتہا کرنے کا سرٹیفکیٹ مل گیا ہے ... تمہارا خیال رکھنے کا موقع مجھے میرے رب نے دیا جو میں ہمیشہ رکھوں گا ... شاہ میر محبت سے بھرپور لہجے میں بول رہا تھا

اور حبا کی سوچوں کی الجھی گرہیں خود با خود سلجھتی جا رہی تھیں ....

تو ثابت ہوا تھا کے شاہ میر کی محبت لفظ نکاح سے جیت گئی تھی .. اور حبا کی محبت ... ؟؟؟؟ . حبا دوائی کے زیر اثر نیند میں جا چکی تھی ....

نوال کمال حسن انہیں ریسیو کرنے ایئر پورٹ آئی تھی ...

السلام و علیکم خالہ جانی .... وہ صبیحہ بیگم کو دیکھتے ہی ان کے گلے لگ گئی ....

وسلام میری جان ... نوال میری چندا کیسی ہے ... صبیحہ بیگم کی چونکہ اپنی بیٹی نہیں تھی وہ نوال سے بلکل سگی بیٹی جیسی محبت کرتی تھیں ...

میں ٹھیک ہوں خالہ جانی ... مسٹر ارحم کدھر ہے؟؟؟

وہ اب ادھر ادھر ارحم کو متلاشی نگاہوں سے دیکھنے لگی ...

آتا ہی ہوگا ساتھ شاپ پے گیا ہے شاید ... صبیحہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا...

اوکے آئیں ہم پارکنگ میں جاتے ہیں ..... نوال صبیحہ بیگم کو لے کر پارکنگ ایریا میں گاڑی کے پاس جا کر کھڑی ہوگئی ... صبیحہ بیگم آرام سے گاڑی میں بیٹھ چکی تھیں ...

جب کہ نوال باہر کھڑی ارحم کا انتظار کر رہی تھی...

دور سے آتے ارحم نے دلچسپی سے نوال کو اپنا انتظار کرتے دیکھا تھا ...

تیزی سے اٹھتے قدم ایک دم سے رک گئے تھے ...

نظر نوال پر پڑی تو وہ بے خودی کے عالم میں ٹھہر گیا ..

آج جو ارحم کے ساتھ ہو رہا تھا پہلے کبھی نا ہوا تھا...

وائٹ لائٹ ہی ایمبرائیڈری والی شرٹ اور ٹراوزر پر لونگ سٹائلش شرگ پہنے خوبصورت سن گلاسز کو سلکی بالوں پر ٹکائے وہ ارحم کی منتظر تھی.

ارحم پر نظر پڑتے ہی خوشی سے اس نے اپنا نازک ہاتھ ہوا میں لہرایا تھا ...

ارحم ... نے محبت سے مسکرا کر نوال کو دیکھا تھا ...

لاہور کی نسبت اسلام آباد کا موسم کافی سرد تھا اسلام آباد میں ابھی بھی بادل چھائے تھے ... ہوا سرد اور تیز تھی ...

وہ نوال کمال حسن کی طرف بڑھ رہا تھا ... اور وہ خوشی سے مسکرا رہی تھی ..

ارحم سے وہ بچپن سے ہی فرینک تھی وہ کزن کے ساتھ ساتھ اسکا بیسٹ فرینڈ تھا ... وہ ہر بات ارحم سے ضرور شئیر کرتی تھی... یہ سچ تھا ارحم کا آنا اسے ہمیشہ خوشی دیتا تھا ...

کیسی ہو؟؟؟ وہ قریب آتے ہی مسکرا کے پوچھ رہا تھا ...

بہت اچھی ہوں ... اتنی دیر سے کدھر تھے ... وہ ارحم کے ہاتھ سے ہینڈ کیری لے کر گاڑی میں رکھنے لگی...

چلو بچوں. باقی باتیں گھر میں کرنا .. صبیحہ بیگم نے گاڑی کے اندر سے آواز دی تھی ... وہ جانتی تھیں ان دونوں کی باتیں طول پکڑ لیں تو ختم ہونے کو نہیں آتیں...

ارحم مسکراتا ہوا فرنٹ سیٹ کی جانب بڑھنے لگا ... چلیں مادام.... جب

نوال نے اسکا ہاتھ تھاما تھا ....

وہ حیرت سے پلٹا تھا .... ہوا کا تیز جھونکا نوال کے سلکی بالوں کو چھیڑ گیا تھا اور نوال کے بکھرتے ریشمی بال ارحم کے دل کے تار چھیڑ گئے تھے....

کار آپ ڈرائیو کریں گے مسٹر... میں خالہ جانی سے گپ شپ کروں گی ....

نوال نے ایک ہاتھ سے ارحم کا ہاتھ تھاما ہوا تھا ... دوسرے ہاتھ سے ارحم کو اپنی گاڑی کی چابی تھمائی ... اور خود فرنٹ سیٹ پر جا کر بیٹھ گئی .... وہ بہت شوق سے اکیلے ہی ان دونوں کو لینے آئی تھی ..

ارحم مسکراتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا ...

نوال فرنٹ سیٹ پر پیچھے بیٹھی صبیحہ بیگم کی جانب رخ موڑے بیٹھی تھی....

وہ دونوں بیٹھتے ہی باتوں میں مشغول ہو گئیں ....

آج ارحم کا دل عجیب لے پر دھڑک رہا تھا.. گاڑی ایئرپورٹ سے نکال کر اسلام آباد ایکسپریس ہائی وے پر دوڑ رہی تھی......

نوال کمال حسن ... میری پہلی محبت ... وہ باتوں میں مگن نوال کو دیکھ کر رخ موڑ گیا .. وہ آج بہت خوش تھی ... بے حد خوش ... بات بات پر مسکرا رہی تھی...

سوچتا ہوں...

سوچتا ہوں کہ وہ کتنے معصوم تھے

کیا سے کیا ہو گئے دیکھتے دیکھتے

میں نے بچپن سے جنکو بنایا صنم

وہ خدا ہو گئے دیکھتے دیکھتے ....

گاڑی تیزی سے حسن ولاز کی طرف بڑھ رہی تھی ...

آج نوال کمال حسن تمہاری ہنسی تمہاری آنکھوں سے جھلکتی خوشی شائد میرے لیے مبارک ہو، آج میں تم سے اظہار

کروں اور تم خود کو میرا کہ دو، میرے جذبوں کی شدت کو محسوس کر کے تم خود کو ارحم کے نام کرنے کا وعدہ کر لو۔۔۔

نصرت فتح علی کی آواز میں چلتی موسیقی ارحم کے دل پر عجیب سا سرور طاری کر رہی تھی ...

ہم سے یہ سوچ کر کوئی وعدہ کرو

ایک وعدے پے عمریں گزر جائیں گی

یہ ہے دنیا یہاں کتنے عہد وفا

بیوفا ہو گئے دیکھتے دیکھتے ...

آج ارحم کا دل نوال کمال حسن کا دل اپنے نام کرانا چاہتا تھا...

اسے امید تھی یقین تھا کہ نوال کا جواب ہر گز منفی نہیں ہوگا ...

لیکن امید کا چراغ بجھتے ۔۔۔اور یقین کو بے یقینی میں بدلتے دیر ہی کتنی لگتی ہے .....

انکی گاڑی حسن ولاز میں داخل ہوئی تھی .....

لان میں کھڑے مجتبیٰ کی حیرت زدہ نظروں نے انکا استقبال کیا تھا....

************ *************

خانہ بدوشوں کی بستی میں آج خوب رونق تھی ... ہر طرف گہما گہمی تھی ... بچوں کے جھولنے کے لیے جھولے لگے تھے ... قطار میں لگی اس بستی کے سامنے ہی میٹھی نمکین چاٹ ، پکوڑے سموسوں، ٹافیوں بسکٹس کے اسٹالز لگے تھے...... یہ 3 روزہ میلہ تھا ... جو یہ بستی والے اپنے کسی بزرگ کی یاد میں مناتے تھے ... میلے کا پہلا روز تھا ... شدید سردی کے باوجود ان بستی والوں کے دور دراز رہنے والے رشتہ دار اس میلے میں شرکت کو آتے تھے ...

چھوٹی چھوٹی کالی کالی سی بچیاں لال رنگ کی لپسٹک لگائے .. نیلے پیلے رنگ کے چمچماتے کپڑے پہنے ادھر سے ادھر ہنستی کھلکھلاتی گھوم رہی تھیں .. اپنے اپنے خیموں کے باہر لکڑیاں جلائے خانہ بدوش ہاتھ سینک رہے تھے ...

منہ سے نکلتے دھویں اور جلتی لکڑیوں کا دھواں فضا میں یکجا ہو کر پھیل رہا تھا...

تارا نے بھاپ اڑاتی چائے کی کیتلی جو جلتی لکڑیوں کے اوپر لٹک رہی تھی اتاری دو پیالیوں میں چائے ڈالی اور لے کر اندر اپنے خیمے میں چلا گیا ...

یہ لیں عالی بی بی... گرم چائے ... تارا نے پیالی سامنے بڑی سی سفید چادر میں لپٹی عورت کے سامنے رکھی ۔۔۔،

چادر سے بلکل سپید ہاتھ باہر نکلا تھا ... پتلی پتلی لمبی انگلیاں اور بلکل سفید ہاتھ جیسے جسم میں خون کا زرہ بھی موجود نا ہو ... جزاکاللہ تارا ... اللہ تمہیں دنیا و آخرت کی بھلائی عطا فرمائے ...

کپکپاتے ہاتھوں سے پیالی پکڑتے ہوئے عالی بی بی نے دعا دی تھی ... لیکن آواز میں نا عورتوں والی کھنک تھی ... اور نا مردوں جیسی کڑک ..

عالی بی بی ایک بات تو بتائیں ... آئے ہائے ... تارا نے اپنے مخصوص انداز میں تالی پیٹی تھی ... اللہ جھوٹ نا بلوائے شاہ میر بابو بہت اچھا انسان ہے ... لیکن وہ جو دعا کروانے آیا اس بار وہ پوری ہوگی ... تارا منہ پر ہاتھ رکھ کر پوچھ رہا تھا ...

تارا ... پوری کرنے والی ذات تو خدا کی ہے. ہم تمہیں ایک بات بتاتے ہیں ... جو اپنی ذات سے بے خبر ہو کر دوسروں کی بھلائی چاہتے ہیں نا خود تو وہ امر ہوتے ہی ہیں لیکن انکی دعاؤں میں ہم سے بھی زیادہ اثر ہوتا ہے اتنا اثر کے خود انکی زبان سے نکلنے سے پہلے ہی وہ دعا اس رب کے پاس پہنچ کر قبولیت کا شرف حاصل کر لیتی ہے ... شاہ میر بابو .... ہم نے صرف سنا ہے آج تک انہیں .. رب نے کل بھی انکی سنی تھی اور ہمیں نظر آتا ہے کل رات بھی اسکی دعا قبول ہو چکی ہے ... عالی بی بی مدھم لہجے میں بول رہی تھی ...

لیکن عالی بی بی بابو ایسا کیوں چاہتا ہے؟؟؟ تارا بہت اداس تھا

تارا تم کو وہ عام انسان لگتا ہوگا ... ہم جانتے ہیں وہ درویش ہے ... وہ سچا عاشق ہے ... کل جس جزیرے کو اس نے فتح کیا تھا اتنا آسان نہیں اسے کسی اور کے حوالے کرنا بہت دل چاہیے .... بہت حوصلہ چاہیے ... شاہ میر بابو ٹوٹے گا بکھرے گا فنا ہوگا ... بہت تکلیف سے گزرے گا ... بہت کچھ ایسا کرے گا جو اس نے کبھی سوچا بھی نا ہوگا ... لیکن اسے یہ سب کرنا ہوگا ... اسکی قسمت میں ہی یہ کچھ ہے ... ہم دعا کرتے ہیں تارا اللہ اسکو ہمت دے ... تارا ہمارے ساتھ دعا کرو ... کرو تارا ...

عالی بی بی زار و قطار رو رہی تھیں ... ایک عجیب کیفیت عالی بی بی پر طاری تھی وہ کانپ رہی تھی ..

تارا خاموشی سے سب دیکھ رہا تھا کیوں کہ وہ ان سب کا عادی تھا ...

....(جاری ہے)

نہیں تو...... فیضان گڑبڑا کر بولا...... بس ایسے ہی سو گیا تھا......

تم اتنی صبح میرے لیے اٹھ کر آ گئیں

مریم نے بغور اسے دیکھا...... اور دھیرے سے بولی صبح سے نہیں رات سے کھڑی ہوں رات سے......

رات سے؟ وہ حیران ہو کر بولا......

ہاں رات میں 2 بجے سے یہاں آپ کے انتظار میں اسی جگہ کھڑی ہوں...... اسی حالت میں...... ارے......
فیضان جیسے پاگل ہو گیا...... کبھی حیران ہوتا اور کبھی مسرتوں کے سمندر میں غوطے کھاتا معذرت بھرے لہجے میں بولا......

مجھے کیا پتہ کہ تم میرے انتظار......

تمہیں مجھ سے پیار ہوتب نا...... مریم اس کی بات کاٹ کر بولی

وہ اسے حیرت اور خوشی میں ڈوبی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا......

رات بھر جاگ کر میں نے تم سے ملنے کے خواب دیکھے...... دو بجے رات سے یہاں دیوانی بنی کھڑی ہوں......
اور...... مجھے کیا پتہ تھا...... وہ بات کاٹ کر بے قراری سے بولا اس پر وہ جھٹ بولی...... دل سے پیار کرتے تو پتہ چلتا تمہیں......

اور وہ اس کی اس بات پر اور زیادہ بوکھلا گیا۔ خدا کی قسم...... مریم تم مجھ سے اتنا پیار کرتی ہو یہ سوچ کر میں خوشی سے پاگل ہو جاتا ہوں...... بہت خوش نصیب ہوں میں کہ مجھے تم......

اچھا بس مریم بولی اب رہنے دو یہ بتاؤ رات نیند تو ٹھیک سے آئی تمہیں......

کیوں شرمندہ کر رہی ہو...... مریم...... پلیز سوری وہ دونوں ہاتھ سے کان پکڑ کر مسکرایا......

تمہارے اس بے پناہ پیار کا مجھے پتہ آج ہی لگا ہے...... ہاں جیسے دودھ پیتے بچے ہو تم......

کچھ پتہ ہی نہیں...... مریم ناراضگی سے بولی......

ابھی تک روٹی کو روتی اور پانی کو مم کہتے ہو......

فیضان اس کی بات سن کر مسکرانے لگا...... اور پھر اس نے بے قراری سے مریم کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا...... اور جذبات سے بوجھل آواز میں بولا مریم! خدا کی قسم اب ہمیں ایک دوسرے سے کوئی الگ نہیں کر سکتا اس کا مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے پر خلوص اور سچے پیار کی لاج رکھیں گے......

مریم بولی...... یہی تو تمہارے اور میرے پیار میں فرق ہے...... مجھے تو تم پر پہلے دن سے ہی اعتماد تھا اور تمہیں مجھ پر اب اعتماد آیا ہے......

کچھ دیر وہ فیضان کو دیکھتی رہی...... پھر نظریں جھکاتے ہوئے دھیرے سے بولی...... اور یہ ہی فرق ہے عورت اور مرد کے پیار میں...... عورت اعتبار اور بھروسہ کر کے پیار کرتی ہے...... پھر مر کر بھی پیچھے نہیں ہٹتی...... اور مرد...... بغیر اعتبار اور بھروسے کے پیار کرتا ہے...... کبھی کبھی صرف وقت گزارنے کے لیے دل چسپ مشغلہ کے طور پر...... اسی لیے وہ عورت کو دھوکا بھی دے جاتا ہے۔

نہیں نہیں...... فیضان تڑپ کر بولا مجھے تم ان مردوں میں شامل نہ کرو...... مریم میں نے تم سے پیار کیا ہے...... پیار کرتا ہوں اور مرتے دم تک تم سے پیار کرتا رہوں گا......

ننھے ننھے آنسو کے قطرے موتیوں کی طرح مریم کے گالوں پر پھسل رہے تھے...... فیضان نے دھیرے سے ان موتیوں کو اپنی ہتھیلی پر اکٹھا کیا اور بولا...... یہ نہ بھول مریم...... کہ جہاں پیار کی دنیا میں لیلیٰ سوہنی...... شریں ہیں...... وہاں مجنوں فرہاد اور مہینوال بھی ہیں...... اگر شریں عورت ہے تو فرہاد بھی مرد ہے جس نے عورت کے لیے پہاڑوں سے نہر نکالی اور وہ شاہ جہاں بھی تو ہے جس نے ممتاز کے لیے تاج محل بنایا۔ فیضان نے مریم کے چہرے پر آئی لٹوں سے کھیلتے ہوئے کہا...... مرد تو جنم لیتا ہے عورت پر فدا ہونے کے لیے ہے...... وہ شرارت سے مسکرایا......

اچھا...... اچھا مریم پیار سے بولی...... اب اپنا لیکچر بند کرو......

یہ لیکچر نہیں ہے مریم میں سچ کہہ رہا ہوں......

اس سچ کے لیے شکریہ......مریم مسکرادی......

مریم کا ہاتھ فیضان کے ہاتھوں میں تھا......اور وہ دونوں ایک دوسرے میں گم خاموش کھڑے تھے......
کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے......کہ لب خاموش ہوتے ہیں ۔ آنکھیں باتیں کرتی ہیں......محبت ایک دن ایک پل کے لیے تھوڑا ہوتی ہے...... یہ تو نسلوں میں جنیز کی طرح سرایت کرنے والا جذبہ ہے......اور وہ دونوں اتنے قریب تھے کہ یہ جذبہ ان کے ہر انداز سے جھلک رہا تھا...... پیار کے احساس نے ان پر اپنی چادر تانی ہوئی تھی...... تبھی ساتھ والے کمرے سے آہٹ محسوس ہوئی......اور مریم فیضان سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی......اب تم جاؤ فیضی......میں بھی اب چلتی ہوں......امی اٹھ گئیں یا کسی کو پتہ چل گیا تو پھر ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جائے گی اور وہ یہ کہہ کر فیضان سے اپنا ہاتھ چھڑا کر چھلاوے کی طرح وہاں سے غائب ہوگئی...... فیضان اسی جگہ کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا......

محبت میں چند گھنٹے مہینوں کے برابر اور چند برس برسوں کے برابر لگتے ہیں......فیضان کو اپنے رات بھر سوتے رہ جانے پر خود پر غصہ آ رہا تھا......اسے ایسا لگ رہا تھا......جیسے کہ اس نے اپنی زندگی کا سب سے حسین ترین اور انتہائی قیمتی لمحات سو کر گنوا دیے ہیں......

اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے وہ دھیرے دھیرے چلتا واپس اپنے کمرے میں آ گیا اس کا دل زخمی پرندے کی مانند اس کے سینے میں پھڑ پھڑا رہا تھا......

مریم کے والد حمید ریٹائرڈ سکول ٹیچر تھے سارا دن گھر پر رہتے تھے......اب ان سے کام کاج وغیرہ بالکل نہیں ہوتا تھا......ساری زندگی کمایا......اب آرام سے رہنا چاہتے تھے ان کا اکلوتا بیٹا علی جو صبح کے وقت ایک مقامی کالج میں پڑھاتا تھا اور شام میں بچوں کو ٹیوشن دیتا تھا......بس اسی طرح گھر کا خرچا چل جاتا تھا......حمید صاحب سارا دن اپنے والد کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہتے تھے کبھی اخبار پڑھ کر سناتے......کبھی مل کر ٹی وی پر خبریں سنتے......
ساتھ ساتھ چائے کا بھی دور چلتا......اذان کی آواز سن کر وہ دادا جان کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے چلے جاتے، حمید اپنے باپ کی بہت عزت کرتے تھے......لیکن ان کی اپنے چھوٹے بھائی شفیق سے کبھی نہیں بنی تھی......اسی طرح ایک معمولی بات پر جذبات میں آ کر شفیق گھر چھوڑ کر چلے گئے تھے......دادا جان کو اپنے دونوں بیٹوں سے

بے حد محبت تھی...... وہ شفیق کے جانے سے اُداس رہتے تھے اسی لیے دادا جان نے کوشش کر کے دونوں بیٹوں میں صلح کروائی تھی...... اور چھوٹے بیٹے کو واپس آنے کی اجازت دی تھی......

حمید جہاں بے شمار خوبیاں تھیں وہاں اس میں چند برائیاں میں تھیں...... جس کی وجہ سے اس کی بیوی بچے اس سے ناراض رہتے تھے اور وہ یہ کہ حمید کو کرکٹ جنون کی حد تک پسند تھا...... ہر وہ میچ جس میں پاکستان کی شرکت ہوتی تھی وہ دیکھنا اس کا محبوب مشغلہ تھا...... نہ صرف مشغلہ بلکہ کاروبار بھی' وہ میچ پر شرطیں لگاتا...... کبھی ہارتا اور کبھی جیت جاتا کبھی کبھی وہ روز مرہ کے معاملات پر بھی شرط لگا لیتا...... اس کے دوست بھی اسی طرح کا جوا کھیلتے تھے ......

اس کی ان حرکتوں پر کبھی اس سے اس کی بیوی کی لڑائی بھی ہو جایا کرتی تھی اور یہ لڑائی ہفتے میں ایک آدھ بار تو ضرور ہوتی تھی اور جس کے نتیجے میں حمید اپنی بیوی کو روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیتا تھا......

حمید اس طرح کے جوا میں اکثر ہار جایا کرتا تھا...... جیتا وہ بہت کم تھا...... اسی لیے وہ اپنے دوستوں کا بھی مقروض رہتا تھا...... اور اسی جوئے کے قرضوں کے سلسلے میں وہ اپنے کزن کے بیٹے پاشا کا مقروض بھی ہو گیا تھا...... جو ان کے گھر کے قریب ہی رہتا تھا......

پاشا بڑا ہی عیاش قسم کا آدمی تھا...... اس کی نظر حمید کی بیٹی مریم پر تھی اور وہ مریم سے شادی کے خواب دیکھ رہا تھا ...... اور اسی لیے وہ حمید کو قرض دیتا رہتا تھا...... دراصل وہ حمید کو اپنے اس قرض کے جال میں خوب اچھی طرح جکڑ لینا چاہتا تھا......

سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا...... کہ حمید بری طرح سے پھنس گیا...... ہوا یہ کہ وہ اپنے دوست کے گھر ڈرائنگ روم میں بیٹھے ٹی وی پر میچ دیکھ رہے تھے اس کا دوست اقبال بھی سکول ٹیچر تھا...... اب وہ بھی حمید کی طرح ریٹائرمنٹ لے کر فارغ تھا...... اسی لیے دونوں میں خوب جمتی تھی...... دیکھنا کامران اکمل چوکا مارے گا...... اور اگر اس نے چوکا مارا تو 200 روپے تو مجھے دے گا ورنہ 200 روپے تیرے ہوئے۔ حمید نے صوفے کی ہتھی پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا آگے ہو کر کہا...... ساتھ ہی ایک پل کے لیے آنکھیں بند کر لیں...... اور دل ہی دل میں قرآنی آیات کا ورد کرتے ہوئے دعا مانگی...... چوکا...... حمید نے ایک دم آنکھیں کھولیں...... سب کی طرف دیکھا وہ 200 روپے جیت گیا تھا...... اَب بولو...... خدا کی قسم آج میری قسمت عروج پر ہے۔ اب چار سو ہوں گے...... اس کا دوست

بولا بولو منظور ہے۔ منظور...... منظور حمید جیت کے نشے میں جھوم کر بولا...... آج میری قسمت مجھے ہارنے نہیں دے گی...... تم لوگ 400 روپے کو چھوڑوں 800 روپے رکھو وہ جیت کے نشے میں بے اختیار ہنس دیا......

سوچ لو...... اقبال فکرمندی سے بولا......

سوچ لیا...... کس پر شرط لگانی ہے......

جو تم دوست لوگ بولو گے حمید مسکرا کر بولا! یہ میچ ورلڈ کپ کے سلسلہ میں تھا...... پاکستان کرکٹ ٹیم کو اپنے پہلے میچ میں انگلینڈ کے ہاتھوں نہ صرف شکست بلکہ بڑے مارجن سے شکست نے ہلا کر رکھ دیا...... جبکہ اسی گروپ کے پہلے میچ میں دنیائے کرکٹ کی غیر مصروف ٹیم ہالینڈ نے انگلینڈ کو اپ سیٹ شکست دے کر کرکٹ کے ایوانوں میں ہل چل مچادی...... ان مقابلوں میں جیتنے والی ٹیموں نے چونکا دینے والی کارکردگی کا مظاہرہ کیا البتہ پاکستان کرکٹ ٹیم کی انگلینڈ کے خلاف 48 رنز سے شکست کو مایوس کن قرار دیا جارہا ہے۔ پاکستان کرکٹ ٹیم کے کپتان یونس خان نے ٹاس جیت کر انگلینڈ کو پہلے بیٹنگ کرنے کی دعوت دی...... انگلینڈ کی جانب سے کیون پیٹرسن کامیاب بیٹسمن ثابت ہوئے انہوں نے 38 گیندوں پر 58 رنز بنائے...... اب پاکستان کے کھیلنے کی باری تھی...... اس میچ میں پہلے شاندار بیٹنگ کا مظاہرہ کرنے والے احمد شہزاد صرف 13 رنز بنا کر آوٹ ہو گئے...... اس وقت سلمان بٹ کھیل رہے تھے...... جس پر حمید اور ان کے دوست شرطیں لگا رہے تھے......

سلمان بٹ...... !منظور ہے میں ہاروں گا نہیں انشاء اللہ...... بے شک تم لوگ ہزار روپے رکھ لو پھر یہ طے پایا کہ سلمان بٹ 50 رنز تو ضرور بنائے گا...... پھر آوٹ ہو جائے گا...... کیونکہ وہ بہت اچھی بیٹنگ کرتا ہے...... ان کے خیال میں جبکہ حمید کا کہنا تھا کہ وہ 50 سے پہلے آوٹ ہو جائے گا...... پھر کھیل شروع ہو گیا اُن کا بھی اور ان سب کا بھی...... سب سانس روکے میچ دیکھنے میں مگن تھے ساتھ ساتھ بے آواز سب کے ہونٹ بھی ہل رہے تھے......

حمید جیتنے کے لیے دعا کر رہا تھا اور اسے کے سب دوست اس کے بارے میں دعا مانگ رہے تھے...... ایک ایک پل گزارنا مشکل لگ رہا تھا...... سب کی نظریں ٹی وی اسکرین پر تھیں...... میچ اپنے عروج پر تھا...... سلمان بٹ بے شک بہت اچھا کھیل رہا تھا...... ابھی اس نے 35 رنز بنائے تھے 15 رنز اور چاہیے تھے اور ان 15 رنز سے پاکستان تو نہیں لیکن حمید کے دوست ضرور جیت جائے...... اگر سلمان بٹ 50 سے پہلے آوٹ ہوتا ہے تو حمید جیت جائے گا...... وہ سب سانس روکے ٹی وی کی طرف متوجہ تھے چند منٹوں کے بعد وہ بے اختیار اچھل پڑا......

چھکا...... لیکن درمیان میں ہی بال کو روک لیا، چھکا ہوتے ہوتے رہ گیا...... اقبال نے دل ہی دل میں اسے ایک بڑی سی گالی دی اور بے اختیار پہلو بدل لیا...... وہ چور نظروں سے حمید کے پُر خوش چہرے کو دیکھ کر حسد محسوس کر رہا تھا...... جبکہ حمید نے مسکراتی شرارت آمیز نظروں سے اقبال کو دیکھا...... باقی کے دو دوست اٹھ کھڑے ہوئے کہ ہم نہیں کھیلتے یہ جوا...... بس ختم کرو...... حمید نے اقبال کی طرف مسکرا کر دیکھا اور بولا خدا کی قسم اقبال بھائی آج خدا بھی ہم پر مہربان ہے...... تم اگر ہارنا نہیں چاہتے...... تو گیم ختم کر سکتے ہو...... نہیں تم دیکھو تو سہی...... جو ہو گا دیکھا جائے گا...... جیت اب 10 رنز تھی...... حمید بے تابی سے سلمان بٹ کی طرف متوجہ تھا...... اور یہ آؤٹ سلمان بٹ 41 رنز اسکور بنا کر آؤٹ ہو گیا...... ساتھ ہی حمید صوفے پر سے اٹھا اور لڈی ڈالنے لگا اس نے بچوں کی طرح تالیاں بجا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا...... اقبال نے خاموشی سے ہزار روپے نکال کر سینٹرل ٹیبل پر رکھ دیئے...... حمید نے اپنے پہلے جیتے ہوئے 400 بھی ہزار روپے پر رکھ دیئے اور مسکراتے ہوئے اقبال کی طرف متوجہ ہوا 1400 روپے کی اور لگاتے ہو...... اور اقبال نے خاموشی سے سر اثبات میں ہلا دیا...... اسے اپنے ہزار روپے کا افسوس تھا...... اسے کل ہی پنشن ملی تھی...... ابھی تو راشن بھی لانا تھا...... اور بجلی کا بل بھی ادا کرنا تھا...... اس بار بھی حمید ہی جیتا...... اور پھر اسی طرح حمید 5000 روپے جیت گیا...... لیکن آخری بار جب حمید نے 6000 روپے کی شرط لگائی تو وہ نامحسوس انداز میں ہار گیا...... حمید کے پاس اب 200 روپے بچے تھے اس نے وہ بھی ٹیبل پر رکھ دیئے...... اور بولا بس ایک بار اور ہو جائے......

اس بار بھی اقبال جیت گیا...... اب حمید کے پاس اور رقم نہیں تھی...... وہ بے بسی سے سر کھجانے لگا پھر بڑی آس سے بولا...... ادھار چلے گا......

نہ بابا یہ جوا ہے...... اور جوئے میں ادھار گناہ ہے یار پلیز میرے پاس ساری رقم ختم ہو گئی ہے۔

چلو...... 100 کی رکھ لیتے ہیں...... اقبال بولا...... 100 بھی نہیں ہیں میرے پاس...... اور پھر بڑی بحث کے بعد طے ہوا کہ حمید اس شرط پر ادھار کھیل سکتا ہے کہ اگر وہ ہار جائے تو اس کے بعد اسے اپنے گھر تک جا کر روپے لانے کی اجازت ہو گی......

اور حمید چونکہ پوری طرح پھر امید تھا کہ وہ جیت جائے گا...... کیونکہ کامران اکمل بہت اچھا کھیلتا تھا...... لہٰذا وہ شرط مان گیا...... ایک بار پھر سب ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئے حمید کی نظریں ٹی وی کی طرف تھیں...... لیکن وہ دل

ہی دل میں اللہ سے اپنی جیت کی دعا کر رہا تھا..... کیونکہ اسے معلوم تھا..... اس کے گھر میں دھیلہ بھی نہیں ہے..... اس نے ہارنے کے بارے میں تو سوچا ہی نہیں تھا..... وہ تو اپنے ساتھ 8000 روپے لے جانے کے خواب دیکھ رہا تھا..... اقبال نے پریشان نظروں سے حمید کو دیکھا اور اپنی جیب کو ہاتھ لگاتے ہوئے بے بسی سے بولا بھائی حمید سوچ لو بڑی رقم ہے......

پاگل ہو گئے ہو کیا..... حمید سرشاری سے بولا انشاء اللہ میں جیتوں گا......

اگر ہار گئے تو..... اقبال بے بسی سے چلایا..... میں ہار ہی نہیں سکتا..... حمید اکڑ کر بولا..... ایک بار پھر سوچ لو...... اقبال دھیرے سے بولا میں دوست سمجھ کر تمہیں سمجھا رہا ہوں......

اقبال کی نظروں میں بجلی کا بل آ گیا جس کی کل آخری تاریخ تھی..... حمید قدرے جھنجھلاتے ہوئے بولا..... میں نے زبان دی ہے..... ہار جاؤں گا تو رقم ادا کروں گا..... تمہیں آخر تکلیف کیا ہے؟ اقبال مایوس ہو کر T.V کی طرف متوجہ ہو گیا..... اور کامران اکمل آؤٹ ہوتے ہوتے بچا..... اور حمید جسے پسینہ آ گیا تھا..... اس کا نشہ ایک جھٹکے میں اتر گیا..... اس نے پہلو بدلا پھر دل ہی دل میں اللہ سے دعا مانگی اور T.V پر نظریں جما دیں..... سب سانس روکے میچ دیکھنے میں مگن تھے..... شرط یہ تھی کہ کامران اکمل اسی اوور میں آؤٹ ہو جائے گا..... جبکہ حمید کہتا تھا کہ نہیں بلکہ کامران اکمل آخر تک کھیلے گا..... کامران اکمل کے ساتھ ساتھ ان سب کے دل کی دھڑکن بھی بے ترتیب تھیں..... آؤٹ..... ایک شور سا تھا..... کامران اکمل 41 سکور آؤٹ ہو چکا تھا..... ساتھ ہی حمید کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا..... اس کے دوست خوشی سے بھنگڑا ڈال رہے تھے..... پہلے یہ بولا تھا کہ مت کھیل..... بہت سمجھایا پر یہ مانے تب نا..... اقبال کا خوشی سے برا حال تھا..... 8000 روپے وہ جیت چکا تھا..... مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ناچ رہی تھی..... باپ رے خدا کی قسم کیا کھیلا تھا کامران اکمل ایک بار تو میں ڈر گیا یہ نہیں آؤٹ ہونے کا......

کامران اکمل مجھے ہروائے گا..... لیکن جیو میرے شہزادے اقبال نے کامران اکمل کو فلائی کس کی......

حمید بھائی آج گئے کام سے..... اقبال نے حمید کو گم سم بیٹھے دیکھا تو دوسرے دوست سے مخاطب ہوا...... حمید جو سکتے کی کیفیت میں تھا..... ایک دم دھاڑیں مار مار کر رونے لگا..... سب اسے روتا دیکھتے رہے..... سب نے اپنے اپنے طور پر اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی..... کہ 5000 ہزار کی شرط تو ٹھیک ہے یہ آٹھ ہزار والی شرط

کسی کو بھی منظور نہیں تھی ...... لیکن وہ سب دوستی میں چپ رہے ...... اب رونا دھونا بند کرو حمید بھائی اور یہ 8000 روپے ادا کرنے کی سوچو کل دوپہر تک کہیں سے بھی لا کر دو ...... نہیں تو اپنی سزا خود مقرر کر لو ...... یہ جوا کی رقم ہے اور جوے کی رقم چھوڑنا ہم گناہ سمجھتے ہیں ...... لیکن یہ کیسے ہو گیا حمید روتی آواز میں بولا کامران اکمل تو بہت اچھا کھیل رہا تھا ...... وہ کیسے آؤٹ ہو گیا ......

یہ تو اپنا اپنا نصیب ہے ...... میرے نصیب میں 8000 روپے تھے اس لیے کامران اکمل آؤٹ ہو گیا اقبال مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ کر بولا ...... تم میرے لیے گڑھا کھودنے چلے تھے اور گر گئے اسی میں خود اور نہیں تو کیا ظفر بولا ...... حمید بھائی تو تین دفعہ جیت کر ہواؤں میں اڑنے لگے تھے ...... اور حمید یہ سن کر پھر سے رونے لگا ...... تو وہ سب بے اختیار ہنس دیئے ......

حمید کافی دیر سے پاشا کے گھر کے سامنے کھڑا مسلسل ڈور بیل بجا رہا تھا ...... تھوڑی دیر کے بعد پاشا باہر نکلا ...... حمید کو دیکھتے ہی مسکرایا بسم اللہ ...... حمید بھائی آج آپ یہاں کیسے؟

وہ انہیں اندر ڈرائینگ روم میں لے آیا ...... اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی ایک صوفے پر بیٹھ گیا ...... کہو کیسے یاد کیا ......

اور پھر وہ ان کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر بولا ...... ارے آپ کو کیا ہوا ...... سب خیریت تو ہے نا ......

حمید کوئی جواب دیئے بغیر بس اسے دیکھتا رہا ...... ان کی خاموشی سے گھبرا کر پاشا اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے حمید کے پاس آیا ...... حمید کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی طرف جھکا اور اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا ...... بول نا ...... بات کیا ہے؟

میں برباد ہو گیا میں لٹ گیا پاشا جی ......

پر آخر ہوا کیا ہے ...... پاشا نے بے چینی سے پوچھا میں لٹ گیا ...... حمید نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا ...... وہ بار بار میں لٹ گیا کی تکرار کر رہے تھے ...... اور پاشا نہ جانے کیسے یہ سمجھ بیٹھا ...... کہ مریم بھاگ یا مر گئی شاید لہٰذا حواس باختہ ہو کر بولا ...... کیا مریم مر گئی اور حمید اپنی آنکھیں صاف کرتا ہوا بڑے اطمینان سے بولا ...... نہیں نہیں اللہ نہ کرے میری بچی کو کچھ ہو اور یہ سن کر پاشا نے ایک طویل سانس لی ...... اور مسکراتے ہوئے بولا پھر کیا ہوا ......

مجھے 8000 روپے کی اشد ضرورت ہے پاشا بھائی ...... حمید عاجزی سے بڑی آس بھری نگاہوں سے پاشا کو دیکھ

کر بولا......

8000 روپے پاشا کے ماتھے پر بل پڑ گئے ......تو کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ میرے پاس پیسوں کا درخت لگا ہے......

کچھ بھی سمجھو تم...... پر مجھے 8000 روپے چاہیے پاشا بھائی...... میں آج تمہارا رشتہ قبول کرتا ہوں......اور اپنی بیٹی کا ہاتھ تمہیں دینے کا وعدہ کرتا ہوں......

پھر بھی میں 8000 روپے کی رقم لاؤں گا کہاں سے کہیں سے بھی لاؤ...... پر مجھے ابھی چاہیے......ضرورت کیا پڑ گئی تھی......اتنے روپوں کی......

پاشا بیزاری سے بولا......بس دماغ خراب تھا میرا حمید دھیرے سے بولا......جوئے میں ہار چکا ہوں......میں اب رقم ادا کرنی ہے......

پاشا اب تک تقریباً ڈیڑھ لاکھ کی رقم حمید کو ادھار کے نام پر دے چکا تھا......وہ اس کے آئے دن ادھار مانگنے کی عادت سے سخت تنگ تھا......اپنے دل کے ہاتھوں جو کہ مریم کو اپنا بنا لینے کے خواب دیکھ رہا تھا......مجبور ہو کر بولا اب تک تم نے کتنے روپے مجھ سے لیے ہیں......کچھ اندازہ ہے......

مجھے تو بس یہ پتہ ہے کہ مریم کی شادی تم سے کرنی ہے......پاشا جی......

اب تک تم مجھ سے ڈیڑھ لاکھ کی رقم لے چکے ہو آخر تمہیں یہ سودا کتنے میں طے کرنا ہے......ایک بار ہی بتا دو......

پاشا نے اپنی جھکی جھکی مونچھوں کو اوپر اٹھاتے ہوئے بولا......تم جو بھی کہو پاشا جی مگر مجھے 8000 روپے ابھی چاہیے......حمید دھیرے سے بولا......اور تمہارا رشتہ تو مریم کے ساتھ میں پہلے ہی قبول کر چکا ہوں......روپے کے لین دین سے اس کا کیا واسطہ......

واسطہ ہے حمید بھائی لڑکی کے رشتے کے بدلے میں تمہارا سارا قرض جو معاف کرنے والا ہوں......

اور سنو اس کے بعد میں آپ کو ایک ٹکہ بھی نہیں دوں گا پاشا وارننگ دیتے ہو بولا......ایک لڑکی کے ڈیڑھ لاکھ کم نہیں آیا سمجھ......نہ دینا لیکن یہ 8000 روپے سو تو دینے پڑیں گے تمہیں رسم کب کرو گے......؟ پاشا نے اس کی سنی ان سنی کرتے ہوئے پوچھا......

جب تم کہو پاشا جی......میں نے کب انکار کیا ہے۔ پاشا کچھ سوچ کر بولا......

آج سے ٹھیک دو ماہ بعد عید ہے عید کے بعد تم مریم کی شادی کے دن رکھ لو...... رکھ لوں گا جی..... حمید بولا...... پر ایک بات ہے ابھی کوئی بات رہ گئی ہے کیا...... پاشا زچ ہو کر بولا شادی کے وقت تم خرچے پانی کے لیے مجھے 50000 روپے اور دو گے پاشا بھائی دے دوں گا یار...... پاشا اپنی مونچھوں کو تاؤ دے کر بولا..... جب لڑکی مجھے پسند ہے تو ڈیڑھ کے بجائے دو لاکھ بھی چلے گا......اور یہ کہتے ہی پاشا نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ہزار ہزار کے 8 نوٹ نکالے اور حمید کی طرف بڑھا دیئے......ادھر مریم کو اس کا جواری باپ محض اپنے شوق کے لیے اور رقم کے حصول کے لیے اپنی عمر کے عیاش آدمی کے ہاتھوں سودا کر رہا تھا......اور دوسری طرف مریم اپنے محبوب فیضان سے کہہ رہی تھی...... تم فکر کیوں کرتے ہو......ہم ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں ہمیں ایک دوسرے سے کوئی جدا نہیں کر سکتا......مریم نے تھک کر فیضان کے کندھے پر سر رکھ دیا......

اور اگر تمہارے ماں باپ نے تمہاری شادی زبردستی کہیں اور کر دی......تو پھر میرا کیا ہوگا......

فیضان دھیرے سے اس کے ریشمی بالوں کو چھو کر بولا......تم ایسی باتوں کو سوچتے ہی کیوں ہو مریم ناراضگی سے بولی......

یہ دنیا والے بڑے ظالم ہیں...... یہ کبھی کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتے......

ظالم ہیں......تو ہوا کریں میری بلا سے مریم نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا......ہمارا پیار سچا ہے تو کوئی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا......

سچا پیار ہی تو آزمائش ہوتا ہے...... فیضان نے اپنے دھڑکتے دل کو قابو کرتے ہوئے بولا......

تم اپنے پیار کو کمزور کیوں سمجھتے ہو......

میں ہوں ناں......مریم نے اسے تسلی دیتے ہوئے مسکرا کر کہا......

اور اگر ایسی کوئی آزمائش ہوئی تو میں تمہارے ساتھ ہوں تم......تم جو کہو گے میں وہ کروں گی...... آئی پرامس......

اب موڈ ٹھیک کرو......اللہ سب بہتر کرے گا......کیا تم میرے لیے سب کو چھوڑ سکتی ہو......ہاں کیوں نہیں......

تو چلو پھر بھاگ چلتے ہیں......

چل پاگل......مریم نے پیار سے فیضان کے بال کھینچے...... بڑا آیا مجھے بھگانے والا......وہ وقت تو آنے دو......

اور اگر چاچو نے تیرا رشتہ کسی اور سے طے کر دیا تو پھر......

میں ایسے رشتوں کو تمہارے لیے ہی نہیں اپنے دل کے سکون کے لیے بھی ٹھکرا دوں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے تم سے...... مریم نے پیار سے فیضان کو دیکھتے ہوئے ایک عزم سے کہا...... سچ کہتی ہو تم

تمہاری قسم...... اور فیضان نے بے اختیار مریم کو اپنے گلے لگا لیا۔

دل بے قرار بے قرار رہتا ہے۔

ہر وقت مجھ سے کہتا ہے......

میں اس کو بہت بہلاتی ہوں

جو خواب ہیں تیری آنکھوں میں

یہ تجھ کو پاگل کر دیں گے

دکھوں سے دامن تیرا بھر دیں گے

اے پاگل دل تو کیا جانے

جب خواب ٹوٹ کر بکھرتے ہیں

تب آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں

اے پاگل دل کون تجھ کو یہ سمجھائے

صبح سویرے کا وقت تھا مریم کی دادی برآمدے میں بچھے تخت پر بیٹھی ناشتہ کر رہی تھیں...... اس کا بھائی علی کالج جانے کی تیاری کر رہا تھا...... اور امی اندر کچن میں گرما گرم پراٹھے بنا رہی تھیں...... اور وہ خود بڑے انہماک سے بیٹھی T.V پر چینل بدل بدل کر دیکھ رہی تھی......

کہ اپنے بیڈروم کا دروازہ کھول کر حمید باہر آئے چند لمحے رک کر ادھر اُدھر دیکھا اور سیدھا کچن میں آیا...... اور آتے ہی اپنی بیوی آسیہ سے کہنے لگے......

مجھے دو ہزار روپے چاہیے......؟

دو ہزار روپے...... آسیہ نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا...... کیا کرنا ہے دو ہزار کا اچار ڈالنا ہے دو ہزار کا......

وہ جھلا کر بولا...... میرے پاس دو ہزار نہیں ہیں......

یہ مجھے جاننے کی ضرورت نہیں مجھے پیسے چاہیے کہہ دیا نا...... کہ میرے پاس نہیں ہیں...... آسیہ بیزاری سے

بولی......

حمید نے آسیہ کو ایک بڑی سے گالی دی اور تحکمانہ انداز میں بولا......

دیتی ہے مجھے رقم کہ میں تیری خبر لوں...... ان کے زور زور سے بولنے پر علی کچن کی طرف آیا...... اور بولا...... کیا بات ہے بابا...... جب دیکھو تم روپے مانگتے رہتے ہو...... ماں اتنے روپے کہاں سے لائے...... گھر کے اور بھی بہت سے اخراجات ہیں......

ابے تو چپ کر سالا کمینہ کہیں کا...... بڑا آیا ماں کا ہمدرد......

باپ کے منہ سے گالی سن کر علی کے تن بدن میں آگ لگ گئی اپنے باپ کی طرف نفرت اور حقارت سے دیکھ کر بولا...... شرم نہیں آتی تمہیں بچوں کے سامنے ماں کو گالیاں دیتے ہو...... میں اپنی ماں کی یہ ہتک برداشت نہیں کر سکتا......

بچپن سے لے کر آج تک میں نے کبھی تمہیں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کرتے نہیں دیکھا...... آخر ہمارا قصور کیا ہے؟ کیوں آپ ہم سب سے نوکروں والا برتاؤ کرتے ہیں...... ''حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کی حیات طیبہ ہمارے لیے اسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتی ہے...... آپ ؐ نے ایک موقع پر فرمایا مومنین میں سے کامل وہ ہے...... جو اخلاق میں سب سے بہتر ہو اور اپنے گھر والوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے''۔

اے......! تو مجھے سمجھاتا ہے...... حمید علی کی طرف لپکا...... چار لفظ کیا پڑھ لیے میرے منہ کو آتا ہے ارے آسیہ نے اپنے شوہر کا راستہ روک لیا...... یہ تجھے کیا ہوتا جا رہا ہے جوان اولاد پر ہاتھ اٹھاتا ہے...... کچھ تو عقل کیا کر...... چل ہٹ ایک طرف بڑی آئی مجھے عقل سکھانے والی...... حمید نے پھر اپنی بیوی کو ایک گالی دی اور اسے ایک زور کا دھکا دے کر بولا...... اور ساتھ ہی آسیہ کو مارنے لگا...... اور یہ بات اب علی کی برداشت سے باہر ہوتی جا رہی تھی اس نے آگے بڑھ کر باپ کو روکا...... اور غصے سے بولا...... اور ہماری ماں پر ہاتھ اٹھایا تو اچھا نہیں ہوگا۔ مریم جو خاموشی سے ساری کاروائی دیکھ رہی تھی بے چین ہو کر باپ اور بھائی کے درمیان آ گئی زیادتی تمہاری طرف سے ہوتی ہے بابا...... وہ بڑے دکھ سے باپ کی طرف دیکھ رہی تھی

بابا آخر کیا ہوتا جا رہا ہے تمہیں......

چل ہٹ ایک طرف...... اس نے اپنی بیٹی مریم کو بھی زور کا دھکا دیا...... اور ساتھ ہی گالیوں سے نوازا۔ باپ کے

منہ سے اپنے لیے اتنے برے کلمات سن کر مریم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے...... علی بنا ناشتہ کے کالج جانے کے لیے باہر کی طرف بڑھا ہی تھا...... کہ اچانک حمید لپک کر اس کے سامنے آ گیا......

بابا دیکھو......! میں کہہ رہا ہوں میرا راستہ چھوڑ دو میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا...... لیکن حمید غصے سے جو منہ میں آیا کہتا چلا گیا...... لیکن حمید نے جب اسے ایک بار پھر ماں کی گالی دی تو اس سے برداشت نہ ہوا...... اس نے اپنے باپ کو ٹوکا...... اور غصے سے بولا...... بس بابا اب بہت ہو گیا یہ کہتا ہوا وہ باپ کو ایک طرف دھکیلتے ہوئے باہر کی طرف بڑھا ہی تھا...... کہ اس کے باپ نے لڑکھڑا کر سنبھلتے ہوئے پھر علی کو مادر زات گالی دی اور ساتھ ہی علی کو مارنا شروع کر دیا...... وہ علی کو مسلسل پیٹتا جا رہا تھا...... ساتھ ہی گالیاں بد دعائیں دیتا جا رہا تھا...... علی خاموشی سے مار کھاتا جا رہا تھا...... لیکن اس کی کوشش تھی کہ کسی طرح خود کو باپ سے چھڑا کر باہر نکل جائے......

لیکن حمید اسے چھوڑ نہیں رہا تھا...... تبھی اس نے ایک جھٹکے سے خود کو باپ سے چھڑایا اور دور ہوتے ہوئے قسم کھا کر بولا...... میں اب کبھی یہاں واپس نہیں آؤں گا...... اس کی آنکھوں میں آنسو تھے...... وہ یہ سب کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا...... مریم بھائی بھائی کہتی ہوئی اس کے پیچھے بھاگی جبکہ آسیہ صدمے جیسے حواس کھو بیٹھی وہ آنکھوں میں آنسو لیے اپنے شریک سفر کو دیکھ رہی تھی۔

یاسر......! مریم کو پسند کرتا تھا...... اور اسے ایک دفعہ حاصل کرنے کی نت نئی ترکیبیں سوچتا رہتا تھا......

جب بھی اس کی نظر مریم پر پڑتی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی اس کے دل میں مریم کو ایک دفعہ حاصل کرنے کی شیطانی اُمنگیں مچلنے لگتی...... وہ مریم سے شادی کرنے کے خواب نہیں دیکھتا تھا...... اس کی خواہش صرف یہ تھی کہ وہ مریم کے وجود سے اپنے دل کی پیاس بجھائے اور بس......

شادی وہ مریم سے اس لیے نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اس کی شادی طے تھی...... جہاں اس کی شادی طے تھی وہ اس کے والد کے دوست کی بیٹی تھی...... وہ لوگ بہت امیر تھے اور ان کی ایک ہی بیٹی تھی...... جس کے ساتھ یاسر کی بات طے تھی اس کا سسر شہر کا ایک کامیاب بزنس مین تھا...... دو تین فیکٹریز تھیں لاکھوں کا بنک بیلنس تھا اور شادی کے بعد ان کی اتنی ساری جائیداد اور بنک بیلنس کا مالک وہ بننے والا تھا حالانکہ اس کی ہونے والی بیوی معمولی شکل صورت کی تھی اس پر بچپن میں پولیو کی وجہ سے دونوں ٹانگوں سے معذور بھی تھی...... لیکن وہ ایک مال دار باپ کی بیٹی تھی...... اور اسی وجہ سے یاسر اس کا دولہا بننے کا خواب دیکھ رہا تھا...... یاسر اس تاک میں تھا کہ مریم اسے کہیں

باہر مل جائے تو اچھا ہے...... گھر میں تو اسے دوسروں کے علاوہ اس بات کا بھی ڈر تھا کہ اگر اس کی ہونے والی سسرال میں یہ باتیں پہنچ گئیں تو وہ اپنی بیٹی کے ساتھ اس کی شادی نہیں ہونے دیں گے...... اور پھر وہ اتنی ساری دولت سے محروم ہو جائے گا...... ایک دن خوش قسمتی سے مریم اسے گھر سے باہر مل گئی...... وہ کالج سے واپس گھر آ رہی تھی...... آج اس کی سہیلی نے شاید چھٹی کر لی تھی...... اس لیے وہ بس سے اتر کر اکیلی گھر کی طرف جا رہی تھی...... اس وقت دوپہر کا وقت تھا...... گرمی اپنے عروج پر تھی...... سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں تھے سڑک پر اکا دکا لوگ ہی نظر آتے تھے، سڑکیں ویران تھیں...... جب وہ بڑی سڑک سے اپنی گھر کی طرف جانے والی چھوٹی سڑک کی طرف مڑی تو یاسر بھی تیز تیز چلتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا...... مریم نے اسے دیکھ لیا تھا...... لیکن وہ کچھ نہ بولی...... اور چپ چاپ اپنا راستہ طے کرتی رہی سڑک سنسان تھی...... اور مریم کا دل یاسر کے انداز دیکھ کر زور زور سے دھڑکنے لگا تھا...... اتنے میں وہ اس کے برابر آ گیا...... مریم نے خاموش رہنے میں ہی بہتری سمجھی...... وہ کچھ نہ بولی...... بلکہ اس کے قدموں میں اور تیزی آ گئی...... یاسر نے بولنے میں پہل کی اور تیز تیز سانسوں کے درمیان بولا...... بہت تیز چل رہی ہو جانو!...... اور وہ اس ایک لفظ جانو پر تڑپ گئی اسے ایسا لگا جیسے یاسر نے اسے ایک ننگی گالی دی ہو...... جانو ہو گی تیری ماں...... اور وہ ڈھٹائی سے بولی......

ہاں ہے ناں...... میرے باپ کی......

تو میرا پیچھا کیوں کر رہا ہے......؟ مریم دوپٹے کے کنارے سے پسینہ صاف کرتے ہوئے بولی...... پیار جو کرتا ہوں تم سے...... یاسر دانت نکال کر مسکرایا...... ہاں قسم تیری خاطر اپنی جان بھی دے سکتا ہوں......

میرے لیے مرے گا...... مریم غصے سے بولی...... مرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو ریل کی پٹڑی پر جا کر مر......

اتنا کہہ کر وہ اور تیز تیز قدم اٹھانے لگی

وہ جلد سے جلد اپنے گھر پہنچ جانا چاہتی تھی...... اچانک یاسر نے کمال جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے لپک کر مریم کا ہاتھ تھام لیا...... اور اس لمحے مریم کے بائیں ہاتھ کا طمانچہ اتنی شدت سے یاسر کے گال پر پڑا کہ اس کا منہ گھوم گیا...... اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے...... ساتھ ہی مریم کی گالیاں شروع ہو گئیں...... الو کا پٹھہ...... کتا...... کمینہ حرام زادہ آگ لگے تیری جوانی کو خدا کرے تو کتے کی موت مرے......

اور وہ سٹ پٹا کر اس کو خاموش کروانے کے لیے منتیں کرنے لگا...... تم اتنا غصہ کیوں کر رہی ہو...... میں نے ایسا

کون سے ظلم کر دیا تم پر...... ایک ہاتھ ہی تو پکڑا ہے......

وہی تو تو نے میرا ہاتھ کیوں پکڑا......؟

ہاتھ پکڑنا کوئی جرم ہے کیا......؟ خدا کرے کوئی راہ چلتا بدمعاش تیری بہن کا ہاتھ تھام لے...... پھر میں تم سے پوچھوں گی کہ یہ جرم ہے یا نہیں...... یاسر لجاحت سے بولا...... مریم میں تم سے پیار کرتا ہوں...... میرا تمہارے بنا دل نہیں لگتا...... اپنی ماں سے پیار کر کے دیکھو...... مریم نفرت سے بولی...... جنت بھی مل جائے گی اور دنیا بھی سنوار جائے گی......

مریم......! یاسر غصے سے بولا......

خدا کی قسم بہت برا آدمی ہوں میں......

برا تو تو ہے...... پر مجھے اس سے کیا

میں تجھے جان سے مار دوں گا...... یاسر غصے سے لرزتا ہوا بولا......

چل...... چل...... مریم نے حقارت سے سر جھٹکا...... بڑا آیا مجھے جان سے مارنے والا...... میں تیری بوٹیاں چیل کوؤں کو کھلا دوں گی...... تو سمجھتا کیا ہے خود کو......

اور پھر سامنے سے دو تین آدمی آتے نظر آئے ان آدمیوں کو دیکھ کر یاسر خاموش ہو گیا......

اور اس پر ایک گہری نظر ڈالتا ہوا واپس پلٹ گیا...... مریم نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا...... اور تیز تیز قدم اٹھائی اپنے گھر کی طرف چل دی......

یاسر اپنے بستر پر لیٹا کروٹیں بدل رہا تھا...... رات کے 2 بجے تھے لیکن نینداس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی......

اس نے اپنا گال سہلایا...... وہ گال جس پر مریم کی پانچوں انگلیاں ابھر آئیں تھیں۔

اس کے دل و دماغ میں ہل چل تھی...... وہ انتہائی بے قراری سے کروٹیں بدل رہا تھا...... تھک کر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا...... دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا...... اور ہونٹ کاٹتے ہوئے بڑبڑایا......

خدا کی قسم میں بھی کتنا احمق ہوں ایک دو ٹکے کی لڑکی سے پٹ گیا...... اور وہ مجھے تھپڑ مار کر چلی گئی...... مجھ میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ اسے اس کا مزہ چکھا دیتا...... اُلٹا سر جھکا کر واپس پلٹ آیا...... وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا ......اور کمرے میں اِدھر اُدھر چکر لگانے لگا...... کچھ دیر سے سوچتے رہنے کے بعد بڑبڑایا میں اسے سبق تو سکھا

دوں...... لیکن اگر یہ بات میری سسرال تک پہنچ گئی...... تو وہ میری شادی میں رکاوٹ پیدا کر سکتی ہے...... اور اگر میری شادی وہاں نہ ہوئی تو پھر میں امیر آدمی کیسے بنوں گا...... وہ چلتا چلتا رک گیا......

ایک طرف مریم کی خوبصورتی ہے...... تو دوسری طرف لاکھوں کا مال...... اگر میں مریم کو دیکھتا ہوں تو دولت جاتی ہے...... اگر دولت لیتا ہوں تو مریم...... وہ ہاتھوں کی ترازو سے حساب کر رہا تھا۔

اچانک کچھ سوچ کر مسکرایا...... مال سے زیادہ خوبصورتی کسی میں نہیں...... مال جیب میں ہوگا تو خوبصورتی خود بخود پاس آجائے گی...... وہ چلتا چلتا تھک گیا تو قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گیا...... اور سوچتے ذہن سے سامنے دیکھتے ہوئے ہاتھ سے مونچھوں کو بل دیتا رہا...... کچھ سوچ کر ایک گہری سانس لی اور بڑبڑایا...... نہیں...... نہیں...... کچھ بھی ہوجائے میں مریم سے بدلہ ضرور لوں گا۔

اور پھر دوسری صبح وہ اپنے دوست ولید سے باتیں کر رہا تھا......

یار ولید! تو میری تھوڑی سی مدد کرے گا...... بولو...... کیا بات ہے ولید نے اسے حیرانگی سے دیکھتے ہوئے پوچھا......

پہلے تو مجھ سے وعدہ کر...... کہ تو پیچھے نہیں ہٹے گا...... یار کیسی باتیں کر رہا ہے...... پہلے کبھی کیا میں نے تیرا ساتھ چھوڑا ہے...... تو بات بتا ولید نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا...... یار میرا دل آگیا ہے ایک لڑکی پر......

تو اس میں میں کیا تیری مدد کر سکتا ہوں...... ولید ہنستا ہوا بولا...... یہ تو دل کے معاملے ہیں پیارے...... تیرا دل اس پر آگیا ہے تو تو عشق کر......

نہیں...... یاسر بولا...... مجھے تیری مدد کی ضرورت ہے......

تو کیا تو اپنا عشق میری طرف ٹرانسفر کرنا چاہتا ہے...... ولید ہنستا ہوا بولا......

مذاق چھوڑ کر یار میں سیریس ہوں...... یاسر سنجیدگی سے بولا......

تو پھر بول نا کیا بات ہے...... ولید ہنسنا بھول کر حیرانگی سے بولا......

میں چاہتا ہوں کہ تو اس سے مل......

آگئی نا وہی بات پیارے کہ تو اپنی بلا میرے سر منڈھنا چاہتا ہے......

نہیں یار یہ بات نہیں ہے...... یاسر سنجیدہ ہوگیا......

اور ولید جھٹ بولا...... تو پھر کیا بات ہے۔ پھر...... یاسر پھر کے بعد تھوڑا سا رکا اور ولید کی طرف دیکھتے ہوئے بولا

...... ولید پوری طرح یاسر کی طرف متوجہ تھا...... پھر یہ کہ تو اس کو میرے لیے چارہ ڈال...... کیوں تیرے جال میں نہیں پھنسے گی کیا......؟

نہیں...... یاسر بے چارگی سے بولا......

تو پھر میرے جال میں کیسے پھنس جائے گی......

تو اس چڑیا کو میرے لیے اغوا کر لے......

ارے واہ...... ولید دھاڑا...... کیا کہنا ہے اُستاد تیرا...... وہ قہقہہ لگاتا...... پھر بولا......

عشق اور عیش تم کرو...... اور جیل کی ہوا کھانے کو اس کا اغوا میں کروں......

واہ...... واہ کیا دوستی ہے یار تیری بھی......

یاسر جھینپتے ہوئے بولا...... ارے جیل ویل کی نوبت نہیں آئے گی......

پھر اللہ کا نام لے کر یہ نیک کام تم خود کیوں نہیں کر لیتے

وہ ایک مسئلہ ہے یار...... یاسر بے بسی سے بولا کیا......؟ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اگر میری سسرال میں یہ بات پہنچ گئی تو اچھا نہیں ہوگا اور جیسا کہ تو جانتا ہے...... کہ میں سسرال کی دولت پر نظر جما کر بیٹھا ہوں...... ایسا نہ ہو کہ وہ میرے ہاتھ سے نکل جائے......

اچھا ولید مسکرایا...... کیا نام ہے اس لڑکی کا...... جس نے میرے یار کی نیندیں چرائی ہیں...... اور کہاں رہتی ہے وہ...... ارے یار کہیں دور نہیں بلکہ پاس میں ہی رہتی ہے یاسر ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا......

ادھر رہتی ہے...... ولید مزید حیران ہوتے ہوئے بولا کون ہے وہ......؟

مریم...... اور مریم کا نام سن کر ولید زور سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑا...... وہ ہنس رہا تھا اور یاسر حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا...... آخر جھنجھلا کر بولا...... تم ہنس کیوں رہے ہو......؟

کیا میں نے تمہیں کوئی لطیفہ سنایا ہے......

ہنسنے کی بات تو تم نے خود کی ہے...... ولید سنجیدہ ہو گیا...... بھلا یہ کہاں کی شرافت ہے...... یار کہ اپنے ہی خاندان اور اپنے گھر کی لڑکی پر تیری رال ٹپک رہی ہے...... دوسری بات یہ میری جان کہ مریم خدا کی قسم ایسی ویسی لڑکی نہیں

ہے......بہت اچھے کردار کی لڑکی ہے......وہ......ولید کے لہجے میں مریم کے لیے عزت تھی......اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا نا بابا......نا مجھ سے یہ سب نہیں ہوگا......مجھے اپنی حجامت نہیں بنوانی اس سے......وہ مار مار کر مجھے بھی اور ساتھ تجھے بھی ونبہ بنا دے گی اور بدنامی الگ ہوگی......

یہ سنتے ہی یاسر نڈھال ہو کر پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گیا......اور......نڈھال سی آواز میں بولا......اچھا تو تو رہنے دے......خود ہی اس کو دیکھ لوں گا......

تو......تو اس کو کیا دیکھے گا......ولید ہنستے ہنستے دھرا ہو گیا......یاسر چڑ کر بولا......ہنس کیوں رہے ہو......

تو مریم سے ٹکرے گا......اس لیے مجھے ہنسی آ رہی ہے......

میں ایک دن تجھے یہ سب کر کے دکھاوں گا......یاسر غصے سے اٹھ کھڑا ہوا......

مریم کی اوقات کیا ہے میرے سامنے میں تو اپنی بدنامی کے ڈر سے اب تک چپ ہوں تو کیا اب تو نے بدنام ہونے کا سوچ لیا ہے......

ولید ہنسی روک کر بولا......

ہاں......اب مجھے پرواہ نہیں......

اور وہ تیری سسرال والے......دفعہ کر ان کو یاسر کھسیانا ہو کر بولا......اس کالی معذور لڑکی سے......میرے سوا اور کون شادی کر سکتا ہے......

اچھا......ولید نے اچھا کو لمبا کر کے کہا......

ہاں یار......

ولید مسکراتے ہوئے بولا......

تو تم اپنی قسمت آزماو میری جان میں تمہارے لیے ہلدی چونے کا لیپ تیار کر کے رکھتا ہوں یہ کہہ کر ولید ہنستا ہوا وہاں سے چلا گیا......آج پھر مریم اکیلی ہی کالج سے واپس آ رہی تھی اتفاق سے یاسر کی نظر اس پر پڑ گئی......وہ کافی دنوں سے اس موقع کی تلاش میں تھا......

لپک کر مریم کے قریب پہنچا......مریم نے اس کی طرف نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا تو پھر آ گیا......ایک سبق کافی نہیں تھا تیرے لیے......ہاں!......آ گیا ہوں پھر......یاسر غصے سے بولا......لگتا ہے اس دن کا تھپڑ بھول گئے ہو تم

......میں آج اس طمانچے کا جواب دینے آیا ہوں تمہیں ......اچھا مریم وہاں ہی کھڑی ہوگئی ......یاسر بولا دیکھ میں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں تجھ سے ......کیا مریم حیرانگی سے بولی ......تو مجھے اچھی لگتی ہے ......میں کچھ وقت تیرے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں ......اور بس ......کمینہ ......مریم غصے سے آگ بگولہ ہوگئی میں تیرے ٹکڑے ٹکڑے کردوں گی ......تیری اتنی ہمت بے غیرت مریم نے ایک ہاتھ سے اپنا جوتا اتارا ہی تھا ......کہ یاسر بھیڑیے کی طرح اس پر جھپٹ پڑا اوران دونوں میں کشمکش شروع ہوگئی ......وہ پاگلوں کی طرح اس کے بال نوچ رہی تھی ......اس نے یاسر کے بازو پر اس زور سے کاٹا کہ وہ تکلیف کی شدت سے نڈھال ہوگیا ......اور مریم موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے چھوڑ کر بھاگی ......وہ تیزی کے ساتھ بے تحاشا بھاگ رہی تھی ......کہ اچانک سامنے سے فیضان آتا دکھائی دیا ......اس نے جو یہ نظارہ دیکھا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی ......مریم جو اسے جان سے زیادہ پیاری تھی ......انتہائی بدحواسی کی حالت میں بھاگ رہی تھی ......یاسر اسے پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا ......

فیضان کو کچھ دیر لگی ......حالات کو سمجھنے کے لیے مریم کے چہرے پر خوف تھا اس لیے پل بھر میں وہ سارا معاملہ سمجھ گیا ......اور دوسرے لمحے یاسر کا گریبان فیضان کے ہاتھوں میں تھا ......

فیضان نے یاسر کو بے تحاشا پیٹنا شروع کردیا مریم فیضان کو دیکھ کر رک گئی ......اس نے ان دونوں کو لڑتے دیکھا تو قریب آگئی ......مریم نے فیضان کو للکارا ......مار مار کر اس بے غیرت کی جان لے لے فیضی ......شاباش ......اتنا مار اسے کہ یہ زندگی بھر کسی کی عزت پر بری نظر نہ ڈال سکے ......وہ بچوں کی طرح تالیاں بجا کر فیضان کی حوصلہ افزائی کررہی تھی ......اور فیضان جو پہلے ہی یاسر کی طبیعت صاف کررہا تھا ......اسے اور بری طرح مارنے لگا ......

ہائے اللہ ......یاسر زور سے چیخا ......فیضان نے اس کی کمر پر ایک اور لات ماری ......

میں مرجاؤں گا ......اللہ کے واسطے مجھے معاف کردو ......ہائے میری ماں ......یاسر چلانے لگا خدا کے لیے فیضان تجھے تیری ماں کی قسم مجھے چھوڑ دے ......لیکن فیضان نے اس کو ایک اور ٹھوکر لگائی ......اور اسے بالوں سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے اس کے منہ پر طمانچے مار مار کر اس کے گال سجا دیئے ......یاسر پھر چلایا ......

خدا کے لیے مریم بہن ......خدا کے لیے مجھے معاف کردو آج سے تم میری بہن جیسی ہو ......میں تم سے معافی مانگتا ہوں ......وہ گڑگڑا رہا تھا ......اور فیضان اسے مسلسل پیٹے جارہا تھا ......تب مریم نے پاس آکر فیضان کے کندھے

پر ہاتھ رکھا اور بولی ...... بس کر فیضی بس کر چھوڑ دے اسے ..... نہیں مریم آج میں اسے ختم کر کے رہوں گا......
نہیں ...... نہیں مریم نے گھبرا کر فیضی کو یاسر سے الگ کرنا چاہا..... یہ مر جائے گا...... فیضی چھوڑ اسے ...... اسے مر جانا چاہیے...... فیضان اسے ایک اور دھکا دیتے ہوئے بولا......
ہوش کر فیضی اسے اگر کچھ ہو گیا تو ہم بھی پھنس جائیں گے ..... پولیس ہمیں بھی نہیں چھوڑے گی ..... فیضان نے مریم کی بات سن کر یاسر کو چھوڑ دیا اور اپنے ہاتھوں سے چہرے پر آیا پسینہ صاف کرنے لگا......
یاسر زمین پر سے کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھا...... اور مریم کے قریب آ کر بولا ..... بہت بہت شکریہ پھر وہ فیضان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولا ..... فیضی بھائی خدا کی قسم ..... میں بہت شرمندہ ہوں آج سے میں مریم کو اپنی بہن سمجھوں گا ..... تم اس بات کا ذکر کسی سے نہ کرنا ..... پھر وہ مریم کی طرف گھوما ...... تم یہ بات کسی سے نہ کہنا مریم بہن..... میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں .....
نہیں میں آج دادا جان کے سامنے یہ سارا معاملہ رکھوں گی ..... مریم غصے سے یاسر کو دیکھتی ہوئی بولی ..... یاسر دونوں ہاتھ جوڑ کر مریم کے سامنے آ گیا تمہیں اللہ کا واسطہ مریم بہن ..... تمہیں فیضان کی قسم تم ایسا نہ کرنا ..... تم کسی سے بھی ذکر نہ کرنا ...... مجھے سبق مل گیا ہے......
میں کان پکڑتا ہوں ..... میں آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا ..... میں وعدہ کرتا ہوں ..... وہ کراہتے ہوئے معافی مانگ رہا تھا......
میں یہ بھی کسی کو نہیں بولوں گا ..... کہ فیضی بھائی نے مجھے مارا ہے ..... میں کوئی اور بہانہ کر دوں گا ..... خدا کے واسطے تم دونوں مجھے معاف کر دو ..... اچھا چل میں نے تجھے معاف کیا ..... مریم نے اس پر ترس کھاتے ہوئے کہا ...... آج سے میں تمہیں بہن بولوں گا ..... اور تمہارا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولوں گا ..... یاسر کان پکڑ کر بولا ......
اچھا چل اب یہاں سے جا..... مریم نے کہا..... تو یاسر آستین سے اپنے منہ سے نکلتے خون کو صاف کرتے ہوئے وہاں سے چل دیا......
فیضان جو اسے مار مار کر تھک گیا تھا..... ہانپتے ہوئے بولا......
اچھا ہوا کہ میں اس طرف آ گیا..... ہاں اس میں اللہ کی کوئی مصلحت ہے مریم اداسی سے بولی اور پھر وہ فیضان کی طرف بے قراری سے بڑھی اور اسے چھو کر بولی تمہیں کہیں زیادہ چوٹ ووٹ تو نہیں لگی ..... فیضان اس کی بے

قراری پر مسکرانے لگا..... چوٹ تو مجھے جب لگتی..... جب وہ مجھ مارتا..... وہ بزدل تو لڑا ہی نہیں مجھ سے..... میں ہی اسے گدھوں کی طرح مارتا رہا..... مریم فیضان کے کندھے پر سر رکھ کر بڑے پیار سے بولی..... مجھے پتہ ہے میرا فیضی بڑا بہادر ہے اور پھر اسی سنسان سڑک اور جلتی دوپہر میں اچانک دور سے ایک گاڑی آتی نظر آئی لہٰذا وہ فوراً فیضان سے الگ ہوگئی..... فیضان اس کی اس ادا پر مسکرا دیا.....

اب تم بھی میرے ساتھ گھر چلو.....!

نہیں بھئی..... فیضان بولا..... میں ایک کام سے جا رہا تھا..... ابھی مجھے شاپ پر واپس بھی جانا ہے شام کو گھر آؤں گا.....

ارے ہاں..... وہ ایک ہاتھ سے اپنے سر پر چپت لگاتے ہوئے بولی..... میں بھی ابھی گھر کیسے جا سکتی ہوں..... تمہیں تو پتہ ہے..... بھائی اب گھر چھوڑ گیا ہے..... اسی لیے گھر کے اخراجات کے لیے میں نے کالج ٹائم کے بعد اس گلی میں وہ جو گرے کلر کا گیٹ ہے نا وہاں پر ٹیوشن دینی شروع کی ہے..... وہ ناصر صاحب کا گھر ہے نا.....

فیضان نے مریم کی طرف دیکھا..... ہاں..... اُن کا ہی گھر ہے..... 3 بچے ہیں..... 3 ہزار مل جاتے ہیں اور پھر شام میں کچھ بچے گھر آ جاتے ہیں..... تو کچھ آسرا ہو جاتا ہے..... مریم اداسی سے بولی..... فیضان پیار سے اس کی طرف دیکھ کر بولا..... تو بہت کام کرتی ہے نا..... تھک جاتی ہوں گی..... وہ مسکرا دی..... جیسے اس ایک جملے نے اس کی ساری تھکن چوس لی ہو..... سچ ہے اپنوں کی ذرا سی توجہ ساری پریشانیاں سارے غم بھلا دیتی ہیں.....

اور تم..... تم کام نہیں کرنے کی..... تم بھی تو بہت کام کرتے ہوں..... میری چھوڑ میں تو مرد ہوں انہیں بھی تو آرام کی ضرورت ہوتی ہے.....

مریم پیار سے اس کا ہاتھ تھام کر بولی..... دونوں کو مل کر کام کرنا چاہیے..... مرد کو بھی اور عورت کو بھی۔

پر ایک بات ہے..... فیضان بولا.....

کیا.....؟ مریم نے پوچھا.....

شادی کے بعد میں تجھے کام نہیں کرنے دوں گا..... فیضان نے مریم کے نازک ہاتھ پر اپنا بھاری ہاتھ رکھا مجھے بہت برا لگے گا..... کہ تم جاب کرو.....

مگر پھر سوچتا ہوں جانے ہماری شادی ہوگی کب؟

فیضان نے مریم کی تھوڑی چھو کر بے قراری سے سوال کیا...... اور اس بات پر مریم شرما گئی اور نظریں جھکا کر بولی...... جب تم چاہو گے......

میرا تو دل کرتا ہے ابھی شادی کر لوں......

فیضان شرارت سے بولا...... بول منظور ہے......

اوں...... ہوں...... مریم نے نفی میں سر ہلایا...... وہ کیوں؟

فیضان نے پوچھا تو وہ فوراً بولی...... اس کے لیے تمہاری امی اور بہنوں کو میرے گھر رشتہ لینے کے لیے جوتیاں گھسینی پڑیں گی......

باپ رے باپ فیضان مسکرایا...... یہ تمہاری شرط تو بہت مشکل ہے......

یہ میری شرط نہیں بلکہ دنیا کا دستور ہے...... اچھا بابا...... میں امی سے کہتا ہوں ہو روز واک کرتی ہوئی تمہارے گھر جائیں......

تا کہ جلد از جلد جوتی گھسے اور مجھے تمہارا رشتہ ملے......

کب کہو گے......؟ اور اپنے اس بے ساختہ سوال پر مریم خود ہی شرما گئی......؟ اور مسکراتے ہوئے اپنے دوپٹے کا کونہ انگلی پر مروڑتی رہی...... اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں......

فیضان نے آگے بڑھ کر اس کی تھوڑی پکڑ کر چہرہ اونچا کیا...... کیوں شرم آ گئی اور وہ اس سے دور ہٹ کر کھڑی ہو گئی...... اور اس کی طرف دیکھ کر بولی...... تم بہت گندے آدمی ہو......

میں گندہ آدمی ہوں...... فیضان مصنوعی غصے سے بولا اور نہیں تو کیا...... وہ اس کے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے لاڈ سے بولی...... دل کی بات جو نکلوا لیتے ہو...... مریم نے گردن جھٹک کر بڑے پیارے انداز میں کہا......

اور بے اختیار آگے بڑھ کر اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا...... وہ کسماتے ہوئے ہولے سے بولی...... ارے...... ارے یہ کیا کر رہے ہو چھوڑو مجھے...... اور جواب میں فیضان کی گرفت اور مضبوط ہو گئی......

سانسوں سے سانس ملی
کھلنے لگی خوشبوئے بدن
تیرے ہونٹوں کی دہکتی ہوئی،

کلیوں کی شبنم
قطرہ قطرہ میری روح
میں جذب ہوتی رہی
میری رگ رگ میں
کرتی رہی محبت کا سفر

یاسر کا عشق رفو چکر ہو چکا تھا۔ اس کی عقل فیضان کی ٹھیک ٹھاک قسم کی ٹھکائی کے بعد اپنے ٹھکانے پر آ گئی تھی......

اس روز جب وہ فیضان سے مار کھا کر اپنے گھر واپس آیا......

تو اس نے اپنی ماں سے یہ نہیں کہا تھا کہ اسے فیضان نے مارا ہے......

بلکہ اس نے اپنے باپ سے جھوٹ بولتے اور درد کی شدت سے کراہتے ہوئے کہا تھا...... خدا کی قسم بہت تکلیف ہے بہت مارا ہے انہوں نے مجھے......

لیکن میں نے بھی اسے دن میں تارے دیکھا دیئے ہیں......

اور اس کے باپ حیدر صاحب نے اس کی یہ حالت دیکھ کر پریشانی سے بوکھلاتے ہوئے اس سے پوچھا......

بات کیا ہوئی......؟

کون تھا وہ جس نے تیری یہ حالت کی ہے......

مجھے نام بتا اس کا......؟

کون تھا وہ نہیں بابا بلکے یہ پوچھو کہ وہ کون تھے وہ ایک دو نہیں پانچ چھ جوان تھے......(جاری ہے)

شکر ہے چاند نظر تو آیا۔ (وہ جو پیپرز کے دوران سب سے کٹ کر رہ گئی تھی) اسے ڈنر پر سب کو جوائن کرتے دیکھ کر بادیہ نے کہا۔

"ہاں یہ بات تو بادیہ کی بلکل سچ ہے"

"بیٹا پیپرز کی تیاری میں مصروف ہو جانا اچھی بات ہے۔۔۔پر بچے کھانا سب کے ساتھ کھانے کے لئے تو وقت نکالنا چاہیے۔"

شاہد حسین نے پیار بھری نظروں سے اپنی بیٹی کو دیکھا۔

"سوری بابا اب سارا وقت آپ سب کے لئے کیونکہ پیپرز ختم۔"

"سوکین نے اپنی پلیٹ میں چاول ڈالتے ہوئے کہا۔۔۔"

"گڈ" اور پیپرز کیسے ہوئے؟ "بہت اچھے بابا"

"اب آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے آپیا؟" بادیہ نے بھی ان کی گفتگو کا حصہ بنتے ہوئے پوچھا۔۔۔"

فل حال کچھ سوچا نہیں۔" وہ بابا صوبیہ اور عائشہ نے Outing کا پروگرام بنایا ہے۔تھوڑی سی فرشمنٹ ہو جائے گی پیپرز کے بعد"

کیونکہ بابا پھر عائشہ کی شادی کی تاریخ فکس ہے تو۔۔۔سوکین نے پرامید نظروں سے ان کی طرف دیکھا وہ جانتی تھی کہ اس کے بابا منع نہیں کریں گے۔۔۔"ہاں ضرور گڈ بلکل جاؤ ری فرشمنٹ تو ہونی چاہیے۔۔۔شاہد حسین نے نیپ کن سے منہ صاف کرتے ہوئے اسے اجازت دی۔۔۔

"کیا گڈ کوئی ضرورت نہیں ہے یوں جوان لڑکیوں کو تنہا پھرنے کی۔" آپ بھی نا حد کرتے ہیں۔جانتے ہیں آج

کل کے حالات''

''نور جہاں جو خاموشی سے باپ بیٹی کی باتیں سن رہی تھی۔ان کے مان جانے پر تپ گئیں۔(نور جہاں۔شاہد حسین کے مقابلے میں پرانے خیالات رکھتی تھیں)'' ویسے بھی انہیں لڑکیوں کا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا، باہر نکلنا بلکل بھی پسند نہیں تھا انہیں لڑکیاں گھرداری کرتے اچھی لگتی تھیں۔

''مما پلیز'' سوکین نے مسکنی سی صورت بنا کر نور جہاں کی طرف دیکھا۔۔۔''

بیگم جانے دیں۔اور ویسے بھی یہ اکیلی نہیں ہوں گی، شازل ساتھ جائے گا ان کے۔۔۔انہوں نے بات کو ختم کرنا چاہا

''بابا شازل کیوں؟ سوکین کو شازل کا ان کے سر مسلط کرنا بلکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔۔۔

کیوں کا کیا مطلب اگر جانا ہے تو اسے ساتھ لے کے جانا پڑے گا ورنہ بیٹھی رہو'' ویسے بھی ڈرائیور گاؤں گیا ہوا ہے چھٹی پر۔۔۔نور جہاں نے بحث کو ختم کرتے ہوئے کہا۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''بابا میں آرٹ اکیڈمی کھولنا چاہتی ہوں۔

چلیں۔جی اب اک نئی فرمائش کبھی یہ کرنا ہے کبھی وہ کرنا ہے بس نہیں کرنی تو شادی ہی نہیں۔۔۔اور جیز بائیں اسے سر کوئی ضرورت نہیں ہے بے کار کے کاموں میں پیسے برباد کرنے کی۔۔۔شادی کروائیں۔۔۔کہ اب چھوٹی کے بھی رشتے آنے شروع ہو گئے ہیں۔۔۔اس کو بیاہیں گے تو ہی چھوٹی کا کچھ کر سکیں گے نا۔۔۔نور جہاں جو وہی لیونگ ایریا میں بیٹھی تھیں۔سوکین کی نئی فرمائش سن کر اس کی ٹھیک ٹھاک کلاس لے ڈالی۔۔۔

''مجھے نہیں کرنی شادی بابا'' کہہ کہ اس نے وہاں سے اٹھ جانا ہی بہتر سمجھا۔ ''سنے'' اپنی صاحبزادی کے خیالات'' جہاں شادی کی بات کی وہاں اس کا ایک ہی جواب ہوتا ہے'' آخر پوچھیں تو اس سے کیوں نہیں کرنی شادی''؟ نور جہاں غصے سے چلائی۔۔۔

''ارے بیگم کرلے گی شادی'' ہو جائے گی اس کی بھی جب اس کا نصیب اٹھے گا۔۔۔آپ فکر نہ کریں بیگم۔۔۔''

کیسے فکر نہ کروں۔۔۔دیکھیں اپنا شازل کتنا لائق فائق ڈاکٹر ہے کسی شہزادے سے کم نہیں۔۔۔پر آپ کی بیٹی خود کو پتہ نہیں کہاں کی شہزادی سمجھتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''میرا ایک ہی بیٹا ہے اس کی بھی شکل مہینوں بعد جا کر دیکھنا نصیب ہوتی ہے۔۔۔''

وہ جو دو مہینوں بعد ابھی تھوڑی دیر ہوئی کراچی سے آیا تھا سمینہ زمان کے گلے میں باہیں ڈالے ان کی ممتا کے لمس کو محسوس کر رہا تھا۔۔۔

کرنا چاہتے ہوئے بھی سمینہ زمان کے لبوں پر شکوہ مچل گیا تھا۔

''میری پیاری اماں جی۔ کیا کروں ہاؤس جاب کرنا آسان نہیں پھر ساتھ میں ہسپتال بھی زیر تعمیر ہے اس کو دیکھنا ہوتا ہے۔ اس نے نہایت عقیدت سے ان کے ہاتھ پر بوسہ دے کر بتایا۔۔۔

تو مان جاؤ نا۔۔۔

کیا؟''

تم جانتے ہو میں شادی کی بات کر رہی ہوں۔ سمینہ زمان نے ہمیشہ کی طرح پھر اپنا پسندیدہ موضوع زیر بحث چھیڑ دیا۔

''تو کر لیں اماں شادی۔ ویسے بھی آپ آئندہ کے 10 سال میں بھی اتنی ہی ینگ لیڈی ہی رہیں گی۔ جیسے ابھی دکھتی ہیں۔۔۔

شرم کرو لڑکے بوڑھی اماں کی شادی کرواؤ گے۔۔۔ میں تمہاری شادی کی بات کر رہی ہوں۔۔۔ انہوں نے پیار سے اس کے کان کو کھینچا۔۔۔ ''شادی ہو جائے گی تو یوں مہینوں گھر سے غائب نہیں رہو گے۔۔۔''

''اماں'' فل حال شادی نہیں کرنی۔۔۔

''کیوں نہیں کرنی؟ وجہ جان سکتی ہوں؟

''چاہ نہیں'' اماں۔۔۔

یہ کیسا جواب ہے۔۔۔'' انہوں نے حیرانگی سے اپنے بیٹے کو دیکھا۔۔۔

اماں! اس وقت صرف کافی کی چاہ ہو رہی ہے وہ پلا دیں'' پلیز۔ کہہ کر مثال نے آنکھوں کو موند لیا تھا۔۔۔

''ہوں۔ اچھا بنواتی ہوں'' انہوں نے تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ اور اٹھ کر کچن کو چل دی۔

چپکے سے بند آنکھوں میں ایک چہرہ روشن ہوا تھا۔۔۔

اے حاصل خلوص بتا کیا جواب دوں
دنیا یہ پوچھتی ہے کہ میں کیوں اداس ہوں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ سچ ہے آپ کی ایسی عجیب لوجک پر لوگوں کا ردِعمل ایسا ہی ہوتا ہے اگر آپ لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ اک دن ایسا آئے گا جب آپ چاند کو ہاتھ میں لینے کی کوشش پا جائیں گے۔ ''تو سب آپ کو پاگل سمجھیں گے آپ کا مزاق بنائے گے۔

''ایسا ہی کچھ میرے ساتھ بھی ہے، لوگ میرے یقین کو پاگل پن کی علامت گردانتے ہیں۔۔۔'' اور ٹھیک بھی ہے۔ ''میرا یقین بھی کچھ ایسا ہی ہے'' چاند والا'' اور یہ میری خوش بختی کہ میں نے جو دعا یقین کے ساتھ مانگی تھی۔'' اس کو کامل کی'' وہی، اگاہی۔'' میرے دل کو اللہ نے دی

۔'' یہ میری زندگی کا حاصل ہے کہ میرے مولا نے مجھے اپنے کامل یقین کے لئے چنا'' '' وہ جو پہلی نظر میں ہی دل میں بس گیا'' نہیں جانتی اس کے دل میں میرے لئے کیا ہے پر پھر بھی جانے کیوں یقین سا ہے وہ جہاں بھی ہے میرا ہے۔ وہ حُسن میں بے مثال کیوں ہے۔ اے میرے اللہ میں صبر سے اس کا انتظار کروں گی۔۔۔ اس وقت کا انتظار کروں گی جب تو کہے گا'' کن'' اور ہوجائے گا فیکون

بس اے مولا اتنی ہمت اور حوصلہ دینا۔ اس دوران آئے سبھی امتحان کو میں ہمت اور حوصلے سے انجام دے سکوں ہار نہ جاؤں اپنے پیاروں کی خوشیوں کے آگے''۔۔۔

میں اندر آسکتا ہوں بیٹا؟

وہ بیڈ کی بیک سے ٹیک لگائے سوچ رہی تھی کہ شاید حسین نے دروازے پر نوک کرتے ہوئے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

''بابا۔۔۔ پلیز آیئے نا۔۔۔'' بابا مجھے بلا لیا ہوتا۔ آپ نے کیوں زحمت کی۔ وہ پلنگ سے پیچھے کو کھڑی ہوئی۔۔۔

ارے واہ کیا میں خود اپنی بیٹی کے پاس نہیں آسکتا۔۔۔ انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔۔۔

''بلکل بابا۔۔۔ بیٹھئے نا۔۔۔ اس سے پلنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔۔۔

بابا چائے بنا کر لاؤں آپ کے لئے؟ سوکین نے پوچھا

تھوڑی دیر سے۔۔۔ابھی نہیں۔۔۔"بیٹھو آپ سے بات کرنی تھی۔۔۔انہوں نے کہا"
"جی بابا" بولیں۔کہتے ہوئے وہ بھی بیٹھ گی
میرا ایک دوست ہے۔اس سے بات کی تھی آرٹ اکیڈمی کے سلسلے میں وہ پراپرٹی ڈیلر ہے (Defense)
ڈیفنس میں ایک آرٹ اکیڈمی کا مالک اسے سیل کرنا چاہتا ہے۔
"گھر سے دور بھی نہیں پڑے گی آپ کو۔
"رئیلی بابا۔۔؟اوہ تھینک یو بابا یو آر دی بیسٹ بابا ان دی ورلڈ"
آئی لو یو بابا"
وہ اچھل ہی تو پڑی تھی خوشی سے۔۔۔
"بابا مما؟" مان جائیں گی۔۔۔اسے یاد آنے پر کے مما راضی نہیں ہونگی۔۔۔ساری خوشی دم توڑ گئی۔۔۔
ان سے میں بات کرلوں گا۔۔۔
سوکین میرے بچے وہ آپ کی ماں ہے اور کوئی بھی ماں اپنے بچے سے نفرت نہیں کرتی۔۔۔ماں باپ پر اپنے بچے
بوجھ نہیں ہوتے چندا۔۔
وہ تم تینوں کو اپنے گھروں کا ہوتا دیکھنا چاہتی ہے۔۔۔
"بابا آپ کے دوست ہیں نا۔۔۔کیا آپ کا دوست شادی سے انکار کی وجہ جان سکتا ہے؟۔۔۔"اگر آپ کو کوئی
پسند ہے۔تو مجھے بتاؤ میں اسی کے ساتھ شادی کرواں گا آپ کی۔انہوں نے اپنی بات کو ختم کر کے جواب طلب
نگاہوں سے اسے دیکھا۔۔۔
"بابا ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔(ایک چہرہ ذہن میں روشن ہوا تھا) اس نے نگائیں جھکالیں۔کہ کہی اس کا عکس میری
محبت کو عیاں نا کردے)
میں یہ نہیں کہتی کہ میں شادی نہیں کروں گی۔۔۔"بابا"
میں فلِ حال شادی نہیں کرنا چاہتی۔۔۔مجھے شادی سے ڈر لگتا ہے بابا۔نئے گھر نئے لوگوں کے ساتھ اپنی ساری
زندگی گزار دینا جن کو آپ جانتے تک نہیں یہ سوچ کر ہی مجھے خوف آتا ہے۔۔۔جس کے لئے مجھے خود کو ذہنی طور
پرتیار ہونے کے لئے تھوڑا نہیں بہت وقت چاہئے بابا۔"

پلیز۔وعدہ انکار نہیں کروں گی" اس نے ان کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔۔۔ایک سال کی مہلت دے دیں وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔

"اچھا صرف ایک سال"

وہ ایسی ہی تھی ہمیشہ کبھی ضد کر کے تو کبھی جذباتی کر کے سامنے والے کو قائل کرلیا کرتی تھی

"وعدہ بابا" تھینکس بابا"

"اچھا میں اپنے اسٹڈی روم میں جا رہا ہوں میرے لئے اچھی سی گرما گرم ایک کپ کافی کا بنادو" کہتے ہوئے وہ اٹھے

"اچھا بابا جانی" آپ جائیں میں ابھی بنا کر لائی"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیسے دوست ہو غیروں کی طرح بتا رہے ہو۔۔

"اسیع ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کے پیارے دوست کی شادی ہونے جا رہی ہے" یا وہ ہی اتنا بے حس ہو گیا تھا کہ اسے خبر

ہی نہیں اپنے پیاروں کی زندگی کی۔۔۔

تب ہی ابھی تک حیران تھا"۔۔۔"وہ آج کسی کام سے سلمان سے ملنے اس کے گھر آیا تھا۔۔۔"

واہ میرے دوست التجا جو رکو تو اچھا جو دل چاہے

تم ملو یا دکھو، تو کچھ تم سے شیئر کیا جائے بتایا جائے نا۔۔۔"خیر

اب ایک ہفتے کے لیے تم اپنی ساری مصروفیات ترک کر رہے ہو کیونکہ میری شادی کے سارے انتظامات تمہارے سپرد ہیں"

سلمان نے اسے کارڈز تھمائے نام لکھنے کے لئے۔۔۔

اور دیکھو کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔۔۔اس نے مثال کو خطرناک نظروں سے گھورا۔۔۔

اچھا بابا۔۔۔ٹھیک ہے ایسے کیوں گھور رہے ہو۔۔۔

کردی ساری مصروفیات کینسل تمہارے واسطے تک اب خوش؟

ہمم۔۔۔شہزادہ خوش ہوئے۔۔۔سلمان چہکا۔۔۔

کون شہزادہ؟اور آپ"بس اب اتنا بھی نہیں ہو رہا کہ میں اس میں بھی آپ کا ساتھ دوں؟؟

نہایت خبس ہو تم

سلمان نے صوفے پر رکھا کشن اٹھا کر اسے دے مارا۔۔۔جیسے مہارت کے ساتھ کیچ کر لیا گیا۔۔۔"دونوں کھلکھلا کر ہنس دیتے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بابا یہ اکیڈمی تو بہت اچھی ہے مجھے پسند آئی آپ جلدی سے اسے خرید لیں"اس سے پہلے کہ اسے کوئی خریدنا لے۔

"شاید حسین اسے یہ آرٹ اکیڈمی دکھانے کے لئے لائے تھے۔

"آنکھوں میں چمک لئے اس کا بچوں کی طرح بے صبری دکھانے پر مسکرا اٹھے"ضرور میرے بیٹے کو پسند آ گئی ہے تو ہم ابھی خرید لیتے ہیں"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆ے

تھینکس یار تو نے بھائیوں کی طرح تمام فنکشن کے انتظامات سنبھالے کہی کوئی کمی نہیں چھوڑی۔۔۔

وہ واقعی بہت خوش تھا۔۔۔مثال کے یوں ساتھ دینے پر جس نے اس کے بھائی نا ہونے کی کمی کو محسوس ہونے نہیں دیا تھا۔۔۔

"اچھا پگلے رلائے گا۔۔۔کیا؟؟"چل ورنہ آئے مہمان تمہاری جگہ مجھے دولہا سمجھیں گے۔۔۔

اس کے یوں ایکٹ کرنے پر سلمان کھلکھلا اٹھا۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اکیڈمی خریدنے کے بعد اس نے صوبیہ اور عائشہ کے ساتھ مل کر پوری اکیڈمی کو ری ڈیکور کیا۔۔۔""مسلسل دو ہفتے لگے تھے ان تینوں کو اس آرٹ اکیڈمی کو اپنی مرضی سے ڈیکور کرنے میں۔"ابھی نام فائنل کرنا باقی تھا۔۔۔سو وہ تینوں بیٹھی"نام"زیر بحث تھا۔۔۔"

"یار مثال نام اچھا ہے نا رکھ لیں؟"سوکین نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔۔"خبردار جو اس کے نام

سے اکیڈمی کا نام رکھا۔۔۔ عائشہ نے اسے ورن کرتے ہوئے کہا ورنہ ہم دونوں سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"
وہ تو ویسے بھی تم دونوں سے برا کوئی ہے بھی نہیں۔تو پھر کیا نام رکھیں؟ سوکین نے پوچھا؟"
Dream اکیڈمی، جہاں سب کے خواب پورے ہونگے۔۔۔صوبیہ نے کہا۔۔
ٹھیک ہے"
"اچھا ہاں یاد آیا۔۔کل آشر کے امی ابو آرہے ہیں۔۔۔شادی کی تاریخ رکھنے۔۔۔" اور میں بتا رہی ہوں تم دونوں کو میرے ہر فنکشن میں میری بہنوں کی طرح شامل حال رہنا ہے۔۔۔
غیروں کی طرح آئے کھایا اور چل دیئے۔۔۔
عائشہ نے ان دونوں کو گھورتے ہوئے تاکید کی۔۔۔
ہاں ہاں کیوں نہیں ظاہر ہے یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ کیوں سونی؟ صوبیہ نے خالی کپ سینٹل ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔۔۔
"گڈ" "سوکین میری تو شادی طے ہے پھر صوبیہ کی بھی ہو جائے گی۔۔۔تمہارا کیا کنوارہ ہی رہنے کا ارادہ ہے تو؟
ہاں کنوارہ ہی رہنے کیا مرنے کا بھی ارادہ ہے۔
اُف توبہ ہے سوکین۔عائشہ نے کان پکڑ لے۔
"یہ جو آ جا کر ہر موضوع کا اختتام میری شادی پر ہی ہوتا ہے۔
نا اس سے میں اکتا چکی ہوں۔بیزاری اس کے چہرے پر عیاں تھی"
"ظاہر ہے یہ تو ہوگا۔اور اس کا ایک ہی حل ہے کرلو شادی۔۔صوبیہ نے کہا۔۔" کرلوں گی جس دن وہ مل جائے گا
" سوکین نے ان دونوں کی طرف دیکھ کر پریقین لہجے سے کہا۔۔
"ایک بار میں نے کہیں پڑھا تھا جب آپ کے دل میں کوئی خواہش یا دعا ہو تو اس خواہش، دعا کو پورا ہونے کیلئے تمھارے دل میں اللہ پر کامل یقین بھی ہونا ضروری ہے۔۔ وہ ان دونوں پر نظریں کیے ہوئے بولی
پھر میں اپنی ہر دعا ہر خواہش کیلئے اپنے دل میں کامل یقین پیدا کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ پر وسوسے ساتھ ہی رہتے تھے اور یقین ڈگمگا سا جاتا تھا۔سمجھ نہیں پائی کہ آپ زبردستی اپنے دل کو اپنے آپ کو ہر بات ہر چیز کیلئے یقین کرنے کے لئے مجبور نہیں کر سکتے۔جب تک اللہ تک کی رضا نا ہو۔۔۔

جیسے محبت پاکیزہ اچھی لگتی ہے ویسے ہی یقین بھی مکمل اچھا لگتا ہے۔ میں نے اتنا سمجھا ہے جیسے محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے ویسے ہی جو یقین انتہا کو پہنچتا ہے اسی کو کامل کی سند سونپی جاتی ہے۔

"پھر یوں ہوا اک موڑ پر اس سے ملاقات ہو گئی۔" لفظ خوبصورت مونث کیلئے استعمال ہوتا ہے۔" پھر بھی میں کہنا چاہوں گی وہ بہت خوبصورت ہے اس سے دو ملاقات کر لینے کے بعد آج تک میں نے اسے نہیں دیکھا تم دونوں اپنی جگہ صحیح ہے۔ یہ کیسی محبت یہ کیسا یقین جانو میں نے کبھی مثال سے امید وفا نہیں رکھی نا ہی اس کے دل کا حال جانتی ہوں۔ میں کچھ نہیں جانتی کہ کیسے ہوگا سب جو دل میں ہے میں بس اتنا جانتی ہوں۔ جو بھی ہوگا سب اللہ کے کن کہنے پر ہوگا۔۔ ویسے ذریعے راستے خود ڈھونڈ لے گے بہانے اک دن سب یہ یقین ہے میرا اور یقین میرا خود ڈالا ہوا نہیں یہ تو میرے اللہ نے میرے دل میں ڈالا ہے۔۔ میں کیا کروں میرے اندر کوئی چیز ہے جو مجھے اُس یقین پر قائم رہنے پر مجبور کرتی ہے"

سب مجھے اور میرے کامل یقین کو بیوقوفی، دماغ کا خلل، وقت کا ضائع کہتے ہیں"

دکھ ہوتا ہے کہ کوئی نہیں سمجھتا۔۔"اس لئے مجھے اس بارے میں بات کرنا پسند نہیں کسی سے بھی۔۔ کیونکہ میں ہر کسی کو نہیں سمجھا سکتی اس نے کرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں دو پانی کے قطرے آنکھوں کے کناروں سے باہر نکلے تھے۔۔

"انہیں دکھ ہوا وہ ہمیشہ اپنی اس دوست کو کیا کچھ کہہ دیتی تھیں۔

(دوسرا حصہ)

"وہ مثال ہے" عالیہ کی نگاہوں کا تعاقب کرتے ہوئے روشن نے کہا"۔ "ہاں کہہ تو سہی رہ ہو تم وہ واقعی مثال ہے کہ نگاہ پڑنے کے بعد واپس پلٹنا بھول جائے"

عالیہ کھوئے ہوئے لہجے میں گو ہوئی۔

"ارے پگلی اس کا نام مثال ہے وہ بھی یہاں ہاؤس جاب کر رہا ہے سال مکمل ہو چکا ہے سینئر ہے"

"اچھا نام ہے نام بھی مثال اور حسن بھی مثال"۔

"لڑکی اس کے حسن سے بچ کے رہنا کوئی فائدہ نہیں گھائل ہو جاؤ گی پر اس کا دل نہ جیت سکو گی۔۔" بھال بھرم جاری" ہے لڑکیوں سے دور بھاگتا ہے"۔ روشن نے ہنستے ہوئے اس کی تصویر کشی کی تھی۔۔ اچھا تو پانی تم بھی

Try کر چکی ہو؟"

وہ جو کب سے اسی پر نگاہیں کیے ہوئے تھی اب کے روشن کی طرف متوجہ ہوئی۔۔"جی نہیں ما بدولت ایک عدد ہینڈ سم فیمیو نسے رکھتی ہیں۔

خیر اب چلو بریک ٹائم ختم ہو چکا" اس نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے اسے یاد دلایا۔۔

وہ بھی روشن کے ساتھ ہی ہولی۔ "ابھی اسے یہ ہاسٹل جوائن کیے دو ہی ہفتے ہوئے تھے اور ان دو ہفتوں میں اس کو ایک روشن ہی کا ساتھ پسند آیا تھا۔ اور اسی سے اس کی اچھی دوستی بھی ہو گئی تھی۔ روشن کو ہاؤس جاب کرتے دوسرا سال ہونے کو تھا۔

پھر اپنے آبائی گاؤں مانسہرہ چلے جانا تھا"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اسلام علیکم" وہ اسٹاف روم میں بیٹھا فائل چیک کر رہا تھا عالیہ کب اندر آئی اس نے نوٹ نہیں کیا تھا۔۔"وعلیکم اسلام کہہ کر وہ دوبارہ فائل میں گوم ہو گیا۔۔" آپ بہت کم بولتے ہیں؟ یا مجھے لگتا ہے وہ کچھ توقف کے بعد پھر گویا ہوئی۔

جی۔۔۔مثال نے لحہ بھر کیلئے فائل سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ مطلب"

کچھ نہیں یوں ہی پوچھ لیا تھا۔" ویسے آپ کا کام بہت منفرد ہے۔۔

"شکریہ"

کس نے رکھا؟ اسے کبھی کسی سے بات کرنا مشکل نہیں لگا تھا۔ جتنا سامنے بیٹھے اس شخص سے لگ رہا تھا

بابا نے۔۔۔مثال نے فائل بند کرتے ہوئے کہا

مجھے عالیہ کہتے ہیں" اس نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

اچھی بات ہے۔۔ خیر سوری مجھے جانا ہے پھر بات ہو گی آپ سے"

اس نے کہا اور باہر کو چل دیا۔" وہ بیٹھی دیکھتی رہ گئی۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا کروں یار کہ اب دل بھایا بھی وہ ہی سٹریل۔

خیر سٹریل نہیں ہے بہت نائس ہے ہاں فرینک ہر کسی سے نہیں ہوتا۔ بھال بھرم جاری ہے نا۔ روشن نے اس کے بنائے ہوئے ڈائٹ چارٹ کو OK کر کے نرس کو دیا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میری کزن عائشہ کی کل بارات ہے اور آپ دونوں ضرور آیئے گا

عالیہ نے "انویٹیشن کارڈ" کافی پیتے حارث اور مثال کی طرف بڑھاتے ہوئے دعوت دی۔۔"

۔اجی حضور کیوں نہیں۔ضرور آپ نے بلایا ہم آئیں گے۔ حارث نے کارڈ کو تھامتے جواب کہا۔

"مثال جی آپ بھی ضرور آیئے گا پلیز۔۔۔ عالیہ نے لاتعلقی سے چائے پیتے مثال کو دیکھا

"رہنے دیجئے مس عالیہ یہ کہیں نہیں جاتے۔ اس سے پہلے کے مثال کوئی عزر تراشتہ" حارث نے اسے موقعہ ہی نہی دیا۔

کیوں مثال جی۔ حارث نے اسے لفظ "جی" پر زور دیتے ہوئے اس کو دیکھا۔۔!

'کوشش کروں گا" وعدہ نہیں کرتا میرے کچھ کام پینڈنگ ہیں جنہیں کرنا ضروری ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ماما یہ ہادیہ ابھی تک تیار نہیں ہوئی بہت ٹائم لیتی ہے یہ تیار ہونے کیلئے۔۔ جیسے عائشہ کی نہیں اس کی شادی ہے۔۔ سوکین کب سے تیار تھی

"اُف آ گئی آپا جدے آپ خود تیار ہو جاتی ہیں پھر کسی اور کیلئے آپ سے بالکل بھی صبر نہیں ہوتا"

"بس اب جھگڑنے مت شروع ہو جانا" نور جہاں نے سوکین کو منہ کھولتے دیکھ کر فوراً ٹوکا۔۔

"ہاں بچیوں پہلے ہی دیر ہو چکی"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆ے

کسی کی راہ دیکھی جا رہی ہے؟ عالیہ کا مسلسل انٹری ڈور پر ہی نظریں جمائے رکھنے پر روشن نے پوچھا"

"مثال کا" وہ ابھی تک نہیں آئے اس نے کہا"

"اچھا" تو تم نے اسے دعوت دی تھی کیا؟

ہاں ساتھ ہی حارث کو بھی۔۔ پر دونوں ابھی تک نہیں آئے۔۔

عالیہ نے اس کی طرف دیکھا۔
"ہیلو بیوٹی فل لیڈیز۔حارث کو وہ دونوں سامنے ہی کھڑی نظر آگئیں تھی سو وہ قدم اٹھاتا ان تک پہنچا۔۔
"او شیطان کا نام لیا اور حاضر"۔۔روشن اس پر چوٹ کرتے ہوئے عالیہ سے مخاطب ہوئی۔۔
شیطان کس کو کہا۔اس کی بات سن کر حارث نے اسے گھورا تھا۔
لیڈیز کس کو کہا؟۔۔جواباً روشن بولی
"اُف ہو" پھر شروع ہو گئے آپ دونوں۔حارث مثال کیوں نہیں آئے؟وہ حارث سے مخاطب تھی پر نظر باہر سے آتے مہمانوں پر تھیں معلوم نہیں۔ویسے اپنے صاحبزادے موڈ کے مطابق چلتے ہیں کیا پتہ آجائیں۔۔
حارث نے اس کے اداس پڑتے چہرے پر نگاہ کرتے ہوئے کہا۔
ویسے آج آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔۔
حارث چہکا۔" اسے حارث کی گئی تعریف بھی خوش نا کر پائی
" آؤ تم دونوں کو دلہن سے ملواؤں۔۔عالیہ نے اپنے دل کو بہلانے کیلئے موضوع گفتگو بدلا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

" گڈ مارننگ۔کیسی ہو سوکین؟ "شازل تو صبح صویرے سکھر سے کراچی پہنچا تھا"
گڈ مارننگ۔میں اللہ کا شکر ہے آپ سنائیں؟
سوکین نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
" ہادیہ ابھی تک سو رہی ہے یونی نہیں گئی۔"وہ مما۔۔
نہیں آج پھر چھٹی کی ہے صاحبزادی نے۔(اس سے نا ہو پائے گی یہ پڑھائی) نور جہاں نے اٹھتے ہوئے کہا۔۔
کوئی بات نہیں رات شادی سے دیر سے آئے تھیں نا تو نیند پوری نہیں ہوئی ہو گی۔۔میں چائے کا پانی رکھ دوں۔۔
"مما آپ بیٹھیں میں بنالوں گی چائے آپ کیلئے بھی بناؤں؟
اس نے کچن کو جاتے ہوئے ان سے پوچھا۔۔
ہاں بنالو۔شازل کے لئے بھی بنانا۔۔"جی مما"
"بچہ بیچارا کب سے تم دونوں کے جاگنے کا انتظار کر رہا ہے۔کہ تم دونوں کے ساتھ ناشتہ کرے گا۔۔اور تم ہو کہ

دوپہر ہونے کو آئی ہے؟

"ارے نور مما کوئی بات نہیں۔ ویسے بھی میں دیر سے ہی ناشتہ کرتا ہوں"

"وہاں سویرے کلینک جاتا ہوں پھر جب ٹائم ملتا ہے تو کر لیتا ہوں"

"بالکل خیال نہیں رکھتے ہو۔ یوں تو خود بیمار ہو جاؤ گے ایک تم نے کلینک کھولا بھی تو دوسرے شہر کہا بھی تھا یہیں پر کھول لو۔۔"یہاں

ہوتے تو میں خود تمھیں ناشتہ بنا کر دیتی۔ اب ظاہر ہے وہاں کون ہے جو بنا کر دے۔"دیکھتی ہوں تمھارے لڑکی۔۔تمھارے بابا سے بھی بات کرتی ہوں۔"

"ارے واہ بھائی کیلئے لڑکی دیکھنے کی بات ہو رہی ہے"

بادیہ جس کی ابھی صبح ہوئی تھی۔۔مما کا آخری جملہ سنتے ہی پر جوش سے انداز میں بولتے ہوئے وہی ان کے پاس بیٹھ گئی۔۔

"ہوگئی تمھاری صبح؟ دین کی تو تم دونوں ہی نہیں ہو مجال ہے جو کبھی تم دونوں نے صبح کی نماز پڑھی ہو۔۔اسے دیکھتے ہی نور جہاں نے اسے ڈانٹا۔۔

"مما باقی چار وقت کی تو پڑھتی ہوں نا۔ بادیہ نے منہ بسورا

"گرما گرم ناشتہ حاضر ہے"اس سے پہلے کے نور جہاں مزید اس کی شان میں قصیدے کہتی" "سوکین ٹرالی کے ساتھ آئی تھی۔۔جس میں چائے کی کیتلی، پراٹھے، ٹوسٹ، جیم، بلو بینڈ رکھا تھا۔"

"واہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ مما" دیکھیں آج تو سوکین کے ہاتھوں کا بنا ناشتہ کھانے کو مل رہا ہے۔۔

"وہ چہکا۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم۔۔کیسی ہیں آپ۔۔۔

"وہ جو کیبنٹ سے فائل نکال رہی تھی" مثال کی آواز پر پلٹ کر دیکھا۔۔

وہ دل کا قاتل سامنے ہی کھڑا تھا۔۔ بلیک ڈریس میں یا اللہ یہ اتنا حسین کیوں ہے۔۔کہ بار بار آنکھیں اس کا دیدار کرنا چاہتی ہیں۔سچ بہت فرصت سے بنایا ہے اللہ نے اسے"۔۔وہ بے خیالی میں اسی کو دیکھے جا رہی تھی"

"ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟ ۔۔اس کے یوں دیکھنے پر مثال بولو ۔۔

یہ رنگ آپ پر جچتا بہت ہے' یے دیکھ رہی تھی ۔۔۔

جانتا ہوں ۔۔

" اُہوہ 'یاد آیا میں تو آپ سے ناراض ہوں ۔پھر آپ سے بات کیوں کر رہی ہوں ۔۔اس نے ہاتھ میں پکڑی فائل کو اپنے ماتھے پر مارتے ہوے کہا ۔۔۔

" مجھ سے پر کس بات کیلیۓ ؟ مثال نے ابرو اچکاۓ ۔۔

" اُف یہ سادگی ہے یا دل جلانے کی اک ادا کہ

دل توڑ کر پوچھا جا رہا ہے کون ہے قاتل

وہ سوچ کر رہ گئی کہا نہیں ۔۔

ہاۓ دوستوں ۔۔روشن اور حارث ایک ساتھ اسٹاف روم میں داخل ہوۓ تھے ۔۔

کیا گفتگو چل رہی تھی ۔؟ حارث حسب عادت شروع ہو چکا تھا ۔۔

یقیناً مس عالیہ سے سوری کی جا رہی ہوگی ۔۔شادی میں شرکت نہ کرنے کی

صیح کہا نا مس عالیہ ہیں نے ؟

" وہ خاموش رہی

اس کی خاموشی پر مثال نخرے سے بولا ۔

" سوری عالیہ ایکچو ئیلی مجھے کچھ ضروری کام تھے جنہیں نمٹانا بھی ضروری تھا جس کی وجہ سے نہیں آ سکا ۔۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

" وہ آفس میں آئی تھی کہ سامنے اس نے شازل کو بیٹھا پایا "

آپ یہاں ؟ سوکین نے اپنے ہینڈ بیگ کو میز پر رکھا اور خود بھی میز پر بیٹھ گئی " " ہاں کیا برا لگا تمھیں ؟ شازل نے اس کے چہرے کو پڑنے کی کوشش کی ۔'

'نہیں تو ۔اچھا خیر کیا منگواؤں آپ کیلیۓ ؟ چاۓ یا کافی ؟

" ہاں کافی کا موڈ ہے وہ منگوا لو ۔"

مما سے پتا چلا تھا تمھاری اکیڈمی کے بارے میں۔آج فری تھا سوچا دیکھ لوں۔۔وہ اپنے آنے کی وجہ بتا رہا تھا۔۔

تو دیکھ لیتے۔۔وہ بولی۔۔

"نہیں تمھارا ویٹ کر رہا تھا تم فری ہو جاؤ تو دیکھانا۔۔۔

ٹھیک ہے کافی پی لیں پہلے اتنی دیر میں کافی بھی آچکی تھی اس نے کپ شازل کو تھماتے ہوئے کہا جسے اس نے مسکراتے ہوئے تھام لیا"

☆☆☆.☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ویسے مجھے کیا لگتا ہے"

"حارث پر خیال لہجے میں ڈوبا ہوا گویا ہوا"

"تمھیں ہر وقت ہی کچھ نا کچھ لگتا رہتا ہے مثال نے طنزیہ کہا۔۔"کیس نمبر 502 کو جنرل وارڈ میں شفٹ کرنا تھا کروا دیا؟"

"ہاں جی"۔۔"شاباش" اچھا کیا کہہ رہے تھے تم؟

"میں ہاں کیا کہہ رہا تھا۔ (اسے کیا کہنا تھا حسب عادت وہ بھول بھی چکا تھا۔جیسے اسے نان اسٹاپ بولنے کی عادت تھی ویسے ہی بھول جانے کی بھی بیماری تھی) وہ اپنی کنپٹی پر شہادت والی انگلی رکھتے ہوئے سوچنے لگا۔"

اسے سوچتا دیکھ مثال نے کہا۔۔

'ویسے یہ جو تم ڈاکٹر بننے جا رہے ہو نا بہت ہی خطرناک ہو گا ان لوگوں کے لئے جن کا تم علاج کرو گے مرض کچھ ہو گا دوا کچھ دو گے۔مثال نے اسے اتنا سوچتے دیکھ کر اس کا مزاق اڑایا"

"ایسا کچھ نہیں ہونے والا اچھا جی" حارث نے منہ بنایا

"آگیا یاد وہ اچھلا، میں یہ کہہ رہا تھا یہ جو عالیہ مرزا ہے نا مجھے لگتا ہے وہ تم میں انٹرسٹڈ ہے"

"کیا بکواس ہے حارث مجھے فضول مزاق بالکل پسند نہیں جانتے ہو تم"

اس نے اپنے ارد گرد نظریں گھوماتے ہوئے غصے کو قابو کرتے ہوئے کہا۔۔۔

"یہ فضول مزاق نہیں ایک حسین جذبہ ہے کہ کوئی آپ کو پسند کرتا ہو۔پر افسوس اس کو پسند بھی آیا تو کون۔"تم"

اب روئے گی اپنی قسمت پر چہ چہ چہ۔۔۔افسوس'' ویسے عالیہ سے ایک اور بات یاد آئی، جو تمہیں بتانی تھی۔حارث نے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔۔۔

یار تمہیں عالیہ کی کزن کی بارات میں آنا چاہیئے تھا۔یار قسم سے ایک سے ایک حسن تھا وہاں اور عالیہ کی کزن کی دوست تو اف کیا حسین چاند چہرہ کانچ سی آنکھیں اُف کیا بتاؤں جیسے مانو پری تھی وہ لڑکی۔کاش تم ہوئے وہ لڑکی ضرور تمھیں پسند آتی۔ویسے کیا معلوم وہ ہی اپنے شہزادے کا دل جیت لیتی وہ اپنی ہی دھن میں جانے کیا عناب شنا ب کہے جارہا تھا۔

مشال کے کانوں میں ایک ہی جملہ بار بار گشت کر رہا تھا۔"وہ لڑکی ضرور تمہیں پسند آتی" "سوکین" بے خیالی میں اُس کے لب پکار اٹھے۔

ہاں یہ یہی نام تھا اُس کا سوکین تمھیں کیسے۔۔۔اس کی بات ادھوری ہی رہ گیی۔۔

" کیا وہ سوکین تھی کیا سچ کہہ رہے ہو۔وہ وہ ہی تھی سوکین اس نے اُچھلتے ہوئے حارث کو جھنجول ڈالا تھا۔

"وہ بے تماشہ خوش تھا وہ کھلکھلا کر ہنس رہا تھا خوشی سے اُس کی آنکھیں برس رہی تھیں "حارث بے یقینی کی حالت میں سامنے کھڑے شخص کو دیکھے جارہا تھا جو اتنا خوش تھا جسے نا اردگرد کا نا اپنا ہوش۔جیسے اُسے اُس کا کھویا ہوا ہیرا مل گیا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

" مجھے جب تک اپنے دل کی کیفیت کا پتہ چلا تب تک دیر ہو چکی تھی میں اُسے کھو چکا تھا پانچ سال ہونے کو ہیں میں آج تک اس چہرے کو بھول نہیں پایا میں نے ہر پل ہر لمحہ اُسے یاد رکھا ہر لمحہ اُسے اپنی دعاؤں میں مانگا ہے۔

"یار حارث میرے بھائی میرا ایک کام کر دو گے؟

اس نے شدت سے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ تھام لیے

"ہاں کیوں نہیں کہو"

تم عالیہ سے اس کی کزن کا کونٹیکٹ نمبر نکلوا دو گے؟ میں لمحہ ضائع کیے بنا اُس تک پہنچنا چاہتا ہوں۔۔

ہاں ضرور۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اکیڈمی تو بہت اچھی سجائی ہے تم نے" شازل سڑھیوں پر اُس کے ساتھ چلتے ہوئے اس سے مخاطب تھا
"تھینکیں"" آپ ابھی گھر جائیں گے؟"

"ہاں"

اچھا دس منٹ رکیے گا میں صوبیہ کو بتا آؤں میں بھی ساتھ چلتی ہوں"

"ٹھیک ہے میں باہر گاڑی میں ویٹ کرتا ہوں" شازل کہہ کر باہر کو چل دیا۔۔۔

"تمھاری دوست کی شادی کسی رہی؟ اُس نے گاڑی کو مین روڈ پر ڈالتے ہوئے سوکین سے پوچھا؟

"اچھی رہی"

"بہت پیاری لگ رہی تھی تم

"آپ نے کب دیکھا؟ وہ حیرانگی سے بولی۔۔۔

"بادیہ کے پاس موجود تصویروں میں"

اوہ اچھا تھینکیس"۔۔۔کہ کر سوکین نے کھڑکی کی طرف منہ موڑ لیا۔۔۔

"کتنا مشکل ہے اس لڑکی کے سامنے دل کی بات کرنا اس نے کن اکھیوں سے کھڑکی سے باہر کا نظارہ کرتی سوکین کو دیکھ کر سوچا"

وہ بچپن سے ہی ایسی تھی یا اُس کے ساتھ ایسی رہتی تھی وہ آج تک سمجھ نہیں پایا تھا" گھر آ چکا تھا۔"

"سوکین نے اپنی طرف کے دروازے سے اتر کر اندر کی طرف قدموں کو بڑھا دیا"

"اور وہ سوچتا رہا کاش بن کہے وہ میرے دل کی بات جان جاتی"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"یار مہینوں غائب رکھتے ہو اب بہت ہو چکا کل اتوار ہے اور تم آ رہے ہو" "مجھے "اور میں کوئی بہانہ نہیں سننے والا"

"وہ جو ابھی سوچ رہا تھا سلمان سے ملنے کا" کہ خود اس کا فون آ گیا" اُس کے لبوں پر مسکراہٹ چھا گئی"

"جو حکم آ کا بندہ حاضر ہو جائے گا"

"خیریت تو ہے نا" امید سے ہٹ کر تم جواب دے رہے ہو" اسے مشال کا اس کے حکم کو فوراً سے مان لینے پر زور کا کرنٹ لگا تھا اور فون چھوٹے چھوٹے بچا تھا۔

"اچھا ایسا ہے کیا تو چل پھر میں نہیں آرہا" مشال چہکا۔۔۔

"بہت عجیب ہو تم" "اچھا سن ڈیفینس میں ایک نئی Dream آرٹ اکیڈمی ہے جہاں پینٹنگز کی ایگزیبشن لگ رہی ہے ساتھ چلنا مجھے پینٹنگز لینی ہیں" سنڈے کو سلمان نے کہا

"ہاں ٹھیک ہے" "پھر ملاقات ہوتی ہے"

"رکھتا ہوں فون بائے"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"صوبیہ یہ پینٹنگ یہاں لگاؤ اس وال پر وہاں اچھی نہیں لگ رہی اور آجاؤ کافی آ گئی ٹھنڈی ہو جائے گی پہلے ہی لو۔

سوکین نے کہا اور ہال میں ہی رکھیں کرسیوں مین سے ایک پر بیٹھ گئی "یار سوکی کیوں نا ہم بھی اپنی بنائی ہوئیں کچھ پینٹنگز ڈسپلے کردیں صوبیہ نے اس کے ہاتھ سے کافی کا کپ لیتے ہوئے کہا "ہوں ٹھیک ہے" سوکین نے کافی کا سیپ لیتے ہوئے کہا۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بڑی خوش نظر آرہی ہو خیریت تو ہے؟"

عالیہ کے لبوں پر سجی دلکش مسکراہٹ دیکھ کر روشن نے پوچھا؟

"وہ جو بورڈ پر لگا ڈیوٹی چارٹ ہے مشال کے ساتھ اپنا نام دیکھ کر آئی تھی خوشی اس کے انگ انگ سے چھوٹ رہی تھی" گیس کرو"

اس نے اپنے نچلے ہونٹ کو دانتوں میں دبایا

ایک منٹ کہیں تمھاری ڈیوٹی مشال کے ساتھ تو نہیں؟۔۔۔

"روشن روشن آئی ایم سو ہپی" کہتے ہوئے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر جھوم اٹھی۔۔۔

"لڑکی کیا کررہی ہو ہم ہاسپٹل میں ہیں۔

"واقعی جب اس نے رارد گرد نگاہیں دوڑائیں سب انہوں ہی دیکھ رہے تھے شرمندگی کے مارے وہ اسٹاف روم کو بھاگی۔۔۔

۔روشن بھی وہاں چلی آئی

"سوری یار میں خوشی میں نظر انداز کر گئی"۔۔۔وہ شرمندہ سی بولی۔۔

"Its ok" ویسے ایک بات پوچھ سکتی ہوں؟

"کیا"

"مثال کے ساتھ ڈیوٹی لگنے پر تمہیں اتنی خوشی کیوں ہے؟

"بس یوں ہی"۔اس کے پوچھنے پر عالیہ نے کہتے ہوئے نظریں چرا لیں۔۔۔

"میں مانہی نہیں سکتی تمہاری آنکھوں کی چمک تو کچھ اور ہی بتا رہی ہے"

"روشن وہ مجھے اچھا لگا ہے پہلے ہی دن سے میرا دل چاہتا ہے بس وہ نظر کے سامنے ہو اور میں اُس کو دیکھتی رہوں اُس سے باتیں کروں اُس کا ساتھ اچھا لگتا ہے محبت ہو گئی ہے مجھے۔۔وہ کھوئے کھوئے انداز میں کہہ رہی تھی"اور روشن آنکھوں میں حیرانی لیے اُسے دیکھ رہی تھی"

"عالیہ تم اسے رستے پر کیوں چلنا چاہتی ہو جس پر کانٹے ہی کانٹے ہیں ایسی محبت میں جس کا کچھ حاصل ہی نہیں آگے تمھاری مرضی"

روشن اس کو صرف اتنا ہی کہہ پائی۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کہاں ہو تم؟ سلیمان نے تیسری بار مثال کا نمبر ڈائل کیا تھا اب جا کر اُس کی کال پک کی گئی تھی" کب سے کال کر رہا ہوں اُٹھا کیوں نہیں رہے تھے تم" سلیمان بڑبڑایا۔۔۔

"راستے میں ہوں یار آ رہا ہوں اس لیے کال ریسو نہیں کر رہا تھا" تم ریڈی ہو؟" مثال نے ایک ہاتھ سے ہنڈل کو موڑتے ہوئے پوچھا؟۔۔۔ہاں ریڈی ہوں جلدی پہنچ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اے میرے ہمسفر

اک ذرا انتظار کر

اب ہے جدائی کا موسم پل دو پل کا مہماں

آنکھیں سامنے سڑک پر تھیں اور لبوں پر گانا
"خیریت تو ہے نا بڑی لے میں ہو سلمان نے آنکھیں سکیڑیں"
"سوکین ایسی شہر میں بے مثال لے لبوں پر خوبصورت مسکراہٹ تھی"
"کیا" تو اُس سے کب کیسے اور کہاں ملا؟ اور مجھے اب بتا رہا ہے"
سلمان نے ایک سانس میں اتنے سارے سوال کر ڈالے تھے؟
"میں نے کہا نا اب ہے جدائی کا موسم پل دو پل کا مہمان"
کسی سے پتہ چلا ہے ابھی ملا نہیں" مثال نے گاڑی اکیڈمی کے سامنے روکتے ہوئے کہا۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

7 بج رہے تھے جب وہ دونوں اکیڈمی پہنچے"
کافی اچھا ورک کیا گیا ہے کچھ پسند آیا؟ مثال نے اردگرد نظریں گھوماتے ہوئے اس سے پوچھا؟ کہ اُس کی نظر سامنے الگ سے رکھی ایزل کے اوپر پینٹنگ پر پڑی۔۔۔
"اسمان پر ایک کھڑکی بنی ہوئی تھی اور وہ کھڑکی اس طرح بنائی گئی تھی جیسے بادلوں سے بنی وہ کھڑکی ہے اور کھولی کھڑکی سے ایک پرنور روشنی نکل رہی تھی کے نیچے صحرا تھا اور صحرا پر ایک چھوٹا سا پھول کا پودا تھا جس کے ساتھ ایک لڑکی آسمان پر بادلوں سے بنی اُس کھڑکی پر نظریں کیئے ہوئے تھی جہاں سے نکلی وہ روشنی اس لڑکی اور پودے دونوں پر اپنی کرنیں بکھیر رہی تھیں۔۔۔
"سلمان یہ پینٹنگ دیکھو" مثال نے تھوڑا دور کھڑے سلمان کی توجہ دیوار پر لگی پینٹنگ پر دلاتے ہوئے کہا کچھ سمجھ آئی؟" سلمان کے پانچ منٹ تک مسلسل اُس تصویر کو گھور کر دیکھتے رہنے کے بعد مثال نے اُس سے پوچھا۔۔۔
"ہوں کچھ خاص نہیں پر ہے اچھی بنائی گئی"
"تم بتاؤ" اُس نے الٹا اُس سے سوال کیا؟۔۔۔
"کامل یقین۔۔۔ وہ گہرائی سے بولا۔۔۔
مجھے یہ پینٹنگ خریدنی ہے۔ کس نے بنائی ہے۔۔ مثال نے سلمان سے پوچھا
"میں ریشن سے معلوم کر کے آتا ہوں سلمان اُسے ٹھہرنے کا کہہ کر ایپشن کو چل دیا۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

" کیا ہوا؟" سوکین

"وہ پچھلے دو گھنٹوں سے آفس میں کرسی کی بیک سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔۔۔"اس کی آواز پر آنکھیں کھولیں

"ہوں کچھ نہیں بس سر میں بہت درد ہے"

"ٹیبلٹ لی؟ صوبیہ نے اُس کے ماتھے کو چھوتے ہوئے پوچھا؟" نہیں لی" پلیز میرے لیے چائے کا کہہ دو ساتھ ٹیبلٹ بھی لے لوں گی"

اور ہاں ریسپشن سے ہاجرہ کا فون آیا تھا میری ایک پینٹنگ کوئی خریدنا چاہتا ہے" دیکھ لینا" سوکین نے واپس کرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں"

اچھا۔ یانی دے دوں تم نہیں آ رہی ہوں؟ صوبیہ نے پوچھا۔۔۔۔۔

میرا آنا ضروری ہے کیا؟

ہاں نا یار ایک بندہ ہے ظالم بڑا ہی ہنڈسم ہے تم چلی چلتی تو" اب کے سوکین نے اُسے خبرناک نظروں سے گھورا تھا

۔

"اچھا بابا مت آؤ آرام کرو میں چائے کا کہتی ہوں"

وہ جانے کے لیے مڑی تھی جب سوکین بولی۔۔۔۔۔

میں تھوڑی دیر تک آتی ہوں کہ تھوڑا سر کو آرام آ جائے۔۔۔

ٹھیک ہے۔۔صوبیہ نے کہا اور چلی گئی۔

"ایسا کیوں لگ رہا ہے مثال کہ تم یہیں کہیں میرے اُس پاس ہو" وہ آنکھیں موندے سوچ رہی تھی۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"سوکین کی دوست کی کزن یہاں ہاسپٹل میں ہاؤس جاب کر رہی ہے۔۔

اُس نے بارات پر بلایا تھا" مجھے۔۔۔وہ وہاں آئی تھی۔۔۔

مثال سانس لینے کو رکا تھا"

یانی اب بہت جلد میرا دوست بھی گھوڑی چڑھے گا۔۔۔اس کے چپ ہونے پر سلمان بولا۔۔۔

یا ہواب مزہ آئے گا۔۔۔"سلمان نے گاڑی چلاتے مثال کے گال کو چھوا۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اب کیسا ہے تمھارے سر کا درد؟

اُسے آتا دیکھ کر صوبیہ نے پوچھا؟

"ہوں اب بہتر ہے"

"چلو شکر ہے پر افسوس بھی"صوبیہ نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔۔۔

"تھوڑی دیر ہوئی اُس کو نکلے"

"کون"

"وہی جس نے تمھاری پینٹنگ لی ہے۔قسم سے یار رج کے ہینڈسم تھا تمھارے مثال سے بھی زیادہ دیکھ لیتی تو اپنے مثال کو بھول جاتی تم۔۔فضول مذاق مت کیا کرو۔۔

اس جیسا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔سوکین نے اس کو جھڑکا ☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"مثال بھائی میں نے عالیہ سے پوچھا"

وہ اکیڈمی سے سلمان کو گھر ڈراپ کرنے کے بعد ہاسٹل آیا تھا اس سے پہلے کہ وہ حارث سے پوچھتا۔حارث نے خود ہی بات شروع کی"

"پھر دیا اُس نے نمبر؟ کہاں ہے دو جلدی کرو"وہ اتنا بے صبرا ہو رہا تھا"حارث کو دکھ ہوا کیا ہوگا جب مثال کو سچ پتہ چلے گا۔بولو بھی اس کو چپ کھڑے دیکھ مثال بےچینی سے بولا۔۔

"وہ مثال بھائی عالیہ کے پاس نہیں ہے اُس کی کزن کا نمبر وہ کہہ رہی تھی کہ عائشہ نے آسٹریلیا جا کر نمبر تبدیل کر لیا تھا"حارث نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے مثال کے چہرے کو باغور دیکھا۔جہاں دکھ کے سائے لہرا رہے تھے۔۔"کیا میں نے پھر اسے کھو دیا۔۔مجھے اُس دن جانا چاہئے تھا میں کیوں نہیں گیا۔

وہ ای تھی۔وہ مجھے مل جاتی۔اب کیسے ڈھونڈو۔وہ برستی انکھوں اور ٹوٹے لہجے میں بولے جا رہا تھا۔اس کی حالت دیکھ کر حارث کی بھی انکھیں بھیگ گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تمھیں کل کچھ لوگ دیکھنے آنے والے تھے"

"وہ دونوں آفس بیٹھیں کافی پی رہی تھیں کہ سوکین نے یاد آنے پر پوچھا؟"

"ہاں آئے تھے امی اور ابو کو گھر آنے کی دعوت دی ہے انہوں نے امی ابو جائیں گے اگر فیملی پسند آئی تو پھر شادی کی تاریخ رکھیں گے"

" گڈ۔یانی پھر تم بھی عائشہ کی طرح مجھے چھوڑ جاؤں گی"

سوکین نے کافی کا مگ میز ہر رکھتے ہوئے کہا"۔۔۔

"میرا سسرال کراچی میں ہی ہوگا۔۔۔۔تو فکر مت کرو آسانی سے تمھارا پیچھا نہیں چھوڑوں گی"صوبیہ بولی"

"اوہ میں یوں ہی دل میں خوش ہو رہی تھی کہ شکر ہے جان چھوٹی پر تم تو شٹ یار"سوکین نے سرد آہ بھرتے ہوئے افسوس کیا۔۔

"سوکی بہت مار کھاؤ گی بہت خراب ہو بیٹا جی اب کچھ بھی کر لو اب تو تمھارا پیچھا نہیں چھوڑنے والی"صوبیہ نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بابا آپ نے بلایا تھا"

"سوکین اسٹڈی روم میں اندر کو داخل ہوئی ہاتھ میں ٹرے پکڑے۔جس میں دو کپ کافی کے تھے ایک کپ اُن کو تھماتے ہوئے پوچھا؟

"جی"واہ میری بیٹی نے کیسے جان لیا کہ مجھے اس وقت کافی کی طلب ہو رہی تھی"پر ایک کپ اور کافی کا بنانا پڑے گا "شازل کے لئے"انہوں نے کپ تھامتے ہوئے کہا۔۔۔

" کیا اُن کو بھی بُلایا ہے آپ نے بابا؟

"جی"بیٹا۔۔۔

ضرور کوئی بات ہے کہیئے نا بابا سب خیریت تو ہے نا"

"اسے بے چینی ہو رہی تھی آخر بابا نے ہم دونوں کو ہی کیوں اکیلے میں بُلایا ہے"

"ارے میرے بچے بس ایک ضروری بات کرنی تھی آپ دونوں سے ۔۔۔۔

انہوں نے کہا ہی تھا ۔ کے اتنے میں شازل بھی آ گیا ۔۔

''اسلام علیکم'' بابا۔

''شازل نے آگے کو جھک کر ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔

''جیتے رہو میرے بچے'' ''شاہد حسین نے پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔''

''میں کافی بنا کر لاتی ہوں بابا'' وہ بولی

''بابا مجھے ڈر لگ رہا ہے اگر اُس نے میرے لئے بھی انکار کر دیا تو'' اُس کے جانے کے بعد شازل نے اُن سے کہا؟''

وہ میری بیٹی ہے ۔نہیں کرے گی انکار ۔۔۔

دس منٹ کے بعد سوکین نے دستک کے ساتھ اندر کی جانب قدم بڑھائے تھے''

''وہ دونوں خاموش ہو گئے''

''سوکین نے ہاتھ میں پکڑی ٹرے شازل کے سامنے کی جس میں رکھا کافی کا مگ اُس کو تھما کر ساتھ رکھی کرسی پر براجمان ہو گئی۔''

''بابا آپ نے بات کرنی تھی اب تو شازل بھی آ چکے۔''

''سوکین نے کمرے پر چھائی پراسرار خاموشی کو ختم کرتے ہوئے کہا۔''

''ہوں'' ''ہادیہ کے لئے مسز شہزاد نے اپنے بیٹے کے لیے خواہش ظاہر کی ہے آپ کی مما سے۔''

شاہد حسین نے عینک اُتار کر سائیڈ پر رکھی ...

''پر بابا ابھی تو ہادیہ کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی۔'' شازل نے کہا۔۔

"جی ۔اور ویسے بھی آپ دونوں ہادیہ سے بڑے ہو تو پہلے ہم آپ دونوں کی کرنا چاہتے ہیں" پھر اُس کے بارے میں سوچیں گے"۔

اُنہوں نے وقفتہ لیا تو کمرے میں پھر سے خاموشی کے پرندے اُڑنے لگے"

سوکیس بیٹا آپ نے کہا تھا نا کہ آپ کے لئے مشکل ہے نئے لوگوں میں جا کر رہنا جس کے لئے آپ نے وقت

مانگا"۔

اُن کی نگاہیں سوکین پر تھیں۔ جب انہوں نے پھر سے بولنا شروع کیا۔

"شازل کو میں نے اولاد کی طرح پالا ہے وہ گھر کا بچہ ہے"

"آپ کی افتادِ طبعیت کا سوچتے ہوئے شازل آپ کے لئے میری چوائس ہوگی۔ تمہیں شازل کو سوچنے کے لئے" آپ نے بیٹا جو وقت مانگا ہے اُس کے بعد ہی آپ کی شادی ہوگی یہ وعدہ ہے میرا!"

"مجھے یقین ہے کہ آپ دونوں میری خواہش کا احترام کریں گے پھر بھی میں آپ دونوں کی رضا جاننا چاہوں گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیا ہوا تمہیں تو بڑا یقین تھا اللہ پر تمھاری شادی صرف مثال سے ہی ہوگی"۔

"اب شادی کے لئے کیسے انکار کروگی؟" اسے اپنے اندر سے نیگٹو آواز سُنائی دی تھی "جسے نظر انداز کرتے ہوئے اُس نے سوچا

"جانے اور کتنے امتحان باقی ہے جنہیں سر کرنا ہے بس اللہ میرا ساتھ نا چھوڑنا کہ یقین کی جو شمع تو نے روشن کی ہے وہ بجھنے نا پائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"شازل مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے کیا آپ میری اکیڈمی آسکتے ہیں؟

وہ آفس میں بیٹھی اُس سے فون کے ذریعے پوچھ رہی تھی"

ابھی؟ جواباً" وہ حیرت سے بولا۔۔۔

"جی"

خیریت تو ہے نا سوکین؟ وہ پریشان ہوا

جی خیریت ہے۔ بس ایک کام تھا آپ سے"

اچھا" میں سکھر میں ہوں صبح پہنچا ہوں کچھ کانٹیکٹس کی آپوائنٹمنٹس تھیں"

کل ہی نکل پاؤں کا سکھر سے انہیں نبٹا کر۔ شازل نے کہا۔

چلیں ٹھیک ہے اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ کہہ کر سوکین نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اس نے ہفتے بعد ہاسٹل میں قدم رکھا تھا حارث سے ملاقات کے بعد عجیب سی حالت بنا رکھی تھی اُس نے بڑھی ہوئی شیو۔ چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی"۔اسے دیکھ کر حارث کے دل میں ٹھیس سی اُٹھی ۔کسی نے خوب کہا ہے محبت اک جاوے دا۔زندگی ہے وہ سوچ کر رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"عالیہ آپ کو عائشہ کا نمبر ملا؟ حارث جس سے مثال کی ایسی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی اک بار پھر عالیہ سے بات کرنے کی ٹھانی۔ "حارث سوکین کی شادی ہو چکی ہے آپ مثال کو سمجھائیں کیوں خود کو اذیت میں مبتلا کر رکھا ہے اُس نے"۔

"عالیہ نے ٹھہر ٹھہر کر کہا"۔

"آپ سے خود عائشہ نے کہا ہے میرا مطلب آپ یہ کہہ کر سکتی ہیں اس کے الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے پا رہے تھے اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ عالیہ سے کیا پوچھنا چار رہا ہے"۔

حارث حارث کول ڈاؤن تمہیں مثال کو سمجھانے کو کیا ہے اُلٹا خود حواس باختہ ہو رہے ہو عالیہ کے لہجے میں دبہ دبہ غصہ تھا۔۔ہاں عائشہ سے پتہ چلا ہے مجھے۔

"عالیہ یہ ٹھیک نہیں ہوا میں اُسے کیسے سمجھاؤں گا۔۔میں اسے نہیں سمجھا سکتا۔نمبر نہ ملنے پر وہ اتنا بکھر سا گیا ہے۔کیا ہوگا جب اُسے پتہ چلے گا کہ سوکین کی شادی ہو چکی ہے۔حارث نے نم آنکھوں سے عالیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا"۔

"تم اُسے یہ بات مت بتانا کچھ دیر خاموشی کے عالیہ بولی"

دیکھو حارث ۔محبت جب یکطرفہ ہو نا تو ایک نا ایک دن دم توڑ ہی دیتی ہے۔مثال کو بھی تھوڑا وقت لگے گا پھر وہ حال زندگی کی طرف لوٹ آنے گا۔۔

"مثال کیا آپ اب بھی اُسی کو چاہتے ہیں؟ نا چاہتے ہوئے بھی دل میں مچلتا سوال لبوں پر آ گیا تھا عالیہ کے"۔

"اب اکثر اُس کی مثال کے ساتھ ڈیوٹی لگا دی جاتی تھی جس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس نے مثال کے قریب آنے کی کوشش جاری رکھی تھی"

"سوال پوچھنے کی وجہ جان سکتا ہوں؟ اُس کا لہجہ سپاٹ تھا" بے مروتی سے بولا۔۔

یوں ہی خیال آیا تو پوچھ لیا" اسکی روڈنس عالیہ کو دکھ ہوا۔۔

ایسے خیالات کو اپنے ذہین میں مت آنے دیا کریں۔۔۔۔۔

آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟ وہ جواب جاننے پر باضد رہی"

"ہاں۔۔۔اُس کے لہجے میں فخر تھا اپنی محبت پر ایسا عالیہ کو محسوس ہوا۔۔

مثال کی ہاں اس کے دل میں کانٹے کی طرح چبتی محسوس ہوئی۔

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ اُسے کوئی مثال یاد نہیں۔ نا ہی وہ کسی مثال سے ملنا چاہتی ہے۔ اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے۔ کہ اُس کی شادی بھی ہو چکی ہو" اس نے اتنا بڑا جھوٹ کتنی آسانی سے بول دیا تھا"

میں نہیں مان سکتا کسی کے کہنے پر نا مانو گا جب تک وہ خود آ کر نہیں کہتی۔

یقین تھا کرب تھا انتظار تھا اُس کے چہرے پر اُس کے لہجے میں چھپے الفاظوں میں"۔ جب وہ بولا۔۔

پلیز مضید میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ یہ فائل ہے وارڈ نمبر 2 کی اس نے فائل کو چیک کرنے کے بعد اسے تھمانے ہوئے کہا۔ میں راؤنڈ لے کر آتا ہوں" اسکوزمی! وہ کہتا ہوا وارڈز کی طرف چلا گیا۔

"تم چاہے اُسے پانے کے لیے جتنے بھی جھوٹ بولو تم اُسے حاصل نہیں کر سکتی" اس کے ضمیر نے اُسے ملامت کیا تھا

"وہ اسے جاتا دیکھ خد سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی۔۔

یہ دستور ہے شہر محبت کا

جسے شدت سے چاہو وہ نہیں ملتا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میرے لئے ایسا کرنا مشکل ہے سوکین بہتر ہے آپ کو خود بات کرنی چاہے" بابا سے" وہ جیسے ہی کراچی پہنچا اُس نے سب سے پہلے سوکین کی اکیڈمی کا روخ کیا تھا۔

اُسے اندازا تھا کہ سوکین نے اُسے کیا بات کرنے کے لئے بُلایا تھا۔۔

اور اُس کا اندازا درست نکلا یہ جان کر اُس کا دل اتھاہ گہرائیوں سے ڈوب کر اُبھرا تھا"۔

"شازل" بابا نے جواب ہم دونوں سے مانگا ہے کہ میں انکار کردوں گی تو وہ وجہ پوچھیں گے۔۔۔ سوکین نے عزر

تراشہ

"وجہ تو وہ مجھ سے بھی پوچھیں گے سوکین میں کیا جواب دوں گا"

میں انہیں منع نہیں کر سکتا میرے لئے ایسا کرنا مشکل ہوگا"

اس نے اپنے سامنے بیٹھی اس بے حس لڑکی کو دیکھا جو بچپن سے ہی ایسی تھی پھر بھی اس کے دل کی مکین تھی۔۔۔

"جب بابا نے اُس سے اُس کی شادی کے حوالے سے پوچھا تھا کہ وہ اب اُس کو دولہا کے روپ میں دیکھنے کی خواہش رکھتے ہیں۔تو اُس نے ڈرتے ڈرتے اپنے دل کی بات ان کے سامنے رکھ دی۔یہ الگ بات تھی کہ وہ جانتا تھا سوکین کے دل میں اُس کے لئے کچھ نہیں"۔

کیا سوچ رہے ہیں "شازل"

"وہ جو اپنے دل کی نادانی پر ماتم کر رہا تھا" اُس کے پکارنے پر چونکا"

"سوکین کیا میں انکار کی وجہ جان سکتا ہوں؟

"وہ ٹھہر ا پھر تحمل سے گویا ہوا"میں بابا سے بات کر بھی لوں"تو بھی وہ آپ کی شادی مجھ نہیں کسی اور سے تو کریں گے نا"وہ جاننا چاہتا تھا۔۔اس کے دل میں وہ نہیں تو کون ہے"

"شازل میں نے آپ کے بارے میں کبھی اس حوالے سے نہیں سوچا۔

اور ویسے بھی میں صرف آپ ہی نہیں کسی سے بھی شادی نہیں کرنا چاہتی اتنی سی وجہ ہے انکار کی۔"

پلیز شازل آپ بابا سے یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ آپ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے"وہ آس بھری نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی"

وہ درد بھی اُسی کا دیا ہوا تھا مرہم بھی وہ خود ہی لگا رہی تھی"پوری تیاری کر رکھی تھی اُس نے

"شازل نے نگاہیں جھکا لیں نہیں چاہتا تھا کہ دل کے آنسو آنکھوں کے رستے بہہ کر سامنے بیٹھی سنگ دل پر سب عیاں کر جائیں"

"ٹھیک ہے میں بابا سے کرلوں گا بات تم فکر مت کرو"اس نے کہا۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"پورا اسٹاف روم اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا مثال نے اسٹاف روم کے دروازے کی چوکھٹ سے اندر کی طرف قدم

رکھا تھا"۔

خیریت تو ہے۔۔آج کوئی بھی نظر نہیں آرہا! اس نے جیب سے موبائل نکال کر نارچ اون کرنی چاہی تھی۔ کہ اک دم سے پورا اسٹاف روم روشنی کے ساتھ برتھ ڈے کی آوازوں سے گونج اُٹھا تھا"

روم کو غباروں اور مختلف ڈیکوریشن سے ڈیکور کیا گیا تھا"

"یہ سب کیا ہے "مشال کا ماتھا ٹھنکا گیا۔

"یہ کیک ہے یہ غبارے ہیں یہ عالیہ ہے یہ روشن ہے اور یہ میں ہوں "اور یہ کہ آج آپ کی سالگرہ ہے جو ہم منا رہے ہیں" حارث نے زبردستی اُس کے ہاتھ میں چھری تھماتے ہوئے کہا۔

"مشال نے غصے سے حارث کو گھورا"

"میں سالگرہ نہیں مناتا مشال نے چھری ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

جانتے ہیں ہم پر عالیہ تو نہیں جانتی تھی Come On مشال لڑکی بے چاری کے دل پر نہیں کیک پر چھری پھیرو اب اتنی محنت کی ہے۔

اُس نے لو چھری اور کاٹو کیک "وہ چاہتا تھا کہ وہ مرگِ محبت کا ماتم ختم کر کے نئے سال کی شروعات نئی زندگی اور نئی خوشیوں سے کرے اور یہ ہی سوچتے ہوئے اس نے عالیہ کے مشورے پر اس کے ساتھ مل کر اُس کی سالگرہ کا اہتمام کیا تھا"

"مشال نے احساس تو ہیں سے سر کو خم کیے کونے میں کھڑی عالیہ کی طرف دیکھا کر پاس کھڑے حارث سے چھری لے کر کیک کاٹا اور سب نے ایک بار پھر اُسے تالیوں کے ساتھ وش کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"عالیہ

"مشال کی آواز پر اُسے رکنا پڑا

تھینکس

کس لیے عالیہ نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میری سالگرہ کے لئے اس نے کہا

۔۔اس کی ضرورت نہیں وہ میری خوشی تھی وہ نظریں اُس پر جمائے کہہ رہی تھی"
آپ کی خوشی اور میری سالگرہ میں سمجھا نہیں۔وہ ناسمجھی سے بولا
"آپ سمجھیں گے بھی نہیں مثال۔۔۔۔جانے دیں۔۔۔وہ چاہ کر بھی اُسے حال دل نہیں بتا سکی"
"عالیہ میں جاننا چاہتا بھی نہیں لیکن پلیز مجھے یہ سب پسند نہیں ہے سو پلیز آئندہ محتاط رہے گا کہہ کر وہ رکا نہیں جسے آیا تھا۔ویسے ہی واپس جا بھی چکا تھا" اُس کی آنکھیں بھر آئیں اے اللہ کچھ ایسا کر دے کہ یہ شخص میرا نصیب بن جائے"
"پھر سارا دن یوں ہی بوجھل بوجھل سا رہا"
"جب جب وہ نظر آتا دل میں ایک ٹھیس سی اُٹھی تھی لیکن پھر بھی یہ آنکھیں چپکے چپکے اُس کے حُسن کا دیدار کرتی رہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"شازل"

عالیہ کے پکارنے پر وہ جو ڈیوٹی کے ختم ہوتے ہی گھر کو نکلنے والا تھا کہ اپنا نام پکارے جانے پر آگے کو بڑھتے قدم رک کر پکارے جانے والی آواز کی سمت مڑ کر دیکھا۔۔
جہاں وہ کھڑی تھی"۔۔۔عالیہ قدم اُٹھاتی ہوئی اُس کے قریب آ کر ہاتھ میں چھوٹا سا پیپر بیگ تھامے جیسے اُس نے مثال کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا آپ کا برتھ ڈے گفٹ۔
جانتی ہوں آپ کو یہ سب پسند نہیں ان شیکٹ میں بھی پسند نہیں لیکن۔
پلیز بہت چاہ سے لیا ہے آپ کے لئے پلیز انکار مت کرنا پہلی اور آخری غلطی سمجھ کر قبول کر لو۔۔۔
وہ نگاؤں میں اس کے دیپ جلائے اُس کو دیکھ رہی تھی۔۔
مثال نے خاموشی سے وہ بیگ تھام لیا جانے اس کی نظروں میں کیا تھا کہ وہ انکار نہیں کر پایا Thank وہ صرف اتنا ہی کہہ پایا تھا وہ مسکرا تھی اس کی آنکھوں کے دیپ بھی جل اُٹھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اُس نے جیسے تیسے شاہد بابا کو سمجھایا تھا پر اپنے دل کو ابھی تک نہیں سمجھا پایا تھا۔۔۔

"وہ شام گاڑی لئے جانے کہاں کہاں کی خاک چھانتا پھر رہا تھا کہ رات کے 12 بج رہے تھے اب تھک ہار کر اُس نے گاڑی کو ایک سڑک کے کنارے روک دی تھی وہ جگہ کافی سنسان تھی آبادی نا ہونے کے برابر تھی اس نے سگریٹ کی ڈبیا سے اب ایک سگریٹ نکال کر لائٹر کی مدد سے سلگا کر ایک گہرا کش لیا چپکے سے دو آنسو اُس کی آنکھوں سے چھلک گئے "شازل میں نے آپ کے حوالے سے کبھی ایسا نہیں سوچا" اسکی کہی گئی ایک لائن نے اُس کی دل کی دنیا کو نہیں نہیں کر دیا تھا"

"میں اُس کے سامنے اپنی محبت کا اعتراف کر بھی لیتا تو بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔۔۔

کیا اُس نے کبھی میری آنکھوں میں اپنے لئے چھپی بے لوث محبت کو محسوس نہیں کیا۔۔۔

"شازل کیوں آیا تھا؟ سوکین لیپ ٹاپ پر نیو کلاسز کا شیڈول تیار کر رہی تھی کہ صوبیہ نے یاد آنے پر اُس سے پوچھا حال احوال کرنے آیا تھا وہ جواب بولی۔

" کچھ خاص حال احوال تھا۔ جو اکیڈمی میں کیا جا رہا تھا۔

دروازہ بند کئے جیسے گھر پر نہیں کیا جا سکتا تھا۔۔۔ اُسے یقین تھا کہ وہ ضرور اُس سے کچھ بات چھپا رہی ہے۔۔۔

اُف میری ماں وہ سکھر ہوتا ہے۔ مہینے میں ایک عدد چکر گھر کا لگتا وہ اُس کا تو کبھی کبھار نہیں ہو پایا آمنا سامنا تو وہ یہاں چلا آیا۔۔۔ اس نے جان بوجھ کر صوبیہ سے اصل بات چھپائی "اچھا۔۔۔۔۔اچھا" لمبا سے اچھا کہا تھا اُس نے "" اگلے مہینے سے میں نہیں آؤں گی" صوبیہ نے ہاتھ میں پہنے چھلے کو اُنگلی کے گرد گول گول گھماتے ہوئے اُسے اطلاع دی۔۔۔

"یعنی شادی کی تاریخ طے پا گئی ہے کب سے فنکشن شروع ہیں" سوکین نے دلچسپی سے پوچھا۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

" مجھے یقین ہے وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کے پاس آپ کی ہی کزن کا نمبر نہ ہے۔۔۔

" (سلمان نے اُسے اُس کی سوکین سے ملاقات کے بارے میں جاننے کے لئے جون کیا تھا)" مثال کے لہجے میں تلخی تھی اور اب اُس کا کہنا ہے کہ سوکین کی شادی ہو چکی ہے اور وہ کسی شازل کو نہیں جانتی نا ماننا چاہتی ہے" غصہ ضبط کرتے ہوئے اُس کی آواز بھاری ہو گئی تھی" یا ہو سکتا ہے کہ وہ واقعی سچ کہہ رہی ہو سلمان نے آہستہ سے بولا۔

نہیں میں نہیں مانتا سوکین خود ایک بار آ کر کہہ دے تو میں مان جاؤں گا اُس نے قطعی انداز میں کہتے ہوئے فون کا

کاٹ دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"مبارک ہو۔۔بیٹی ہوئی ہے"تولیے میں لپٹا ننا سا وجود ہاتھ میں لیے نرس I.C.U سے باہر آئی تو اُسے سلمان کی طرف بڑھاتے ہوئے خوشی سے بولی۔۔جیسے آگے بڑ کر تھاتے ہوئے سلمان نے خیر مبارک کہا۔۔اور میری وائف۔۔؟اس نے پریشانی سے نرس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا؟۔۔۔۔

پریشانی کی کوئی بات نہیں نارمل کیس تھا۔۔۔وہ اب ٹھیک ہیں۔۔۔

"مبارک ہو"مثال نے سلمان کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔۔

"تمہیں بھی۔۔کہ تم چاچو بن گئے"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اسلام علیکم۔۔مثال۔

"عالیہ بات کر رہی ہوں۔۔۔کیسے ہیں آپ؟وہ پوچھ رہی تھی۔۔

"اس نے ٹائم چیک کیا جہاں رات کے 12 بج رہے تھے۔۔

"الحمداللہ"آپ کے پاس میرا نمبر۔۔اس نے سائیڈ لیمپ روشن کر کے کمر سیدھی کی۔۔۔

"جی حارث جی سے لیا ہے۔۔وہ دراصل کچھ دن سے آپ ہاسٹل میں دکھے نہیں تو آپ کی خیریت مطلوب چاہتی تھی۔۔وہ چپ ہوئی تو مثال بولا

"میں گاؤں چلا گیا تھا اماں سے ملنے۔۔۔

"تو کیا آپ کچھ دن اور گاؤں میں گزاریں گے۔۔

ایک کے بعد دوسرا سوال وہ لمبی بات کرنے کے موڈ میں تھی۔۔

واپسی تو میری دو دن بعد ہی ہو گئی تھی۔دو دن سے سلمان کے ساتھ ہوں۔۔اس کے بے بی ہوئی ہے۔۔

"مبارک ہو"تو کیا آپ کل بھی نہیں آئیں گے؟وہ پوچھ رہی تھی اور وہ بیزارگی سے سن رہا تھا۔۔۔

"شاید مشکل ہے۔جواباً مثال نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔۔

ok رکھتا ہوں اب فون سونا چاہتا ہوں۔۔آپ بھی سو جائیں اللہ حافظ۔۔کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔۔

اور بیٹھے بیٹھے آنکھیں موند لیں۔۔۔

"مجھے لگتا ہے وہ تمہیں پسند کرتی ہے"۔۔

"حارث کا کہا گیا جملہ اُسے یاد آیا۔۔تو حارث نے غلط نہیں کہا تھا۔۔وہ لیٹے سے اٹھ بیٹھا۔۔۔یہ صحیح نہیں ہے۔۔ مجھے اس سے بات کرنی ہوگی۔۔وہ ٹھیک نہیں کر رہی اپنے ساتھ اچانک کچھ یاد آنے پر اس نے ہاتھ کو بڑھا کر پلنگ کی سائیڈ ٹیبل کا دراز کھول کر سامنے رکھا عالیہ کا دیا پیپر بیگ نکالا۔۔

جو جوں کی توں حالت میں تھا۔۔جیسے وہ رکھ کر بھولا ہوا تھا۔۔'

'مشال نے بیگ کے اندر جھانکا جس میں ایک عدد کارڈ اور ریپٹ کی چھوٹی سی ڈبیا تھی۔

اس نے کارڈ کو نکال کر دیکھا اس پر بڑے دش کے ساتھ ہی نہایت خوبصورت سی تحریر کی گئی ایک نظم تھی۔

"میرے وجود میں وفا کی روشنی اُتار دے

پھر اتنا پیار دے کر مجھے چاہتوں سے مار دے
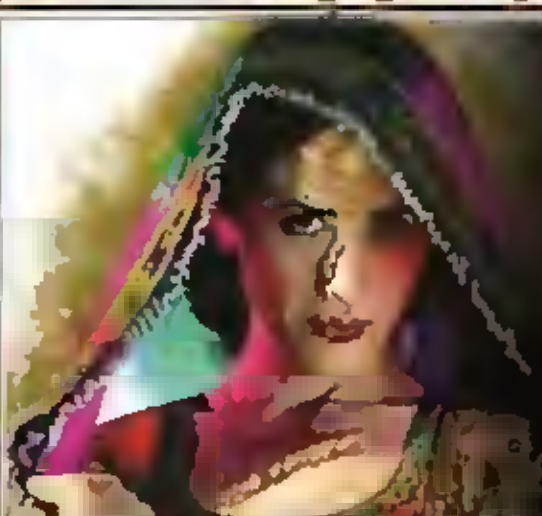
(جاری ہے)..............................

"عشق انسان کو کلندر بو علی کرتا ہے
عشق پاگل نہیں، پاگل کو ولی کرتا ہے۔"

۲۴ ستمبر

میں نے ایوارڈ جیت لیا، یہ تو مجھے معلوم تھا کہ میں جیت لوں گی مگر اس بات کی خبر نہ تھی اتنی بڑی خوشی کو حاصل کر کے بھی میں اداس ہی رہوں گی۔ دن بدن افسردگی بڑھ سی گئی ہے زندگی بوجھ لگنے لگی ہے۔ ایسا کیوں ہونے لگا ہے۔ آج لنچ پر ممی سے جب میں نے کہا

"ممی ایسا مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے میرا کچھ کھو گیا ہے عجب سی کمی ہے۔"

ممی نے انوکھا سا جواب دیا۔ کہنے لگیں

"ایسا مجھے کئی بار ہوتا ہے مگر اس بے چینی کو دبا لیا کرتے ہیں اپنی خواہشات کو بڑھا کر۔۔"

"جب کوئی خواہش ہی نہ رہے تو۔۔" میں نے پوچھا

"تو شوق کا بیج ڈالو خواہش کا پودا وقت کے ساتھ خود بڑا ہو جائے گا۔ اگر شوق کا بیج نہیں ڈالو گی تو زندگی بنجر زمین بن جائے گی۔ اور ویسے بھی جوں جوں تمہاری عمر گزرے گی یہ بے چینی اپنا رستہ پکڑ لے گی اور تمہارے پاس چین ہی چین ہو گا۔ اگر تم نے اس عمر میں قدم مضبوط نہ کیے تو پھر ساری عمر مصلے پر گزرے گی یا کسی درگاہ پر فقیر بن کر۔ اس عمر میں ہر لڑکی لڑکے کی یہی کیفیت ہوتی ہے میری بھی تھی مگر پھر میں نے قدم ڈھیلے نہیں پڑنے دیے تھے در آج میں کامیاب ہوں۔"

انہوں نے خواہش اور زندگی پر مجھے لمبا چوڑا لیکچر دیا۔ مجھے صرف ایک ہی سوچ میں ڈال گئی ہیں، ممی بھی بے چین

ہوتی ہیں۔ یہ بے چینی ہوتی کیوں ہے۔؟ کوئی تو وجہ ہوگی ناں۔۔۔ میں تو ممی جیسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتی تھی کبھی بھی پھر بے قراری ایک سی کیوں ہے۔؟ کیا ممی اور مجھ میں کوئی فرق نہیں۔؟

ممی نے کہا خواہشات بے چینی ختم کریں گی، مجھے تو لگتا ہے خواہشات میری بے چینی بڑھا رہی ہیں۔ ایوارڈ حاصل کرنے کے بعد مضطربانہ کیفیت میں اضافہ ہی ہوا ہے کمی نہیں آئی۔ اگر خواہشات اسے ختم کر سکتی تو آج میں بے قرار نہ ہوتی لیکن ممی نے ایسا کیوں کہا یہ عمر۔۔۔ اس عمر میں کیوں ہوتی ہے بے چینی سی۔۔۔ یہ عمر ایسی کیوں ہے۔؟ مجھے ایسا کیا ہوگیا۔؟ مجھے بے چینی کی وجہ تلاش کرنی ہے نہ کہ خواہشات کا نیا پودا اگالوں۔ کوئی گہرا راز جو ایسا ہے جس کا مجھے علم نہیں۔ کون سا وہ راز ہے آخر۔؟ میں نے کھوج لگانی ہے۔ اس کھوج میں جانا ہے جس کی منزل چین ہو۔ مجھے خواہشات سے ملا چین بناوٹی سا لگتا ہے مجھے لگتا ہے چین اصل کہیں اور ہے۔ جو مجھے پکارے ہے تبھی تو میں بے چین ہوں۔

۲۴ ستمبر

میں کتنا بھٹکا ہوا تھا راستہ اللہ نے بتایا پھر میں کیوں نہ اسکی تعریف بیان کروں۔ الحمد للہ رب العالمین

آج کا دن نہایت ہی خوبصورت رات کے پچھلے پہر تہجد پڑھی اور ڈھیروں اللہ تعالیٰ سے باتیں کیں۔ مجھے بہت اچھا لگتا ہے جب میں اللہ سے محو گفتگو ہوتا ہوں۔ میں کبھی کبھی پچھتانے سا لگتا ہوں میں نے زندگی کے پچیس سال عیش و آرام میں گزارے لیکن وہ مزہ نہ پایا جو اللہ سے گفتگو کرتے ہوئے ملتا ہے۔ ایک سرور، ایک سکون اور ایک مٹھاس جو دل کے آنگن میں اترتی ہے تو میری روح روشن ہو جاتی ہے۔ ایسے لگتا ہے چین و قرار کی دولت سے مالا مال ہوگیا ہوں۔ جو اپنی چاہت کو اللہ کی چاہت سے جوڑ لے اسے سکون کی دولت سے مالا مال کر دیا جاتا ہے۔ تو میں نے گفتگو کرنے کے بعد فجر کی ملاقات کی اپنے مالک سے۔۔۔ قرآن پاک کی تلاوت کی اور سیر کے لیے نکل گیا۔ موسم نہایت ہی خوشگوار ہو رہا تھا۔ آسمان پر یوں بادل چھائے ہوئے تھے جیسے ابھی برسیں گے مگر میں نے چالیس منٹ واک کی وہ برسے نہیں۔ بس اللہ کی مرضی۔۔۔ سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ناشتے کی میز پر پہنچا تو بھیا بھابھی سے تکرار ہو گیا

''تم دین کو فالو کرو مگر لازمی تو نہیں کہ داڑھی رکھو۔۔۔ داڑھی کے بغیر بھی جنت میں چلے جاؤ گے۔'' بھابھی نے جوس کا جگ جھٹکے سے رکھ کر کہا تھا۔ دراصل انہیں غصہ تھا کہ میرے دین سے جڑ جانے سے لڑکی والوں نے انکار

کر دیا۔ بھیا نے بھی بھابھی کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

"اومیری پیاری بھابھی! میں نے کب کہا کہ میں داڑھی رکھنے سے جنت میں جا رہا ہوں یا نہیں رکھوں گا تو جہنم میں گر جاؤں گا۔" میں نے تحمل مزاجی سے کام لیا

"تو پھر اور کیا ہے۔؟" بھابھی نے جیم ڈبل روٹی پر لگاتے ہوئے کہا

"میں نے داڑھی سنت نبوی ﷺ پوری کرنے کے لیے رکھی اور اس لیے رکھی کہ میرا اللہ خوش ہونا ہے۔ جب ہم سنت نبوی ﷺ کو اپناتے ہیں تو اللہ کو بہت اچھا لگتا ہے اور اللہ پھر ہم سے خوش ہوتا ہے۔" میں نے بتایا

"تو داڑھی کے علاوہ کوئی اور سنت اپنالو ناں ضروری ہے یہی اپناؤ جس سے شادی کرنے سے بھی رہ جاؤ۔" بھیا نے چمچ غصے سے پلیٹ میں رکھی اور بولے شاید وہ میری اللہ سے متعلق باتوں سے اکتا چکے تھے

"ہم ایسا ہی اکثر کہتے ہیں کہ یہ چھوڑتے ہیں کوئی اور نیکی کر لیں گے یہ اگر کی تو زمانہ خفا ہو جائے گا، ہم یہ کبھی نہیں سوچتے یہ چھوڑنے سے اللہ بھی خفا ہو سکتا ہے۔" میرا ناشتے سے دل بھر گیا تھا۔ اس لیے میں ڈبل روٹی کا پیس دوبارہ پلیٹ میں رکھ دیا

"تو کیا کنوارے رہ جاؤ گے۔؟" بھابھی منہ بسور کر بولیں

"نہیں، کیوں رہ جاؤں گا کنوارہ۔۔۔ایک بات ذہن نشین کر لیجیے جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں کوئی انسان نہیں بناتا تو اس لیے میرے لیے کون لکھ دی گئی ہے وہ اللہ کو خبر ہے اور وقت پر مجھے بھی مل جائے گی۔ میں چلتا ہوں مجھے دیر ہو رہی ہے۔" میں گھر سے آفس کے لیے نکلا۔ آفس میں کام اتنا تھا کہ وقت کا پتا ہی نہیں چلا اور دو بج گئے۔ میں نے قریبی ریسٹورینٹ سے کھانا کھایا اور تجوید و تفسیر کی کلاس کے لیے نکل پڑا۔ صبح بھیا بھابھی کی باتیں میرے دماغ میں کھٹکتی رہیں آخر کیوں مسلماں ایک مسلمان کے اس روپ کو قبول نہیں کرتا۔ مسلمان کی زندگی قرآن وسنت کے بغیر کیسے مکمل ہو سکتی ہے۔ پھر مجھے خیال آیا بھٹکی ہوئی دنیا ہے اسی راستے پر میں بھی کبھی تھا اور ایسے ہی خیالات رکھا کرتا تھا۔ راستے میں ایک بابا جی ملے جو فٹ پاتھ پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ میں نے گاڑی روکی اور ان کے پاس جا بیٹھا کیونکہ کلاس میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی تھا۔ ان کے ہاتھ سے نوالہ زمین پر گرا تو انہوں نے اٹھا کر پھونک کر کھا لیا تھا۔

"بابا جی اس پر جراثیم لگے ہوئے تھے۔" میں نے قدرے کراہیت سے کہا

''بیٹا میں اللہ سے ڈرتا ہوں جراثیموں سے نہیں۔'' انہوں نے مسکرا کر دھیمے لہجے میں کہا۔
''اور جو اللہ سے ڈرتے ہیں ان پر جراثیم کیا دنیا کی کوئی طاقت حملہ نہیں کر سکتی۔'' انہوں نے تفصیل سے بتایا۔ میں خاموش تھا۔ انہوں نے کھانا ختم کرنے کے بعد الحمد اللہ کہا اور مسکرائے۔
''بابا جی! ایک بات پوچھوں۔؟'' میں نے ہچکچاہٹ سے پوچھا
''پوچھو بچے۔۔''
''بابا جی میں نے اکثر آپ کو دیکھا آپ الحمد اللہ کہتے ہیں اور مسکرا دیتے ہیں، مسکرانے کی وجہ۔؟''
''مسکرانا یوں تو سنت ﷺ بھی ہے مسکراتے رہنا چاہیے مگر بعض لوگ اسے ہنسنے کے معنی میں لے جاتے ہیں ہنسنا اور شے اور مسکرانا اور۔۔۔ اور جہاں رہا سوال الحمد اللہ کے بعد مسکرانے کا تو وہ میں اس لیے مسکراتا ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارک کا مفہوم ہے کہ جب بندہ الحمد اللہ کہتا ہے تو اللہ خوش ہوتا ہے اور فرشتوں سے کہتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف کی۔ میں اسی لیے مسکرا دیتا ہوں کہ اللہ میرے الحمد للہ کہنے سے خوش ہوا ہو گا۔'' وہ اتنے خوش ہو کر بتا رہے تھے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ محبت کے آنسو، عشق کے آنسو۔۔۔'' میرے پاس وقت کم تھا اس لیے چل دیا اور کلاس میں جا پہنچا جہاں میں نے پہلے تجوید کے لیے چند آیات پڑھیں اور پھر تفسیر کی جانب رخ کیا تھا۔

ایاک نعبد وایاک نستعین

''صرف تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔''

معلم نے سب سے پہلے اس آیت پر روشنی ڈالی کیونکہ آج کی کلاس میں یہاں سے پڑھنا تھا۔ توحید کو پیش کیا گیا عقل و دانش کی باتیں کھلتی گئیں مجھے احساس ہوا کہ ہم شرک تو اس لیے بھی کرتے ہیں جب ہم اللہ پر بھروسہ کیے بغیر اپنے اسباب پر اس قدر بھروسہ کرتے ہیں کہ اللہ کو بیچ میں لانا ہی بھول جاتے ہیں۔ ہمارے پاس عقل و سمجھ ہے ہم سب کر لیں گے مگر ہم کبھی نہیں کہتے اللہ نے چاہا تو ہم کر لیں گے کیونکہ اللہ نے ہمیں عقل و سمجھ جیسی نعمت سے نوازا ہے۔ ہم مال و دولت پر بعض دفعہ اتنا بھروسہ کرتے ہیں کہ اللہ جس نے دیا ہوتا اسے یاد ہی نہیں کرتے ،ہم ایک طرح دولت اور طاقت کو سب کچھ مان رہے ہوتے ہیں۔ ایسے بہت سے اسباب ہیں جو اللہ کی طرف سے دی گئی نعمتیں ہیں مگر ہم انہی پر تکبر کیے جاتے ہیں، پیچھے مڑ کر ہی نہیں دیکھتے۔ ہم شرک کی لہروں میں بہنے لگتے

ہیں۔انہی لہروں سے بچنے کے لیے اللہ نے دعا سکھائی۔
''ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا۔راہ ان لوگوں کی جن پر تُو نے انعام کیا نہ ان کی جن پر غضب کیا گیا نہ گمراہوں کی۔''

☆☆☆☆☆☆

۲۵ ستمبر
آج فیملی فنکشن میں مجھے اپنی پرانی کلاس فیلو رمشا ملی۔اس سے ملاقات خوب رہی۔
''عیشل تم تو ماشاءاللہ مشہور ہوگئی ہو۔'' سلام دعا کے بعد اس نے ہنس کر کہا۔مجھے پہلی بار ایسا لگا جیسے کوئی میری ماڈلنگ کی تعریف نہیں کرتا طنز کرتا ہے، مجھے اسکی بھی ہنسی طنزیہ لگی۔
''بس یار خود کو مصروف کرلیا۔'' میں نے پر تکلف انداز میں کہا
''کیا بات ہے اتنے اچھے ماحول میں بھی تمہارا موڈ آف۔؟'' اس نے سنجیدگی سے کہا
''نہیں ایسا کچھ نہیں کیا ہوا میرے موڈ کو۔'' میں نے زبردستی مسکرا کر ٹال مٹول سے کام لیا
''تمہارے چہرے پر بارہ بج رہے ہو اور کہہ رہی ہو کیا ہوا۔۔۔دیکھو عیشل کوئی پریشانی ہے تو مجھ سے شئیر کرو ہوسکتا ہے یہ بندہ ناچیز تمہارے کسی کام آجائے۔اور ویسے بھی کہتے ہیں کہ شئیر کرنے سے دل کا غبار کم ہوتا ہے سکون ملتا ہے۔'' اس نے بتایا تو میں نے اپنی پریشانی اسے بتا ڈالی کیونکہ میں سکون ہی تو چاہتی تھی۔
''میں سکون چاہتی ہوں مجھے سکون نہیں مل رہا، میرے اندر سے چین گم ہوگیا ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔
''کسی کے ساتھ کچھ برا کیا ہو۔؟''
''مطلب۔؟''
''کسی پر ظلم یا ذیادتی۔؟''
''نہیں میرے علم میں تو نہیں کہ میں نے ایسا کچھ کیا۔'' میں نے کہا
''اکیچلی اس لیے پوچھا ہے تم سے کیونکہ اکثر ہم ایسے گناہ کردیتے ہیں جو ضمیر میں کھٹکتے رہتے ہیں۔'' اسکی باتوں میں سچائی سی تھی
''میں نہیں جانتی مجھے کیا ہے۔؟ بس مجھے سکون کی تلاش ہے۔''

''تم نے کسی کے ساتھ بے وفائی تو نہیں کی یا کسی کا دل توڑا ہو۔؟'' اسکے یکدم سوال نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

''بے وفائی۔؟'' مجھے وہ یاد آ گیا

''ہاں بے وفائی۔۔''

''ہاں۔۔'' میری سانس رکنے لگی تھی

''بے وفائی تو شاید نہیں کی مگر دل ضرور توڑا تھا۔'' میں نے یہ الفاظ دل میں ہی سوچے یا زبان سے ادا بھی کیے پھر مجھے خبر نہیں آنکھ کھلی تو ہسپتال میں تھی۔ بی پی لو ہو گیا تھا۔ ڈاکٹرز نے انجیکشن لگائے اور دوئیاں ڈھیر ساری دے دیں۔ میں نے کہا بھی انہیں نہ لے کر چلیں مگر ڈیڈی نے میری ایک بار بھی نہ سنی۔ اب ایک ہی بات میں سوچ رہی ہوں۔ ''سکون رومان کے پاس ہے۔'' میں اسے کہاں تلاش کروں۔ فیس بک پر بہت تلاش کیا نہیں ملا شاید اب استعمال ہی نہیں کرتا۔ اف میرا تو سر درد سے پھٹ رہا ہے شاید اسکی یاد سے، مگر میں کیسی محبت کرتی ہوں جو اسے مطلب کے لیے تلاش کر رہی ہوں۔ جب اس سے ملوں گی تو وہ پوچھے گا کہ کیوں مجھے اتنا تلاش کیا یا میری یاد کیسے آئی تو کیسے کہوں گی کہ اپنے چین کے لیے۔۔ کتنا دکھی ہو گا ناں وہ خیر دل کون سا پہلے میں نے سلامت رکھا ہوا ہے تکلیف تو اسے میں دے ہی چکی ہوں۔ باقی سب چھوڑو مگر وہ ملے گا کیسے آخر۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟

۲۶ ستمبر

اک پاسے میرے رہن وہابی، اک پاسے دیو بندی
اگے پچھے شیعہ سنی، ڈاہڈی فرقہ بندی
وچ وچالے ساڈا کوٹھا، قسمت ساڈی مندی
اک محلہ اٹھ مسیتاں، کہدی کراں پابندی۔؟

(بلھے شاہ)

آج کے دن دماغ کو خوب اذیت ملی کیونکہ دل خون کے آنسو روتا رہا، دماغ دل کو بار بار تسلیاں دیتا رہا، چپ کرواتا رہا مگر دل تھا آہیں بھرے جاتا رہا۔ داستاں کچھ یوں ہے کہ آج صبح صبح پہلے تو بھیا بھابھی سے بحث مباحث میں ہمیشہ کی طرح موڈ خراب ہوا۔ ہمیشہ کی طرح شیو کرو، پہلے جیسے بنو۔ ان سے سر کھپا کر گھر سے باہر ہی نکلا تو ہمارے قریبی رشتیدار سیف صاحب مل گئے۔ سیف صاحب کی زبان بھی سیف ہی ہے، خیر ان سے سلام

دعا ہوئی اور انہیں میں ساتھ دفتر لے گیا، کیونکہ وہ کاروبار کے بارے میں کچھ جاننا چاہ رہے تھے۔ انہوں نے بھی کاروبار شروع کرنا تھا اس لیے مجھ سے کچھ خاص رائے اور تجاویز لینے کے لیے میرے پاس آئے تھے۔ گاڑی میں سفر کرتے ہوئے وہ میرے چہرے کی طرف بغور دیکھتے رہے، کچھ بولے نہیں۔ دفتر میں چل کر کاروبار کی باتیں ہوئیں اس کے بعد چائے پینے لگے تو وہ کھل کر سامنے آئے۔

''رومی! میں کاروبار کا تو بہانہ رکھ کر آیا تھا مجھے تم سے دیگر باتیں کرنی تھیں۔'' انہوں نے چائے کا کپ ہاتھ میں پکڑ کر کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا

''جی جی فرمایئے سیف بھائی۔۔''میں نے مودبانہ کہا

''رومی! میں تمہیں یہ سمجھانے کے لیے آیا ہوں کہ تم جس انسٹیٹوٹ سے قرآن تجوید تفسیر کا کورس کر رہے ہو وہاں سے ٹھیک نہیں کرنا تم چھوڑ دو۔'' ان کی بات سن کر میں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا

''قرآن تجوید و تفسیر کی باتیں ٹھیک نہیں۔؟''میں واقعی نہیں سمجھ پایا تھا

''نہیں نہیں تم غلط مطلب لے رہے ہو، میرا مطلب ہے کہ تم جس ادارے سے تعلیم حاصل کر رہے ہو وہ ادارہ ہمارے فرقے کا نہیں ہے، اس ادارے پر تو جانے کتنی بار فتوے لگ چکے ہیں، میں تمہیں اپنے فرقے کے قابل ادارے بتاؤں گا'' انہوں نے مجھے تفصیلاً کہا تھا

''بھائی صاحب! پہلی بات یہ کہ میں فرقے پڑھنے نہیں جاتا قرآن پڑھنے جاتا ہوں، قرآن سمجھتا ہوں، تجوید ٹھیک کر رہا ہوں، میرے تلفظ ٹھیک کر لینے سے میرا فرقہ نہیں بدل جائے گا اور رہی بات اپنے اداروں کی تو میں عشق میں علم حاصل کر رہا ہوں اور جو عشق میں علم حاصل کرتے ہیں انہیں فرقوں کی نہیں اللہ کی فکر ہوتی ہے اور وہ اللہ کو پانے کے لیے ہر دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں، میں بھی اللہ کو پانے کے لیے ہر دروازہ کھٹکھٹاؤں گا، میں ہر فرقے کو پڑھوں گا سمجھوں گا جہاں مجھے اللہ مل جائے وہی بہتر ہے کیونکہ میرا علم عشق کے لیے ہے جنت کے لیے نہیں۔'' میں کچھ زیادہ ہی جوش میں آ گیا تھا آنسو چھلک پڑے تھے۔

''وہ سب ٹھیک مگر ان فتاوی کو کیوں بولتے ہو جو انہیں کافر قرار دے گئے، کافر کے پاس اللہ نہیں ملتا۔'' ان کے لہجے میں خاصی کڑواہٹ تھی۔

''میں اور آپ یا کوئی مولوی فیصلہ کر دے کہ کوئی کافر ہے تو وہ کافر ہو گیا کیا، منصور کو بھی لوگوں نے کافر کہہ کر سولی

چڑھوایا تھا اور وہاں بھی مولوی پیش تھے۔"

"ان کی بات نہ کرو وہ قلندر لوگ تھے۔"

"قلندر نہ سہی مگر ولی اللہ اب بھی ہیں دنیا میں۔"

"تو تم ان کافروں کو ولی کہہ رہے ہو۔"

"جو شخص اللہ کی راہ میں نکلے اور لوگ اس کے راستے کی دیوار بنیں تو سمجھو وہ حق پر ہے۔" میں نے لمبا سانس لے کر تحمل مزاجی سے کام لیا

"تو تم بھی کافر۔۔" انہوں نے یکدم کہا

"اگر اللہ کی راہ میں چلنا کافری ہے تو میں کافر بھلا۔"

"جنت گنوار ہے ہو۔۔۔" انہوں نے مجھے خبردار کیا

"جنت یا دوزخ اسکی مخلوق ہیں جو جس میں چاہے بھیج دے بس مجھے وہ خود مل جائے۔" میں نے مسکرا کر کہا اور وہ بھائی صاحب آگ بگولہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کمرے سے چلے گئے۔ افسوس ان پر میری باتوں کا اثر نہیں ہوا۔ میرا دماغ بوجھل ہو رہا تھا، کلاس کا وقت ہونے کو تھا، میں نکل پڑا۔ بابا جی سڑک کنارے زمیں پر بیٹھے گزرنے والوں کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ میں ان کے پاس گیا۔

"کیا دیکھ رہے ہیں بابا جی۔" میں نے پوچھا

"ہنستے ہوئے چہروں کی چیخیں سن رہا ہوں۔"

"وہ کیسے۔؟"

"کل ذرہ جلدی آنا پھر بتاؤں گا ابھی جا تیرا اللہ کی باتیں سننے کا جانے کا وقت آگیا ہے۔" میں نے گھڑی پر دیکھا تو واقعی کلاس کا وقت تھا میں الوداعی کلمات کہہ کر چلا آیا۔۔۔

کلاس میں پہنچا، بیٹھا تو معلم تشریف لے آئے۔ "سورہ بقرہ" کھل گئی۔ یہ ایک مدنی سورت ہے حدیث کے مطابق بتایا گیا سورت بقرہ قرآن کی کوہان ہے اور اسکی بلندی کا یہ عالم ہے کہ اسکی ایک ایک آیت کے ساتھ اسی اسی فرشتے نازل ہوتے تھے اور بالخصوص آیت الکرسی تو خاص عرش تلے نازل ہوئی۔ اس طرح بتایا گیا کہ جس گھر میں سورت البقرہ پڑھی جائے وہاں شیطان داخل نہیں ہوتا، شیطان بھاگ جاتا ہے۔ سورت البقرہ اور سورت آلِ عمران دو

نورانی سورتیں ہیں یہ اپنے پڑھنے والے پر سائبان یا بادل یا پرندوں کے جھنڈ کی طرح قیامت کے روز سایہ کریں گی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ال م یہ حروف مقطعات ہیں۔ میں تفسیر سن رہا تھا مگر ساتھ میرے ذہن میں ایک ہی چیز گھوم رہی تھی کہ کیا قرآن کو بھی کوئی بدل پڑھا سکتا ہے، سیف بھائی کی باتوں نے مجھے عجیب بوکھلاہٹ کا شکار کر دیا تھا۔

معلم نے اگلی آیت پڑھی۔۔''اس کتاب میں کوئی شک نہیں پرہیز گاروں کو راہ دکھانے والی ہے۔''یوں لگا جیسے مجھے رستہ مل رہا ہو میں مکمل توجہ کے ساتھ سننے لگا۔ تفسیر بتائی جانے لگی الفاظ کے تراجم کے بعد متقین پر بات کی گئی۔ متقین وہ ہیں جو ایمان لا کر، شرک سے دور رہ کر اللہ کے احکام بجا لائیں، حدیث نبوی ﷺ بیان کی گئی کہ رسول ﷺ نے فرمایا ''بندہ حقیقی متقی نہیں ہو سکتا جب تک ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں حرج نہیں اس خوف سے کہیں وہ حرج میں گرفتار نہ ہو جائے۔'' مجھے یوں لگا جیسے مجھے جواب مل گیا ہو۔ ہدایت کی وضاحت شروع ہوئی، ہدایت صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور اللہ کے سوا کوئی اور نہیں دے سکتا۔ اگلی آیت کی طرف بڑھایا گیا ''اور جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور قائم کرتے ہیں نماز کو دیئے ہوئے میں سے دیتے رہتے ہیں اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔'' نماز کے قیام کا ذکر آیا تو جب بتایا گیا کہ پورے وقت پر، صحیح طرح وضو کر کے، پوری طرح سجدے کرنا اقامت صلوٰۃ ہے۔ میں تو کانپ ہی گیا، نماز میں خشوع خضوع تو دور ہم سجدے ہی پوری طرح نہیں کرتے۔ جیسے ٹکریں ماری نماز ہو گئی مگر حقیقی قرآن کا مطلب سمجھتے ہی نہیں اور کہتے ہیں ہم قرآن کی مانتے ہیں۔ جب ذکر دیئے ہوئے میں سے دینے کا آیا تو میری سوچوں میں طوفان آ گیا تھا جیسے، ہم دیتے کسی سائل یا غریب کو کیوں نہیں کہ یہ ہمارا پیسہ ہے حالانکہ یہ ہمارا پیسہ نہیں ہے اللہ کا ہے۔ ''یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں، جن کافروں کا آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے وہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔''

قرآن کی کلاس لینے کے بعد میں کافی ہلکا محسوس کر رہا ہوں ورنہ اس دنیا کا بس چلے تو کب کسی کو حق کے راستے سے ہٹا دے۔ اب مجھے دفتر سے جلدی نکلنا ہو گا کیونکہ بابا جی ملنا پڑے گا وہ بتا رہے تھے ناں ہنسی کی چیخیں۔۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا تھا۔

۲۶ ستمبر

اواللہ! میں اسے کہاں تلاش کروں۔میں نے ٹی وی سے بھی پتا کروالیا ان کے ساتھ اب کوئی رابطہ نہیں ان لوگوں کا، جوایڈریس دیا گیا اس ایڈریس سے آفس بدل لیا گیا۔آج تو دن بھر سڑک پر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگی بھاگی پھرتی رہی۔وہ بھی نہ ملا اور چین بھی نہ مانے کہ دو گھڑی دل کی فضا میں خوشبو بکھیر جائے۔میں آج جس طرح دردر بھٹکی، جانے کس کس کے منہ لگی منت کی کوئی اس شخص سے ملوادو۔لوگ کہہ رہے تھے آپ مشہور ہیں وہ نہیں، ہم آپ کو جانتے ہیں اسے نہیں۔ایسا کیوں ہوتا ہے جس کے پاس سب کچھ ہوتا ہے وہ اس کے در کا فقیر بنا دیا جاتا ہے جس کے پاس اس سا کچھ بھی نہیں۔دھوپ میں ادھر سے ادھر چل چل کر آخر میں نے گاڑی سڑک کنارے روک دی۔درخت کے سایے تلے ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ گئی، ایک بزرگ باباجی کچھ فاصلے پر بیٹھے مجھے دیکھ رہے تھے۔کچھ دیر دیکھنے کے بعد بولے۔

''کسی کی تلاش ہے۔؟''انہوں نے شاید میرا چہرہ پڑھ لیا تھا

''جی۔۔جی۔۔''میں چونک گئی

''تھک گئی ہو۔؟''

''بہت۔۔''

''ابھی تو تمہیں بہت چلنا ہے ابھی سے تھک گئی ہو۔''انہوں نے بغور مجھے دیکھا میں بوکھلا گئی تھی۔

''جی۔؟آپ کو کیسے علم۔۔''

''تمہارے چہرے پر لکھا ہوا ہے کہ تم عشق کی تلاش میں ہو، یاد رکھو عشق اتنی آسانی سے نہیں ملتا چاہے مجازی ہو یا حقیقی۔۔''ان کے لفظوں میں سختی تھی

''لیکن میں تو عشق نہیں کر رہی۔''میں نے کہا

''تو کس کی تلاش ہے۔؟''انہوں نے پوچھا

''سکون کی۔۔''

میری بات سن کر وہ ہنسے اور بولے

''سکون اور عشق لگتے تو آگ اور دریا مگر حقیقت میں ایک ہی مالا کے دو موتی ہیں۔''

''میں سمجھی نہیں۔۔''مجھے واقعی ہی کوئی بات سمجھ نہیں آرہی تھی

''یوں سمجھو سکون شب وصل اور عشق شب ہجر۔'' انہیں قریب ہوٹل سے کسی آدمی نے آواز دی تھی وہ اٹھ کر چلے گئے تھے۔آواز جانی پہچانی تھی میں سمجھ نہ پائی کون تھا۔میں نے اٹھ کر دیکھنا چاہا کون ہے مگر وہ جا چکا تھا۔

۲۷ ستمبر

او جی سیف بھائی نے بھیا اور بھابھی کے بھی کان بھر دیے۔صبح صبح ناشتے کی میز پر ہی بھیا برسنے لگے۔میرا دل تو جیسے ابلنے لگا ہے۔لوگ نہ تو خود جیتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو جینے دیتے ہیں۔بھیا آگ بگولہ تھے اور انہوں نے حکم جاری کر دیا کہ میں وہ انسٹی ٹیوٹ بدل ڈالوں۔میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔میں جن علماء کے پاس پڑھتا ہوں انہیں میرے عقیدے سے یا میرے فرقے سے کوئی واسطہ نہیں وہ صرف درس قرآن دیتے ہیں، مگر بھیا کچھ سننے کو تیار ہی نہ تھے۔مجھے کہہ ڈالا کہ اب سے میں اگر درس قرآن حاصل کرنے گیا تو میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔میں آج نہیں گیا کلاس لینے۔۔مگر مجھے چین نہیں ایسے لگ رہا ہے جیسے کچھ کھو گیا ہے۔میں دفتر بھی نہیں گیا، بیڈ پر پڑا رہا۔بھابھی نے وجہ پوچھی میں چپ رہا۔کیا کروں۔؟میں قرآن کا علم حاصل کرنا کیسے چھوڑ دوں وہ بھی ان علما کے پاس جنکی تفسیر مجھے صحیح سمجھ آتی ہے، مجھے اللہ سے جوڑتی ہے۔نہیں!میں اللہ کے راستے کو دنیا کے لیے کیوں چھوڑوں۔؟باباجی نے کہا تھا عشق میں کٹھن راستے ہیں، میں ابھی حوصلے توڑ ڈالوں گا تو میں منزل تک کیسے پہنچوں گا۔؟مجھے پانا ہے اللہ کو اسکے قرب کو۔۔یا اللہ میری مدد کر۔

---

۲۷ ستمبر

عشق نے کہاں کہاں نہیں بھٹکا دیا۔اسے تلاش بہت کیا مگر یوں کوئی کیسے ملے۔مجھے اسکی خبر بھی نہیں۔سارا دن مارا مارا پھرتی رہی نہ تو مجھے کھانے پینے کا ہوش ہے آجکل نہ ہی سنورنے بننے کا۔۔باہر جاتی ہوں لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہیں اس ماڈل نے شکل کیا بنا ڈالی۔ارے کون سی ماڈل۔؟کیسی ماڈل۔؟جسے عشق لگ جائے اس کے سارے نخرے دفن ہو جاتے ہیں۔میں اسے دیکھنے کو اسے پانے کو مر رہی ہوں مگر پھر بھی وہ مجھے نہیں ملتا۔ہاں میں اقرار کرتی ہوں مجھے اس سے عشق ہے، ہاں میں اقرار کرتی ہوں میری سانسیں اس کے بنا رک رہی ہیں، ہاں میں اقرار کرتی ہوں میری دھڑکنیں اسی کی تسبیح کیے جا رہی ہیں۔ہاں میں اقرار کرتی ہوں مجھے اس کے بنا کہیں سکون نہیں۔میں اسے کہاں تلاش کروں۔؟میں اسے کہاں ڈھونڈوں۔؟
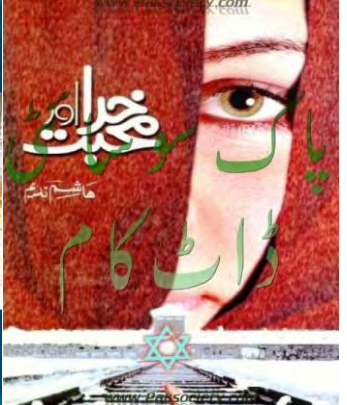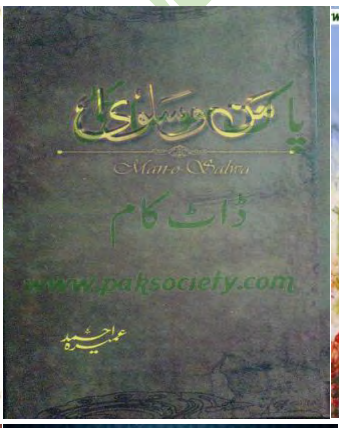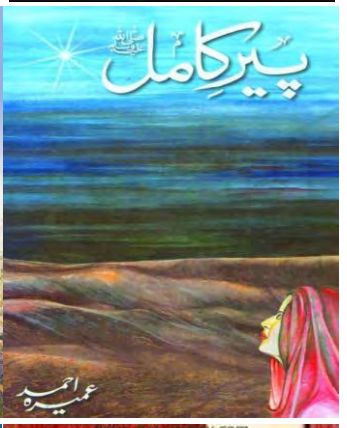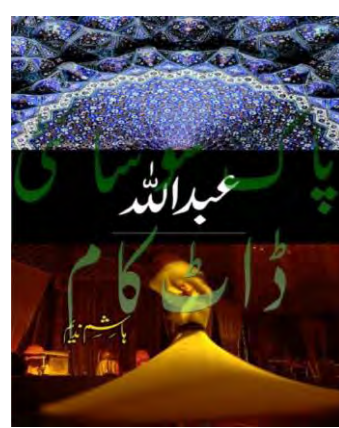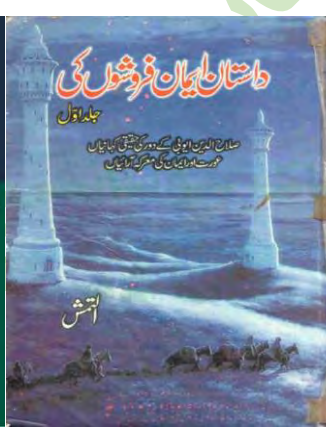
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ممی مجھے اس حالت میں دیکھ کر کہنے لگی۔

''تمہارے لیے کوئی لڑکا ڈھونڈتی ہوں اچھا سا جس سے تمہاری شادی کر دوں پھر تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔۔''

''ممی! شادی سے گھر آباد ہوا کرتے ہیں دل نہیں۔۔میرا دل اجڑا ہوا ہے گھر تو ماشاءاللہ یہ آباد ہی آباد ہے آپ اور ڈیڈی کے دم سے۔۔'' میں اتنا ہی کہہ سکی۔ ممی نے عجیب نظروں سے مجھے دیکھا۔ ارے وہ کیا جانیں عشق کو۔۔۔جس تن لگدی اے او تن جانے۔۔۔مجھے نہیں لگتا ممی نے کبھی عشق کیا ہوگا۔؟ جب انہوں نے عشق نہیں کیا پھر انہیں میری کیفیت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

۲۸ ستمبر

آج صبح بابا جی کے پاس پہنچا۔۔ بابا جی سڑک کنارے پلاٹ میں بیٹھے اللہ کا ورد کر رہے تھے۔ میں ان کے قدموں پر سر رکھ کر خوب رویا۔

''کیا ہوا بچے لگتا ہے کسی گہری آزمائش ہو۔۔'' بابا جی نے اٹھا کر مجھے سیدھا بٹھاتے ہوئے کہا

''بابا جی! میرے عشق کی راہ میں دیواریں کھڑی ہوگئی ہیں۔۔'' میں نے کہا

''تو گرادواں دیواروں کو۔۔''

''لیکن بابا جی وہ تو اپنے ہیں ناں۔۔'' میں نے خود ساختہ کہا

''عشق نہ دیکھے اپنا پرایا۔۔عشق صرف معشوق کی خوشی دیکھتا ہے۔ تم خود جائزہ لو اپنا تمہیں جیسے لگتا کہ تمہارا معشوق کیا چاہتا، تم ویسا کرو۔'' بابا جی نے کہا

''خون کے رشتے چھوڑنا جائز ہوگا۔۔''

''رشتے داروں کے حقوق تب تک ہیں جب تک اللہ کے راستے ہیں رکاوٹ نہ بنیں۔۔ جب رکاوٹ بنیں تم انہیں چھوڑ کر اپنا رستہ اختیار کر لو مگر ہاں رستہ اپنا اختیار کرنا، انہیں چھوڑ دینا لیکن دل میں بغض نہ رکھنا کیونکہ بغض عاشقوں کی صفت میں نہیں شامل۔۔۔'' بابا جی نے بتایا تھا

پھر میں نے گھر آ کر بھیا نے نہایت ادب سے کہا

''بھیا میں اسی انسٹیٹیوٹ میں ہی پڑھنا چاہتا ہوں۔۔''

''تو دفع ہو جاؤ اس گھر سے اور میری زندگی سے اور بھول جانا کہ میں کاروبار میں تم جیسے کافروں کو کوئی حصہ بھی

دوں گا۔۔'' بھیا اشتعال میں تھے۔میں نے ادب سے سر جھکا نے سامان باندھا اور چلا آیا۔ بھابھی بہت روئی چلائی، مگر نہ بھیا نے مجھے روکا اور نہ ہی میں نے رکنا چاہا۔ بھابھی نے ماں بن کر مجھے پالا۔۔۔اپنی اولاد کی طرح سمجھتی تھی مجھے۔ان کا کیا قصور ہے۔۔؟قصور کسی کا بھی نہیں دراصل عشق میں پہلی آزمائش ہے ابھی اور کٹھن مرحلے جانے کتنے آئیں گے۔دوستوں نے بہت کہا ہمارے گھر رہو مگر میں کسی کے لیے بوجھ نہیں بننا چاہتا تھا۔کرایے کا کمرہ تلاش کرتے کرتے تھک کر سڑک کنارے پڑے بینچ پر بیٹھ گیا۔بابا جی میرے پاس آئے اور پوچھنے لگے۔

''نکل پڑے ہو منزل کے لیے۔۔''

''جی بابا جی۔۔۔دعا کیجیے ثابت قدم رہوں۔۔''

''انشاءاللہ۔۔تمہیں منزل ضرور ملے گی۔۔''انہوں نے کہا

''چلو آؤ، میں تمہیں رہنے کی جگہ بتاتا ہوں۔''

بابا جی چل پڑے۔میں ان کے پیچھے چل دیا۔انہوں نے ایک پرانا گھر جس کے دروازے پر لگا تالہ بھی زنگ آلود تھا۔بابا جی نے کھولا۔گھر میں سامان ایسا پڑا تھا جیسے ابھی ابھی کسی نے استعمال کیا ہو۔انہوں نے کمرے میں لے جا کر چارپائی جھاڑ کر بستر بچھا کے مجھے لیٹنے کو کہا۔

''بابا جی یہ گھر آپ کا ہے۔۔؟''میں نے حیرانگی سے پوچھا

''ہاں۔۔''''لیکن آپ یہاں نہیں رہتے کیا۔۔''

''نہیں مگر اب رہوں گا ناں۔۔''

''پہلے کیوں نہیں رہتے تھے آپ''

میرا بیٹا اور میری بیوی جب حادثے میں شہید ہوئے تب سے میرا جی نہ لگا اب مجھے میرا بیٹا مل گیا ناں ضرور رہوں گا یہاں۔۔''ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے

''کب ہوا تھا یہ سب۔۔؟''''پانچ سال پہلے۔۔''

''آپ پانچ سال سے اس گھر میں نہیں آئے۔۔''میں نے حیرت سے کہا

''مجھے نفرت سی ہو گئی ہے آسائشوں سے۔۔۔زندگی مٹ جاتی ہے اور ہم نفس کی غلامی میں اسے تباہ برباد کر دیتے ہیں۔۔خیر تم سو جاؤ باقی باتیں صبح کریں گے''بابا جی چلے گئے ہیں۔واقعی اللہ کی راہ میں مشکلات کا سامنا کرنے

کے لیے نکلو تو سبھی اللہ آسانیاں خود پیدا کر دے گا۔ الحمدللہ

۲۸ ستمبر

آج میری دوست رمشا نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں داتا دربار منت مانوں، ننگے پاؤں پیدل جا کر چادر چڑھاؤں تو وہ مجھے مل جائے گا۔ میں نے تو کبھی پیدل تھوڑا سا بھی سفر نہیں کیا یہ تو بہت ہی کٹھن ہو گا مگر میں ہر کٹھن مرحلے سے گزرنے کے لیے تیار ہوں بس وہ مجھے مل جائے۔ میں دیر نہیں کروں گی کل ہی جاؤں گی اور منت پوری کروں گی۔ ہر اس قرب سے گزرروں گی جو عشق نے میرے لیے تیار رکھا ہوا ہے۔ پھر وہ مجھے مل جائے گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ممی ڈیڈی سے اس بات کا ذکر نہیں کیا ڈر لگتا ہے وہ کوئی راہ میں رکاوٹ نہ حائل کر دیں۔ عشق میں آئی آزمائشیں پوری کروں گی تا کہ مجھے میرا معشوق مل جائے۔ اگر اسے پانے کے لیے میرا تباہ ہونا ضروری ہے تو مجھے قبول ہے میں انگاروں سے گزرنے کو تیار ہوں اگر وہ مجھے مل جائے تو۔۔۔ کل میں داتا صاحب کے دربار گھر سے ننگے پاؤں چل کر جاؤں گی، وہاں چادر چڑھاؤں گی اور دیگ دوں گی۔ یہ عمل مجھے سات دن تک کرنا ہو گا، حرا نے کہا تھا سات دن کی منت پوری کرو گی تو مل جائے گا ہاں میں پوری کروں گی۔

۲۹ ستمبر

دو دن بعد انسٹیوٹ گیا بہت سکون ملا، دو دن جو نہیں گیا تو مجھے لگ رہا تھا جیسے میں زندہ لاش ہو گیا۔ صبح صبح بابا جی ہوٹل سے کھانا لائے مجھے کھلایا، پھر میں مزدوری کی تلاش میں نکل گیا۔ مجھے نوکری چاہیے۔ مجھے آج علم ہوا بابا جی کی پینشن بھی ہے۔ وہ آئیر فورس کے محکمے میں آفسر رہے ہیں مگر دنیا میں ان کا جی نہیں لگتا۔ وہ کہتے ہیں میرا سب تمہارا ہے پھر کیوں نوکری کرو، پڑھو، حق کی راہ پر چلو اسے پہچانو۔ مگر میں ایسا نہیں کرنا چاہتا اپنے ہاتھ سے کمانا چاہتا ہوں۔ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کو بھی تو یہی پسند ہے ناں کہ محنت کر کے کمائی جائے میں بھی اپنے ہاتھ سے کمانا چاہتا ہوں۔ بابا جی میری بات سن کر خاموش ہو گئے۔ نوکری کے لیے جگہ جگہ بھٹکا مگر نہیں مجھے نوکری نہیں ملی۔ میں نے نہ تو بھیا کا نام لیا اور نہ ان کی کمپنی کا۔۔۔ نام لیتا تو لوگ سر پر بٹھا لیتے مگر میں چاہتا تھا میری قابلیت پر مل جائے مگر آجکل کون قابلیت دیکھتا ہے۔ تھک ہار کر پھر میں ادارے میں تعلیم حاصل کرنے گیا۔ معلم نے نہ آنے کی وجہ پوچھی۔

"سر! کچھ لوگ آپ کو کافر سمجھتے ہیں اور میں آپ کو سچا مسلماں سمجھتا ہوں جانے آپ کیا ہیں لیکن میں حق یعنی قرآن

پاک کے لیے پھر لوٹ آیا ہوں۔۔'' میری بات سن کر وہ مسکرا دیے۔انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ سچے اور اچھے لوگوں کو صفائی کی کیا ضرورت تھی جب سچائی ان کے ایک ایک عمل سے جھلکتی تھی۔ سبق شروع کیا گیا میرے دو لیکچر رہ گئے تھے وہ میں نے رات کو لیکچر ڈاؤنلوڈ کر کے سن لیے تھے۔ آج کا سبق شروع ہوا۔

''حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کیا کرو اور نہ حق کو چھپاؤ۔ تمہیں تو خود اس کا علم ہے۔اور نمازوں کو قائم رکھا کرو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو۔'' سورۃ بقرہ (آیت ۴۲۔۴۳)

یہودی حق اور باطل کو خلط ملط کر دیا کرتے تھے، کبھی حق کو چھپا لیا کرتے تھے کبھی باطل کو ظاہر کیا کرتے تھے اور حق کو کھول کھول کر بیان کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ لہٰذا انہیں ان ناپاک عادتوں کو چھوڑنے کو کہا گیا۔ میں یہ سوچتا رہا ہم بھی تو یہی کرتے ہیں ناں۔ کسی کو کافر بنانے کے لیے اس کی اچھائیوں پر پردہ ڈال کر برائیاں ظاہر کرتے ہیں چاہے وہ اسکی معافی بھی مانگ چکا ہو۔ ہم خواہ مخواہ کے دین کے ٹھیکیدار۔۔۔

''کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو۔؟ اور خود اپنے تئیں بھول جاتے ہو۔؟ باوجود یہ کہ تم کتاب تو پڑھتے ہو۔ کیا اتنی بھی تم میں سمجھ نہیں۔''

یہاں ذکر کہے اور نہ کرے کا ذکر آیا۔ ہم اکثر خود عمل کریں نہ کریں دوسروں کو نصیحت ضرور کرتے ہیں۔ اپنے گریبان میں جھانکتے ہی نہیں۔ یہودی بھی اسی طرح کیا کرتے تھے اور ہم بھی یہی کرتے ہیں۔ ہم میں اور ان میں فرق کیا ہوا۔؟ نام کے مسلمان ہیں پھر۔۔۔ پھر اللہ سے عشق کیسے ہو سکتا ہے جب دل میں چور ہو تو۔؟ اللہ اسے نہیں ملتا جس کے دل میں کھوٹ ہوگی۔ اور یہ منافقانہ علامت ہے اللہ منافقوں کو پسند نہیں کرتا۔ یہاں ایک بات یہ بھی بتائی گئی کہ یہ نہ کہیے کہ انہیں اچھی بات کہنے پر برا کہا گیا بلکہ خود نہ کرنے پر برا کہا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو عالم لوگوں کو بھلائی سکھائے اور خود عمل نہ کرے اس کی مثال چراغ جیسی ہے کہ لوگ اسکی روشنی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں مگر وہ خود جل رہا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے معراج والی رات دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں، میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں یہ آپ کی امت کے خطیب، واعظ اور عالم ہیں جو لوگوں کو بھلائی سکھاتے تھے مگر خود نہیں کرتے تھے، علم کے باوجود سمجھتے نہیں تھے۔

بات صرف مولویوں تک نہیں ہماری اپنی زندگی کی بھی ہے ہم اٹھتے بیٹھتے لوگوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں حالانکہ ہمارے اپنے اندر کچھ نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک شخص نے کہا حضرت میں بھلائیوں کا کام کرنا اور

برائیوں سے لوگوں کو روکنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا، کیا تم اس درجے تک پہنچ گئے ہو۔؟ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا اگر تم ان تین آیتوں کی نصیحت سے نڈر ہو گئے ہو تو شوق سے وعظ شروع کرو۔ اس نے پوچھا وہ تین آیتیں کیا ہیں۔؟ آپ نے فرمایا ایک ''کیا تم لوگوں کو بھلائیوں کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے تئیں بھولے جا رہے ہو، دوسری ''کیوں تم وہ کہتے ہو جو خود نہیں کرتے، اللہ کے نزدیک یہ بڑی ناپسندیدہ بات ہے کہ تم وہ کہو جو خود نہ کرو۔ تیسری آیت حضرت شعیب کا فرمان ''یعنی میں جن کاموں سے تمہیں منع کرتا ہوں، ان میں تمہاری مخالفت کرنا نہیں چاہتا میرا ارادہ اپنی طاقت بھر اصلاح کرنا ہے''۔ کہو تم ان آیتوں سے بے خوف ہو۔؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا پھر تم اپنے نفس سے شروع کرو۔

آج کے سبق نے تو رلا کر رکھ دیا ہے۔ اف ہم کیا ہیں۔؟ میں عشق کیسے حاصل کر سکتا ہوں۔؟ میں تو خود ہی ابھی اپنے سے لڑ رہا ہوں۔؟ ہم خواہ مخواہ واعظ بن جاتے ہیں اور سوچتے تک نہیں اللہ ناراض تو نہیں ہوتا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہمیں اپنا دیدار قیامت کے دن اس لیے نہ کروائیں کہ ہم نے جو دوسروں کو تلقین کی وہ خود عمل نہیں کیا۔ ہم کیوں نہیں سوچتے۔۔۔؟

آج کے سبق کے دوران مجھ پر کپکپی طاری رہی۔۔ میں بھی تو یہی کرتا ہوں خواہ مخواہ دوسروں کا راستہ دکھانا شروع کر دیتا ہوں اپنا راستہ معلوم ہی نہیں۔ یا میرے اللہ مجھے معاف کر دے میں اس قابل ہی نہیں کہ تجھ سے عشق کر سکوں۔۔۔ میری اوقات ہی نہیں۔۔۔ میں تو نفرت کے ہی قابل ہوں۔

درس لینے کے بعد گھر واپس آیا تو کچھ کھانے کو بھی جی نہیں چاہا، بابا جی کو تفصیل بتائی تو وہ بھی رونے لگے اور کہنے لگے سچ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جہنم میں عالم جائے گا، جو منبر پر بیٹھ کر علم سکھاتا رہا اور اس کے پاس عمل کوئی نہیں تھا۔ آج نیند بھی نہیں آ رہی، بھیا بھابھی بہت یاد آ رہے ہیں پتا نہیں انہوں نے مجھے یاد کیا بھی ہو گا یا نہیں۔؟

۲۹ ستمبر

میرے پاؤں سوجے ہوئے ہیں، چھالے پڑ چکے ہیں درد سے میری جان نکل رہی ہے۔ ممی نے وجہ پوچھی میں نے بھی سچ بتا دیا آخر محبت کرتی ہوں اور محبت میں مانی گئی تھی منت۔۔۔ محبت میں کوئی بھی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ ممی ڈیڈی نے میری حماقت پر مجھے خوب سنائی۔ میں بھی کیا کروں مجھے اسے حاصل کرنا ہے چاہے جو بھی ہو۔ میں اسے پا کے رہوں گی۔۔۔ میں محبت میں ہر اس آگ میں گرنے کے تیار ہوں جو مجھے میرے محبوب سے ملا دے

جو مجھے اس تک لے جائے جو میرا تھا میرا ہے وہ جسے پا کر مجھے سکون ملے گا۔

؎ تیرا عشق نچاوے گلی گلی

۳۰ ستمبر

بابا جی میرا اتنا خیال رکھتے جیسا کبھی کسی نے رکھا ہی نہیں۔ کھانا بناتے حتیٰ کہ کپڑے تک میں دھوؤں گا مگر میں دھونے نہیں دیتا خود دھوتا ہوں، گھر کی صفائی میں کوشش کرتا ہوں جلدی جلدی کرلوں جب وہ نہ ہوں تو ورنہ وہ ایسے لگے رہتے اور مجھے ذرہ کام نہیں کرنے دیتے۔

کل کی طرح آج بھی ناکام لوٹا۔ کوئی نوکری نہیں ملی۔ کیا کروں۔؟ سوچ رہا ہوں مزدوری کرلوں کسی کمپنی میں آفس میں نوکری تو مجھے ملنی نہیں۔ مجھے اپنے ہاتھ سے کمانا ہے میرے اللہ کی خوشی ہے ناں اس لیے مجھے کمانا ہے چاہے کچھ بھی ہو۔ خیر سڑکوں پر مارا ماری کرنے کے بعد کلاس لی تو کچھ سکون ملا۔

جب میں اپنے مالک کا کلام سنتا ہوں ناں تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے اللہ صرف مجھ سے مخاطب ہے، میرے مسائل کو حل کررہا ہے مجھے سمجھا رہا ہے کہ یوں چلو گے تو فائدہ رہے گا یوں چلو گے تو نقصان ہوگا حالانکہ پیغام سب کے لیے ہے۔ آج معلم صاحب نے سبق شروع کیا۔

"صبر اور نماز کے ساتھ طلب کرو۔ یہ بڑی چیز ہے مگر ڈر رکھنے والوں پر۔ جو جانتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے اور اسی کی طرف لوٹ جانے والے ہیں۔" آیت میں ہمیں حکم دیا گیا کہ تم دنیا اور آخرت کے کاموں پر نماز اور صبر کے ساتھ مدد طلب کیا کرو۔ اس آیت میں صبر سے مراد گناہوں کا رک جانا بھی ہے۔

برائی سے رکنا بہت بڑا صبر ہے۔ یعنی جب ہمارے سامنے برائی ہورہی ہو تو ہم اس سے رکتے نہیں کیونکہ ہم بے صبر ہیں صبر والے وہی ہیں جو برائی کو سامنے پا کر بھی اس طرف مائل نہ ہو۔ ہم تو جو دیکھتے ہیں اسی طرف بس یہی کرنا ہے استغفار۔۔

ہماری مثال تو بچوں کی طرح ہے جس طرح اسے ہر کھلونے کو دیکھ کر دل کرتا یہ بھی لینا یہ بھی لینا اڑتے جہاز کی بھی خواہش کرتا، آسمان پر چمکتے چاند کی بھی حالانکہ بہت سے جان کے لیے خطرناک بھی ہوتے ہیں۔

بچے تو نادان ہوتے ہیں ہم نادان تو نہیں ناں ہمیں تو خوب پتا ہے کیا بہتر اور کیا نقصان دہ ہے مگر ہم وہ عجیب لوگ ہیں جو پیسے دے کر جہنم خرید لیتے ہیں مگر مفت اللہ کو خوش کر کے جنت نہیں لینی۔

''اے اولادِ یعقوب میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی۔''

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار انعامات تھے مگر وہ پھر بھی ناشکری کرتے تھے۔ ہم بھی کہاں اس کی نعمتوں کو یاد کرتے ہیں۔ یاد ہیں تو ہمیں اپنی تمنائیں اپنی خواہشیں جدھر ہمارا نفس ہمیں ورغلاتا ہے ادھر چلے جاتے ہیں۔

''اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی کسی کو نفع نہ دے سکے گا اور نہ شفاعت اور سفارش قبول ہوگی اور نہ کوئی بدلہ اور نہ فدیہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے۔''

حشر کا منظر جب سامنے ہوگا۔؟ تو کیا ہوگا۔؟ ہم کیوں نہیں سمجھتے۔

وہاں تو کوئی کام نہیں آئے گا چاہے وہ دولت ہو یا شہرت، رشتے ہوں یا کسی بڑے کی سفارش۔۔ وہاں صرف اعمال ہوں گے پاس۔۔ میرے پاس کیا ہے۔؟ کچھ بھی تو نہیں محض ندامت کے۔۔ اک عمر گزاری گمراہی میں۔۔ اللہ مجھے تو اپنا نیک بندہ بھی نہ کہتا ہوگا اور میں عاشق بننے چلا تھا۔ عاشق میرے جیسے نہیں ہوتے۔

''اور جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی جو تمہیں بدترین عذاب کرتے تھے، وہ تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے اس نجات دینے میں تمہارے رب کی مہربانی تھی۔ اور جب ہم نے تمہارے لیے دریا چیر دیا اور تمہیں اس سے پار کر دیا اور فرعونیوں کو تمہاری نظروں کے سامنے اس میں ڈبو دیا۔''

اللہ پاک بنی اسرائیل کو اپنے احسانات یاد کروا رہے ہیں۔

ہم میں اور ان میں کیا فرق ہے ہم کب اللہ کے کسی احسان کو یاد رکھتے ہیں، بھولے سے شکر بھی ادا نہیں کرتے۔

اپنی انا اور تکبر میں اس قدر جکڑے ہوئے ہیں کہ ہمیں کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔

ہماری میں ہی میں ہے۔ باباجی اکثر کہا کرتے ہیں کہ

''جس انسان میں ''میں'' ہے وہ عشق نہیں کر سکتا۔۔''

ایک دن میں نے پوچھا

''باباجی یہ ''میں'' کیا ہوتی ہے۔؟

کہنے لگے

''بیٹا! میں انسان کا وہ اندر ہے جہاں انسان اپنے سوا کسی اور کو قبول نہیں کرتا۔

کئی بار انسان اس "میں" کے چنگل میں اپنے رب سے بھی انا کی جنگ کر لیتا ہے"

"عشق اور میں متضاد ہیں۔؟"

"ہاں! بالکل الٹ۔۔ان کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں ہے عشق پانی تو میں آگ۔۔۔

"پھر "میں" کیسے ختم ہوگی۔؟"

"اپنی ہر دنیاوی پسند پر پانی پھیر دو، جب بھی خیال آئے تو کہو میرا اللہ بھی چاہتا ہے کہ میں اسے ترک کر دوں۔۔پھر تم عشق پاؤ گے۔"

بظاہر یہ نسخہ اتنا آسان سا ہے مگر ہے بہت مشکل۔۔۔دور کے ڈھول سہانے۔۔۔خیر چل رہے ہیں ہم جو اللہ کو منظور ہوا تو ہمیں بھی وہ مل جائے شاید۔۔۔

۱۵ اکتوبر:

سات دن میری منت کے پورے ہو گئے، مجھ سے اٹھ کر کھڑے بھی نہیں ہوا جا رہا ہے مگر وہ پھر بھی نہیں ملا۔۔آج میں چلا چلا کر روئی۔داتا دربار پر رو رو کر کہا مجھے وہ کیوں نہیں ملتا۔

میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔قریب لوگوں نے سہارا دیا اٹھایا۔دربار سے باہر نکلی تو وہی بابا جی جو اس دن مجھے ملے تھے مجھے غور سے اور حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"لگتا ہے سکون کی تلاش میں اپنا سکون تباہ کر بیٹھی ہو۔۔" ان کی بات سن کر میں بری طرح چونکی۔میں تو بھول ہی بیٹھی تھی یہ سب میں سکون کے لیے کر رہی تھی۔کب عشق ہوا اور کب بھول بیٹھی سمجھ ہی نہیں آئی۔

"میں نے منت بھی پوری کر لی بابا جی پھر بھی وہ نہیں ملا۔۔۔"

"منتیں پوری کرنے سے خواہشیں ملا کرتی ہیں عشق نہیں۔۔" انہوں نے ہلکا سا مسکرا کر کہا

"عشق بھی خواہش ہی تو ہے ناں۔۔"

"نہیں بچے عشق خواہش نہیں، خواہش نفس سے جنم لیتی ہے اور عشق دل سے ان کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔۔" بابا جی نے بتایا

"تو عشق پانے کے لیے کیا کروں۔؟"

"عشق پانے سے پہلے تو یہ تلاش کر کہ عشق حاصل کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔۔"

''میں کہاں تلاش کروں بابا جی

''پہلے یہ سوچ لے کہ کہاں تلاش کروں۔؟''

''بابا جی، آپ بتا دیں ناں پلیز، مجھ جیسی لڑکی کو کیا پتا۔۔۔''

''عشق کے قصے پڑھ، پھر میرے پاس آ۔۔اگلی راہ پھر بتاؤں گا۔۔''

''عشق نے قصے۔؟''میں نے پوچھا

''عشق کے قصے پڑھ کر روزانہ اس کا سبق مجھے آ کر بتایا کر۔۔ میں روزانہ اسی وقت یہاں ہی مل جاؤں گا تمہیں منزل پھر اگا راہ بتلاؤں گا۔''

''اچھا۔۔''میں نے سوچوں میں کھو کر کہا

''زیادہ سوچو نہیں بچے عشق میں عقل کا سہارا نہیں لیتے۔''میں ان کی بات سن کر چلی آئی۔۔۔ابھی انٹرنیٹ سے اور لائبریری سے کچھ کتابیں لائی ہوں پڑھ رہی ہوں۔

پروڈیوسر کالز کر رہے ہیں ماڈلنگ کیوں نہیں کر رہی ارے کیا کروں اس ماڈلنگ کو جہان جی خوش ہی نہیں ہوتا۔۔۔عشق اور عشق کے قصے۔۔۔۔۔۔سرچنگ۔۔۔۔۔

۱۶ اکتوبر

بہت تلاش کی نوکری مگر نہ ملی، ایک سٹور میں شاپ کیپر دو دن کے لیے جو گیا تھا انہوں نے اس لیے نکال دیا کہ تم حد سے زیادہ ایماندار ہو ہمیں ایماندار انسان نہیں چاہیے۔ ہمیں منافع کمانیوالا شخص چاہیے۔

پھر آخر میں نے پٹھان بھائیوں کے ساتھ جا کر پہاڑوں پر آج پتھر توڑے۔

ہاتھوں پہ چھالے پڑے ضرور، کمر میں درد بہت ہے مگر دل میں سکوں ہے۔اللہ پاک مجھ سے یہی چاہتا تھا ناں مگر میں میری ''میں''

مجھے آگے نہیں بڑھنے دیتی تھی۔آخر کار میں نے آج ''میں'' کی زنجیریں توڑ ڈالیں، پاؤں میں پڑی بیڑیاں کاٹ ڈالیں۔میں چلا گیا پھر میں محنت سے آج ۷۰۰ روپیہ کما لایا۔

بابا جی کے ہاتھ میں دیے تو بابا جی اتنے روئے۔کہتے ہیں یوں مت کرو۔لیکن پھر میں نے انہیں سمجھایا کہ اگر میں یہ نہیں کروں گا تو عشق کیسے پاؤں گا۔کلاس لینے گیا تو معلم نے بھی تمام تر ماجرا پوچھا کیونکہ میری حالت تمام تر

حالات بیان کر رہی تھی۔ان کو تمام تفصیل بتائی تو انہوں نے کہا" آپ کسی اپنے فرقے کے درس سے تفسیر پڑھ لیں اور پھر انہی آسائشوں میں چلے جائیں جہاں کوئی پریشانی نہیں۔"

" آپ سے کس نے کہا سر کہ آسائشوں سے پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں،ایسا نہیں ہوتا آسائشیں پریشانیاں بڑھایا کرتی ہیں کم نہیں کرتیں اور جہاں رہا سوال اس فرقے یا اس فرقے کا تو میں عالم بننے نہیں آیا میں عشق کے لیے سبق لینے آیا ہوں،اپنے معشوق کا دیا ہوا سبق پڑھ رہا ورنہ آپکی شریعت سے نہ انکی شریعت سے مجھے سروکار ہے۔ مجھے فی الوقت لگتا ہے

عشق میں بھی سیڑھی چڑھنی ہے اگر اگلی سیڑھی چڑھنے کے لیے اس فرقے میں جانا پڑا تو چلا جاؤں گا مگر عشق کے لیے آسائشوں کے لیے۔۔۔"میں نے احتراماً آہستگی سے کہنے کی کوشش کی تھی۔

"میں نے اس لیے کہا کہ آپ کے اپنے میں وہاں تو آپ کا خون کا رشتہ ہے اپنے بھائی سے آخر۔"انہوں نے کہا"جب خلوص اور پیار ہو جائے تو رشتہ بن ہی جاتا ہے خون کا ایک ہونا ضروری نہیں جیسے باباجی ہیں میرے اپنے،اور جب اپنوں کے غیر بننا ہوتا ہے تو پھر فرقے یا ذاتیں تو محض بہانہ بن جاتی ہیں۔"میں نے کہا

"چلیں کافی دیر ہو گئی سبق شروع کرتے ہیں ہم۔۔"معلم صاحب نے کہا

"عنقریب نادان لوگ کہیں گے کہ جس قبلہ پر یہ تھے اس سے انہیں کس چیز نے ہٹایا۔تو کہہ دے یہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت کر دے۔

ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہو جائیں جس قبلہ پر تم پہلے سے تھے اسے ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا ہم جان لیں کہ رسول ﷺ کا سچا تابعدار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑھیوں پر پلٹ جاتا ہے گو یہ کام مشکل ہے مگر جنہیں اللہ نے ہدایت دی (ان پر کوئی مشکل نہیں)اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان ضائع نہ کرے گا اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔"

بات تحویلِ کعبہ ہی کی نہیں ہے اس بات سے ہمیں بھی سکھایا جا رہا ہے جو حق راستے پر ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ ہدایت عطا کرے گا ان کے ایمان کو بھی پختہ کرے گا۔

(باقی آئندہ ماہ انشاءاللہ)

"کیا جانا ضروری ہے؟" رم جھم کرتے آنسو نہ جانے کیسے ایک پل کے لئے تھم گئے۔ جیسے ہی شاہ ویز نے اپنا چہرہ پھیرا تو پیچھے سے ہاتھ پکڑ کر اس نے گلوگیر لہجے میں استفسار کیا

"اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔۔۔" آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے شاہ ویز نے کہا۔ اس کا دل پلٹ کر ایک بار کنول کا چہرہ دیکھنے کو چاہ رہا تھا مگر وقت کا تقاضا تھا کہ اسے بن دیکھے ہی جانا ہے۔ اگر وہ پلٹ کر ایک بار بھی اسے دیکھ لیتا تو اس کا دل پگھل جاتا۔ اس کے قدم رک جاتے۔۔

وہ فیصلہ جو وہ کر چکا تھا، پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ پاتا۔ اس لئے اسے جذبات پر قابو رکھنا تھا۔ بنا دیکھے اپنا ہاتھ جو وہ اس امید پر پکڑے ہوئے تھی کہ شاید وہ رک جائے، اس کے نازک ہاتھوں سے آزاد کروایا۔ خراماں خراماں کمرے کے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے قدم اس کے فیصلے کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ وہ رکنا چاہتے تھے مگر وہ چل رہا تھا۔ ڈھیلے قدموں کے ساتھ۔ اس کا دل بھی اس سے خفا تھا مگر اسے پرواہ نہ تھی۔

"ایک دن کی خفگی، زندگی بھر کی بدنامی سے بہتر ہے۔" دل نے دلاسہ دیا۔ اس کی آنکھیں، اشک بہا کر اپنا غم ظاہر کرنا چاہتی تھیں مگر وہ ان پر گرفت حاصل کر چکا تھا۔ ان پر بند باندھ چکا تھا۔ آنسوؤں کا ذخیرہ اندھے کنوئیں میں دھکیل چکا تھا اور وہ اندھا کنواں ان آنکھوں سے کوسوں دور تھر کے صحرا میں گم تھا۔

وہ دروازے سے ایک قدم کے فاصلے پر تھا۔ اگلا قدم نہ صرف اسے کمرے سے باہر نکال دیتا بلکہ کنول کی زندگی سے بھی مگر وہ تو پہلے ہی اس کی زندگی سے نکل چکا تھا بس اب اس کی دنیا سے دور جانا باقی تھا۔ اتنی دور کہ کبھی واپسی نہ ہو۔ اس نے اپنی مٹھیاں بند کیں اور پھر وہاں سے چلا گیا۔

"شاہ۔۔۔" ہاتھ بڑھا کر اسے روکنا چاہا مگر وہ جا چکا تھا۔ وہ اس کا نام بھی پورا نہ لے سکی۔ آنکھوں میں آنسوؤں کو

ضبط کیا۔ اس کا ہاتھ ہوا کے پروں پر سوار ہو کر نیچے آ گیا۔ اس کے جانے سے کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ سب لائیٹیں آن تھیں مگر اندھیرا اس کے وجود کو گھیر چکا تھا۔ یہ اندھیرا خلوت کا اندھیرا تھا۔ خاموشی کا اندھیرا تھا۔ دم توڑتی محبت کا اندھیرا تھا۔ وہ محبت جو ابھی اپنے جوبن پر بھی نہیں پہنچی تھی۔

وہ محبت جس کا ذکر ابھی کہانیوں میں آنا باقی تھا۔ وہ محبت جس کی کلیوں کا ابھی پھول بننا باقی تھا۔ وہ محبت جو کنول، شاہ ویز سے کرتی تھی۔ آج اس کا اختتام ہو رہا تھا۔ وہ ہمیشہ کے لئے اسے چھوڑ کر جا رہا تھا اور جانا ضروری تھا۔ اس لئے وہ اسے روک بھی نہیں سکتی تھی۔ نہ منت ساجت کر سکتی تھی، نہ واسطے دے سکتی تھی۔ نہ خوشی خوشی الوالدع کہہ سکتی تھی، نہ اپنے پاس بلا سکتی تھی۔ اس کی آنکھیں، آنسوؤں کے سیلاب کو روکنے میں ناکام ہو گئیں۔ وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ سر پکڑ کر رونے لگی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے رواں دواں تھے۔

''تم بچوں کی طرح رونا کب بند کرو گی؟'' ایک آواز اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔ اس نے سر اٹھایا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ یہ اس کے ماضی کی آواز تھی۔ جو شاہ ویز نے کہی تھی۔ اس نے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں کے پوروں سے پونچھا۔ ایک اعتماد اس کے وجود میں بیدار ہوا۔ وہ یقین کے ساتھ بیڈ سے کھڑی ہوئی اور وارڈ روب کی طرف بڑھنے لگی۔ کچھ سوچتے ہوئے اس کا دروازہ وا کیا اور کپڑوں کو ٹٹولا۔ وہ بے چینی سے کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ کپڑے اُلٹ پلٹ کیے اور آخر کار ایک فوٹو البم اس کے ہاتھ لگا۔

سرخ و سفید رنگ کا کور۔ سبز رنگ کی دھاریاں۔ موتی نما ستاروں سے فوٹو البم جگمگا رہا تھا۔ اس نے فوٹو البم اٹھایا اور دروازہ بند کر کے البم کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ یہ البم اب اس کے لئے پوری زندگی تھا۔ اس کی ایک ایک یاد اس البم میں محفوظ تھی۔ ایک ایک پل جو اس نے شاہ ویز کے ساتھ گزارا تھا، تصویروں کی شکل میں اس کے ہاتھوں میں تھا۔ وہ دوبارہ بیڈ پر آ بیٹھی۔ ایک آنسو جو اس کے رخسار پر چمک رہا تھا۔ اُچھل کر البم کا بوسہ دینے لگا۔ پرنم آنکھوں سے اس نے ہاتھ بڑھایا اور سر ورق پلٹا۔ ایک تصویر تھی۔ جس کے کنارے سرخ ڈوریوں سے سجے تھے۔ ہنستا ہوا چہرہ اس تصویر کی چمک دمک میں اضافہ کر رہا تھا۔ وہ شاہ ویز تھا۔ اس کا شاہ ویز۔ اس تصویر سے اس کی یادوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ وہ تصویر تھی جب اس نے پہلی بار اس کے موبائل سے سیلفی لی تھی۔

اس دن کنول افسردہ کالج کے لان میں بیٹھی تھی۔

وہ اس کا برتھ ڈے تھا مگر ابھی تک شاہ ویز نے اسے وش نہیں کیا تھا۔ وہ اس کی راہ تک رہی تھی۔ ہری ہری

گھاس پر سبز رنگ کا جوڑا اور اس پر سفید موتی بادلوں کے سینے کو چیرتی دھوپ میں دھنک کے ساتوں رنگ کو منعکس کر رہے تھے۔

''روٹھے ہو تم ۔۔۔ تم کو کیسے مناؤں پیا ۔۔۔ بولو نا! ۔۔۔ بولو نا!'' رومانوی انداز میں شاہ ویز گانا گاتے ہوئے اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ ناراض ہے اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کو کیسے منایا جائے۔ مگر کنول نے گردن جھٹکی اور وہاں سے جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پیچھے سے شاہ ویز نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''معصوم چہرے پر اتنا غصہ اچھا نہیں لگتا۔'' اس کی ناک کو پیار سے چھوا ''ایک تو دیر سے آتے ہو اور پھر مجھے ہی سناتے ہو اور اوپر سے پھر تم اتنا اہم دن بھول گئے۔

تم جانتے بھی ہو مسٹر شاہ ویز رضا کہ آج کون سا دن ہے؟'' وہ غصے میں ہمیشہ کی طرح آؤٹ آف کنٹرول ہو گئی تھی اور اپنے دل کی بھڑاس الفاظ کے ذریعے نکال رہی تھی

''آج میرا ۔۔'' اس کے گریبان کو پکڑتے ہوئے کہہ رہی تھی

''آج تمہارا برتھ ڈے ہے ۔۔'' جملہ مکمل کرنے سے پہلے ہی شاہ ویز نے مداخلت کی اور مسکراتے ہوئے کہا

''تم ۔۔۔ تمہیں معلوم تھا ۔۔؟؟'' وہ مصنوعی غصے میں اس پر جھپٹی اور اس کے سینے پر اپنے نرم و نازک ہاتھوں سے وار کیے۔ شاہ ویز مسلسل مسکرا رہا تھا۔ وہ ہمیشہ اس کو اسی طرح تنگ کرتا اور پھر اس کے غصے سے لطف اٹھاتا۔ ایسا نہیں کہ اسے تنگ کرنا پسند تھا بلکہ اس کے غصہ کرنے کے بعد اس کو منانا اس کو ہمیشہ بھاتا تھا۔

''بہت برے ہو تم ۔۔۔'' وہ گردن جھٹکتے ہوئے پیچھے ہٹ گئی'' جیسا بھی ہوں، تمہارا ہوں۔'' مسکراتے ہوئے جواب دیا اور پھر جینز سے سمارٹ فون نکال کر اس کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ ''یہ کیا؟'' اس نے حیرانی سے پوچھا

''تمہارا برتھ ڈے گفٹ ۔۔ ارے اسی کی وجہ سے تو میں اتنا لیٹ ہو گیا۔ تم نے کل کہا تھا نا کہ تمہارا فون خراب ہو گیا ہے، اسی لئے سوچا کہ تمہیں فون ہی گفٹ کروں''

''واؤ ۔۔۔ بہت اچھا ہے ۔۔'' اس کا بخوبی جائزہ لینے لگی جبکہ شاہ ویز سینے پر ہاتھ باندھے مسلسل اس کو دیکھ رہا تھا

''اب اس طرح مجھے دیکھتے ہی رہو گے یا پھر سیلفی بھی لو گے ۔۔'' کنول نے کہا

''میں تو کب سے پوز بنائے کھڑا ہوں مگر تمہارا تو دھیان ہی مجھ سے ہٹ گیا ہے۔'' شوخ لہجے میں کہا۔

''اب زیادہ اوور مت ہو ۔۔۔'' ہنستے ہوئے کہا۔

آج پہلی بار سیلفی بناتے ہوئے شاہ ویز کے چہرے پر عجیب سی کشش تھی۔ جو اس کے چہرے سے بھی واضح ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆......☆......☆......

کنول اور شاہ ویز کوریڈور سے گزر رہے تھے۔ آج صرف اسلامیات کا لیکچر تھا۔ شاہ ویز مسلسل باتیں کیئے جا رہا تھا مگر کنول خاموش تھی۔ اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

''کیا ہوا؟'' جب کنول کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تو اس کے چہرے کو تکتے ہوئے پوچھا

''ہنہ۔'' اس نے زیر لب کہا

''کیا ہوا؟ کن خیالوں میں کھوئی ہوئی ہو؟'' وہ لان میں جا کر بینچ پر بیٹھ گئے

''سر عمران کے الفاظ پر غور کر رہی ہوں۔'' آج سر عمران نے اسلامیات کے لیکچر میں مرد و عورت کے موضوع پر بحث کی تھی۔

''تو اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔ ٹھیک تو کہہ رہے تھے سر۔

آج کل افیئرز بھی تو کتنے بڑھ گئے ہیں۔ ایسے میں لڑکے لڑکی کی دوستی کسی صورت میں جائز نہیں۔''

''پھر ہم ؟؟؟'' اس نے استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ یہ سن کر وہ ایک پل کے لئے خاموش ہو گیا۔

''لیکن ہم تو بہت جلد شادی بھی کر لیں گے نا!'' بنا ویکھے کہا

''لیکن ابھی تو ہم اجنبی ہیں نان!'' اسے پہلی بار ایسا لگا کہ شاہ ویز اس کے لیئے اجنبی ہے

''مگر۔''

''مگر کیا؟ شاہ ویز۔۔۔ اسلام کے قوانین سب کے لئے یکساں ہیں۔ جب دوسروں کی بات تھی تو تم نے کتنی جلدی کہہ دیا کہ لڑکے اور لڑکی کی دوستی جائز نہیں اور جب ہماری بات آئی تو تم نے اپنا بیان ہی بدل دیا۔ یہ مت بھولو ہمارا نکاح ابھی ہونا باقی ہے اور نکاح سے پہلے سب اجنبی ہوتے ہیں'' اس کی دلیل نے شاہ ویز کو بے بس کر دیا۔ وہ تاسف جو پہلے فقط کنول کے چہرے پر تھا اب اس کے چہرے پر بھی کچھ لمحوں کے لئے چھا گیا

''پھر اس کا تو ایک ہی حل ہے۔'' کچھ سوچنے کے بعد اس نے پر اعتماد انداز میں کہا

''کیا؟''

''ہم اب نکاح کے بعد ہی ملیں۔۔۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا

''میں یہاں سنجیدہ ہوں اور تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔۔'' اس گردن جھٹکتے ہوئے کہا

''پھر تو سوچنا پڑے گا کہ کیا کیا جائے؟؟'' ایک پل کے لئے خاموشی نے آگھیرا

''میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔'' کنول نے برجستہ کہا

''کیا؟'' اس نے پوچھا

''ہم نکاح کرلیں۔'' یہ سنتے ہی شاہ ویز سوالیہ نظروں سے اس کو دیکھنے لگا۔

''تمہیں پتا بھی ہے، تم کیا کہہ رہی ہو؟'' شاہ ویز ایک لمحے کے سا کت رہا۔ اسے کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا ردعمل ظاہر کرے۔ ''میں جانتی ہوں کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ دیکھو شاہ ویز نکاح تو ہم نے کل بھی کرنا ہے تو پھر آج کیوں نہیں؟'' وہ اسے سمجھانے کی کوشش کررہی تھی

''کنول۔۔تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ ہمارے گھر والے۔۔۔

وہ کیا سوچیں گے ہمارے بارے میں؟ اور یہ نکاح کا آئیڈیا تمہارے ذہن میں آ بھی کیسے گیا؟'' اسکا تاثر سنجیدہ تھا

''گھر والوں کو تب پتا چلے گا نا جب ہم بتائیں گے۔ ابھی ہم انہیں کچھ بھی نہیں بتائیں گے۔ جس طرح ہی آخری سمیسٹر ختم ہوگا۔ ہم اپنے گھر والوں سے بات کرلیں گے۔''

''لیکن نکاح کو چھپانا کیا ٹھیک رہے گا؟'' اس کے لہجے میں نرمی آگئی

''یہ میں نہیں جانتی، مگر میں تم سے ملے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتی۔

اسی لئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے تاکہ ہم آسانی سے مل بھی سکیں اور کوئی گناہ بھی نہ ہو۔'' اس نے جیسے اس مسئلے کا حل نکالا تھا مگر آنے والے حالات کی کس کو خبر تھی؟

''ایک بار پھر سوچ لو۔۔''

''میں نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہارا مجھ سے دل بھر گیا'' اس کا انداز استفہامیہ تھا

''کنول۔۔۔ ایسا سوچ بھی کیسے لیا تم نے۔'' کنول کی اس بات نے اس کو بہت ٹھیس پہنچائی۔

''پھر کیوں نکاح سے منع کررہے ہو؟''

''میں نکاح کرنے سے منع نہیں کررہا۔ میں تو بس یہ کہہ رہا تھا کہیں اس نکاح کو چھپانا ہمیں مہنگا نہ پڑ

جائے۔۔'' اس نے اپنے خدشہ سے آگاہ کیا مگر کنول کہاں سننے والی تھی؟ شاہ ویز کی خاطر وہ کوئی بھی خطرہ مول لینے کے لئے تیار تھی۔

'' کچھ نہیں ہوتا اور اگر کوئی مشکل آئی بھی تو تم ہونا میرے ساتھ۔

جب تک ہم دونوں ساتھ ہیں، ڈٹ کر مقابلہ کریں گے ہر مشکل کا۔'' کچھ سوچنے کے بعد اس نے بھی اثبات میں گردن ہلادی۔ جس پر کنول کے چہرے کی رونق دوبارہ لوٹ آئی۔

یونیورسٹی سے لوٹتے ہوئے شاہزیب اور کنول نے گھومنے پھرنے کا فیصلہ کیا۔ آج ان کے نکاح کو ایک ماہ ہو چکا تھا۔ دونوں بہت خوش تھے۔ کار میں دونوں خوب ہنسی مذاق کر رہے تھے۔

جناح گارڈن میں پھولوں کی نمائش لگی ہوئی تھی۔ دونوں نے وہاں جانے کا فیصلہ کیا۔ رنگ برنگے پھول، بھینی بھینی خوشبو، قوس قزاح کے رنگ بکھیرتی تتلیاں ماحول کو دلکش بنارہی تھیں۔ گارڈن کے ایک بلاک میں بالکل خاموشی تھی۔ دونوں وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے۔

'' دیکھا! تم ایسے ہی ڈر رہے تھے، کچھ ہوا؟'' کنول نے اپنی زلفوں کو سمیٹتے ہوئے کہا جو ہوا کے جھونکوں سے بکھر رہی تھیں

'' اچھا جی! اب سارا الزام مجھ پر ڈال دو۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا سر کنول کی گود میں رکھ لیا

'' یہ کیا کر رہے ہو؟'' کنول نے فوراً پوچھا

'' اپنی پیاری سی بیوی کے پہلو میں سر رکھ رہا ہوں۔'' رومانوی انداز میں کہا

'' اگر کسی نے دیکھ لیا تو۔۔''

'' تو کیا۔۔۔ بیوی ہو تم میری۔ اتنا تو حق بنتا ہے میرا'' شاہ ویز کی بات پر اس کے چہرے پر ایک سرخی نے جنم لیا۔ ایک نظر شاہ ویز کو دیکھنے کے بعد پھولوں کی رعنائی میں کھو گئی تبھی اسے کچھ یاد آیا

'' یاد آیا۔۔۔ کل میں یونیورسٹی نہیں آؤں گی۔ کل آفرین آپی آرہی ہیں انگلینڈ سے''

'' اچھا۔۔ اس کا مطلب ہے کہ ہمیں کل آپ کے دیدار سے محروم ہونا پڑے گا'' قدرے مایوسی سے کہا

'' اب کیا کریں۔۔۔؟ محروم تو ہم بھی نہیں ہونا چاہتے اپنے سرتاج کے دیدار سے لیکن بہن زیادہ امپورٹنٹ ہے

ناں!" تمسخرانہ کہا

"ٹھیک ہے، مگر ہم آپ کے دیدار سے محروم نہیں رہ سکتے، ہم تو آپ کا دیدار کر ہی لیں گے۔" رومانوی آنکھوں سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا

"کیا مطلب۔؟"

"مطلب آپ کو کل معلوم ہو جائے گا"

وہ کمرے میں داخل ہوا۔ آنکھوں میں نمی تھی۔ دل میں پچھتاوا۔ قدم لرزیداں۔ دروازہ بند کرنے کے بعد وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ آنکھوں نے اپنا ضبط کھو دیا۔ وہ اس لمحے کو کوس رہا تھا جب وہ کنول کے گھر گیا تھا۔ اس ایک ملاقات نے ان کی زندگی میں جو ہلچل مچائی، اس کی گونج آج بھی ان کی زندگی میں سنی جا سکتی تھی۔ وہ رو رہا تھا۔ ہاتھ زمین پر بے جان ہو کر گر پڑے۔ وہ وہاں سے جانا نہیں چاہتا تھا مگر اسے جانا تھا۔ اگر نہ جاتا تو اس کا ضمیر کبھی اسے معاف نہ کرتا۔ ایک نکاح کو چھپانے سے ان کو اتنے بڑے طوفان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ مگر اب کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

طوفان اپنی تباہی مچا کر تھم چکا تھا۔ زندگی کی ٹوٹی پھوٹی یادیں اب سمیٹنا باقی تھیں۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اس دن کا ایک ایک پل اس کی آنکھوں کے سامنے محو رقص تھا۔ وہ کسی بہانے سے کنول کے گھر گیا تھا۔ گھر میں کنول کی والدہ زینت بیگم جو اس کی خالہ تھی اور آفرین موجود تھیں۔

کنول اپنے والد کے ساتھ بازار گئی ہوئی تھی۔ زینت بیگم اور آفرین اس کو وہاں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ چونکہ آفرین انگلینڈ سے پانچ سال بعد واپس آئی تھی، اس لئے وہاں کا عکس اس میں نمایاں تھا۔ وہ کوئی بات کرنے میں آڑ محسوس نہیں کرتی تھی۔ اس کو پہلی نظر میں ہی شاہ ویز پسند آ گیا۔ وہ نظریں جھکائے کنول کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ بس اس کے دیدار کے لئے آیا تھا مگر انتظار لمبا ہو گیا۔ وہ خاموش نگاہوں سے ٹیبل پر پھولوں کو دیکھنے لگا۔ زینت بیگم کام کاج میں مصروف ہو گئیں۔ آفرین اس کے سامنے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھی رہی۔ وہ اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی جھکی نگاہیں اس کے دل کو بھانے لگیں۔ وہ اس کی خاموشی سے لطف اٹھا رہی تھی۔ ایک گھنٹے کے انتظار کے بعد وہ گھر لوٹ آئی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے سے بات کرتے آفرین

کنول کو کچن میں لے گئی۔ شاہ ویز پانی پینے کے بہانے سے ان کے پیچھے گیا مگر وہ اندر داخل نہ ہو سکا۔ اس کے قدم کچن کے دروازے سے ہی پلٹ آئے۔ آنکھوں میں نمی آ گئی۔

''کنول۔۔ کنول۔۔۔ مجھے یقین نہیں ہو رہا کہ میرا لوٹنا اتنا اچھا شگون ثابت ہوگا کہ اگر مجھے پتا ہوتا تو میں پہلے ہی لوٹ آتی۔ ممی پاپا ہمیشہ میرے رشتے کے بارے میں پریشان رہتے تھے ناں۔۔ آج ان کی ٹینشن ختم ہونے والی ہے میں ان کو ہاں کرنے والی ہوں اور تم جانتی ہو وہ لڑکا کون ہے جس نے پہلی نظر میں ہی میرا دل چرا لیا؟ وہ شاہ ویز ہے۔ شگفتہ خالہ کا بیٹا۔۔'' یہ الفاظ تیر کی طرح دل پر جا کر لگے۔ اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔ کچھ کہے بغیر وہ وہاں سے چلا گیا۔ آنکھیں سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی نابینا تھیں۔ واپسی پر اس کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ اس کا دل بوجھل ہو چکا تھا۔ گھر لوٹنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں جا کر اوندھے منہ لیٹ گیا۔

ساری رات وہ روتا رہا۔ صبح ہوتے ہی اس نے فیصلہ کیا کہ وہ سب کو سچ بتا دے گا۔ اپنے نکاح کی سچائی وہ سب کے سامنے لے آئے گا۔ مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ آفرین نے اپنے گھر والوں کے سامنے اپنے دل کی بات رکھ دی تھی اور انہوں نے بھی اس نیک کام میں دیر نہیں کی۔ رات ہوتے ہی انہوں نے شاہ ویز کے گھر والوں سے بات کر لی۔ ایک بار پھر اسے مایوسی کا سامنا ہوا۔ ان کے سامنے وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ یونیورسٹی میں اس نے کنول سے بات کی ''یہ کیا ہو رہا ہے کنول؟'' اس کا دل افسردہ تھا

''میں خود نہیں جانتی۔۔۔'' وہ خود بھی بے بس تھی۔

''لیکن جو کچھ ہو رہا ہے نا! کچھ ٹھیک نہیں ہو رہا۔ اب ان سب کا صرف ایک ہی حل ہے کہ ہم اپنے رشتے کا سچ سب کو بتا دیں۔'' اس نے صاف صاف کہہ دیا

''نہیں شاہ ویز۔۔ تم ایسا کبھی مت کرنا۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے

''مگر کیوں؟'' اضطراب سی کیفیت میں اس نے کنول کی طرف دیکھا

''آفرین آپی اتنی مضبوط نہیں ہے کہ وہ سب کچھ جاننے کے بعد نارمل رہیں۔

وہ پانچ سال تک ہم سے دور رہی ہیں۔ اب اگر انہیں یہ سچائی معلوم ہوگئی تو ایک بار پھر ہم انہیں کھو دیں گے۔''

''تو پھر کیا ہم خاموش تماشائی بن کر سب کچھ دیکھتے رہیں۔ اور جو کچھ ہو رہا ہے ہونے دیں۔''

''ہاں۔۔!'' آنسو پیتے ہوئے جواب دیا

''تم جانتی بھی ہو تم کیا کہہ رہی ہو۔ تم میری بیوی ہو اور آفرین تمہاری بہن۔ دو بہنیں ایک ساتھ ایک ہی آدمی کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں اور سب سے بڑھ کر میں تمہارے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ چاہے وہ تمہاری بہن ہی کیوں نا ہو۔'' اس کے وجود کو جھنجوڑتے ہوئے کہا

''مگر تمہیں ایسا کرنا ہوگا، میری خاطر۔۔'' اس کے ہاتھوں کو پیچھے کر دیا

''کنول، تم سمجھنے کی کوشش کرو، میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اور ہمارے نکاح کے وقت تم نے شریعت کو سامنے رکھا تھا نا۔ وہی شریعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ایک آدمی بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں رکھے۔'' وہ اس کو دلائل کی روشنی میں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا

''ایک حل ہے۔'' اشکوں کو ضبط کرتے ہوئے کہا

''کیا؟؟'' خفگی سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا

''تت۔۔۔تم۔۔۔ مجھے طلاق دے دو۔'' دل پر پتھر رکھ کر وہ یہ الفاظ کہنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ یہ الفاظ بجلی بن کر شاہ ویز کے وجود پر گرے تھے۔

''کنول۔۔۔تم جانتی بھی ہو یہ کیا کہہ رہی ہو۔؟'' ہکلاتے ہوئے پوچھا

''ہاں۔'' اس نے منہ پھیر لیا

''دیکھو شاہ ویز! میں یہ خوشی سے نہیں کہہ رہی مگر یہی صحیح رہے گا۔ ہم دونوں کی گھر والے بہت خوش ہیں۔ اس نئے رشتے سے ان کی کئی امیدیں وابستہ ہیں۔ اگر آج ہم انہیں اپنے رشتے کا سچ بتا دیں گے تو وہ ٹوٹ کر بکھر جائیں گے یا شائد ہمارے رشتے کو قبول ہی نہ کر سکیں گے'' بے قرار آنکھوں سے آنسو نکلنا چاہتے تھے مگر وہ ان کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔

''نہیں کرتے تو نہ کریں مگر میں تمہیں کبھی چھوڑ نہیں سکتا۔ تم میری زندگی ہو۔ میری شریک حیات ہو۔ تم پر میرا پورا حق ہے۔''

''مگر تمہارے علاوہ میری ذات پر میرے والدین کا بھی حق ہے۔ اور میں اس حق کو تم پر ترجیح دیتی ہوں'' پلٹ کر کہا۔ یہ الفاظ کہنے میں اسے جس ہمت کا مظاہرہ کرنا پڑا، اس نے اسے مزید توڑ دیا۔ وہ اب مزید کچھ کہنے کی حالت میں نہ تھی۔ اب اگر وہ ایک پل کے لئے بھی وہاں رکتی تو اپنا فیصلہ بدل لیتی۔ مگر اسے اپنے فیصلے پر قائم رہنا تھا۔

''شاہ ویز! اگر تم نے ایک گھڑی بھی مجھ سے سچی محبت کی ہے تو تمہیں اس گھڑی کا واسطہ مجھے طلاق دے دو۔'' یہ کہہ

کر وہ وہاں سے چلی گئی اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ دونوں کی آنکھوں سے اشک رواں تھے۔ دونوں مجبور تھے۔ رشتوں کی کسوٹی سے گزرتے ہوئے اپنے رشتے کو قربان کر رہے تھے۔ جاتے ہوئے اس نے جس گھڑی کا واسطہ دیا۔ وہ اس کو کیسے رد کر سکتا تھا۔ ایسی کوئی گھڑی نہ تھی جب اس نے کنول کو یاد نہ کیا ہو۔ اس کا نام نہ لیا ہو۔ اس کے بارے میں سوچا نہ ہو۔ مگر آج وہی محبت اس کی کمزوری بن گئی تھی۔ وہ محبت کے ہاتھوں مجبور تھا۔ دل افسردہ تھا مگر اسے مسکرانا تھا۔ اپنوں کی خاطر اسے اپنی محبت کو قربان کرنا تھا۔ دو دن سوچنے کے بعد اس نے کنول سے ملنے کا فیصلہ کیا۔ ''کیوں بلایا ہے تم نے مجھے؟'' سخت لہجے میں استفسار کیا

''آخری بار تمہارے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔'' اس کا جارحانہ لہجہ محبت کی قربانی کا پہلا قدم تھا

''اگر بچھڑنے سے پہلے خوشیاں دیکھ لی جائیں تو بچھڑنا زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔''

''میرے لئے تو ویسے بھی ہر لمحہ مشکل ہو جائے گا، تم سے بچھڑنے کے بعد۔'' اس کی آنکھوں میں نمی تھی، جسے وہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

''راہیں پرخار ہوں یا پھر پھولوں کی سیج سے سجی ہوئی، جب گزرنے کا وقت آتا ہے تو انسان کو نہ چاہتے ہوئے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ اب انسان کے اوپر ہے کہ وہ خوشی خوشی ان راہوں سے گزر کر اپنی زندگی کو سہل بنائے یا پھر ان چیزوں کی خواہش کر کے جو اس کے مقدر میں ہے ہی نہیں، اپنے لئے مزید کانٹے چنے۔''

''میری زندگی میں کانٹے ہیں یا نہیں، یہ تو میں نہیں جانتا مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ آج کے بعد تم شاہ ویز کا جسم تو دیکھو گی مگر اس کی روح نہیں۔ اس کی روح صرف تم سے جڑی ہے۔ اور تم سے جدا ہونے کے بعد اس کے زندہ رہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا۔ موت اپنے وقت پر آتی ہے۔'' اس کی باتوں کا جواب دیا

''تم ایسی تو نہ تھی۔۔'' حسرت سے اس کو دیکھا

''انسان کا مزاج کب اور کیسے بدل جائے، پتا نہیں چلتا۔''

''کیوں کر رہی ہو تم ایسی باتیں۔؟''

''اب بھی تو رشتہ رہ گیا ہے ہمارا۔''

ایک بار پھر سوچ لو۔۔''

''میں نے سوچ لیا ہے۔ بس تمہارے فیصلے کا انتظار ہے۔''

''اگر میں نہ کر دوں تو۔۔''

''تم ایسا نہیں کر سکتے، مجھے اپنے شاہ ویز پر یقین ہے۔ وہ میری بات کبھی نہیں ٹالتا۔''

''اور تم وہی شاہ ویز کسی اور کا مقدر بنانے جا رہی ہو۔۔''

''بہت ہو گئیں باتیں۔۔'' اس نے ایک لمبا سانس لیا

''مجھے طلاق چاہئے۔۔۔ ابھی اور اسی وقت۔۔''

''کچھ فیصلے جلد بازی میں کیے جائیں تو بہت برے نتائج مرتب کرتے ہیں۔''

''مجھے نتائج سے کچھ لینا دینا نہیں، مجھے صرف اپنی بہن کی خوشیاں پیاری ہیں۔''

''اور میں؟؟''

''اپنی بہن کے ہونے والے شوہر۔۔۔'' وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی

''ٹھیک ہے اگر تم یہی چاہتی ہو تو ٹھیک ہے۔ آج سے پہلے شاید ہی ایسا ہوا ہو کہ کوئی عورت اپنے شوہر سے صرف اس لئے طلاق مانگ رہی ہے کہ وہ اس کی بہن سے نکاح کر سکے۔ آج ایک ہی تاریخ رقم ہونے جا رہی ہے۔ میں شاہ ویز رضا ان افسردہ ہواؤں کو جو کبھی ہمارے پیار کے گیت گاتی تھیں گواہ بنا کر کنول شاہ ویز رضا سے ہر وہ حق واپس لیتا ہوں جو ایک بیوی کے اپنے شوہر پر ہوتے ہیں۔ آج کے بعد کنول شاہ ویز رضا صرف اور صرف کنول ہو گی۔ میرے نام سے اس کا کوئی رشتہ نہیں۔ میں اسے طلاق دیتا ہوں۔

اپنی زندگی سے تمہیں بے دخل کرتا ہوں۔ ان اشکوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ اس طلاق کے بعد میں کیسے زندہ رہوں گا یہ تو نہیں جانتا مگر یہ ضرور جانتا ہوں کہ اگر میری حالت کا اندازہ لگانا ہو تو اپنے اوپر غور ضرور کر لینا۔''

وہ البم کے پنوں کو اس طرح پلٹ رہی تھی جیسے وقت اپنے پنے پلٹ رہا تھا۔ چار ماہ کیسے گزرے؟ کسی کو پتا ہی نہیں چلا۔ سب خوشیاں منا رہے تھے مگر وہ افسردہ تھے۔ چہرے پر خزاں تھی۔ آنکھیں ویران تھیں۔ آنکھوں کی شبنم البم کو بوسہ دے رہی تھی۔ منگنی کی تصویر اس کے سامنے تھی۔ سیاہ شیروانی میں اس کی پرسنیلیٹی سب پر حاوی

تھی۔اس کی آنکھیں کنول کو تک رہی تھیں۔آفرین اس کو انگوٹھی پہنا رہی تھی۔اس تصویر نے اس کے زخم ہرے کر دیے۔اس نے فوراً البم بند کر دیا۔بیڈ کے ساتھ ٹیک لگالی۔اور آنکھیں بند کر کے اس دن کو یاد کرنے لگی۔
''تم بھی بیٹھو نہ اپنے بہنوئی کے ساتھ۔۔۔''آفرین اس کا ہاتھ پکڑ کر شادیز کے پاس لے گئی۔
''نہیں۔۔۔میں ٹھیک ہوں۔''اس نے نگاہیں فوراً ہٹالیں
''کیا ہوا؟تمہارے چہرے پر اتنی سنجیدگی کیسی؟''اس کے تاثرات کسی سے ڈھکے چھپے نہ تھے۔خاموش رہنا اس کی عادت بن گئی تھی۔وہ بس اپنے ماضی میں جینا چاہتی تھی۔آس پاس کیا ہو رہا ہے۔وہ بے خبر تھی۔
''کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ۔۔میں مدد کروں گی تمہاری۔۔''اس کے چہرے کو نرمی سے چھوتے ہوئے پوچھا مگر اس نے نفی میں سر ہلایا اور وہاں سے چلی گئی۔

شادی کے دن قریب سے قریب آتے جا رہے تھے۔آفرین کی محبت ہر گزرتے لمحے کے ساتھ آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی تھی۔اس دن آفرین بہت خوش تھی۔رات کو مہندی تھی پھر اگلے دن نکاح تھا۔رات کے فنکشن کے لئے وہ بیوٹی پارلر تیار ہونے گئی۔سب تیاریوں میں اتنے مصروف تھے کہ کسی کو اس کے ساتھ جانے کا موقع نہیں ملا۔کنول کو بھی شادی کی تیاریوں کا کام سونپ دیا گیا۔اس لیے وہ بھی نہ جا سکی۔اور اسے اکیلے ہی کار میں جانا پڑا۔رات کے دس بج گئے مگر وہ واپس نہ آئی۔سب پریشان ہو گئے۔
فون پر فون کرنے کی کوشش کی مگر فون مسلسل بند جا رہا تھا۔گھر والوں نے بیوٹی پارلر کا نمبر ٹرائے کیا مگر ان کے مطابق آفرین تو آٹھ بجے ہی وہاں سے چلی گئی تھی۔گھر زیادہ دور بھی نہیں تھا۔صرف بیس منٹ کا فاصلہ تھا۔آدھ گھنٹے تک سب پریشان رہے۔ادھر ادھر فون ملا کر آفرین کا پوچھتے رہے مگر کسی کو کوئی خبر نہ تھی۔تقریباً گیارہ بجے فون کی رنگ ہوئی
''میں دیکھتی ہوں۔۔''کنول نے کہا
''ہیلو۔۔۔جی یہ آفرین کا ہی گھر ہے۔۔۔''سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے
''کیا۔۔۔؟؟؟''فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔آنکھوں سے اشک بہنے لگے۔
''کیا ہوا؟کس کا فون تھا؟کہاں ہے آفرین؟''مختلف آوازیں اس کے کانوں میں گونجنے لگی مگر وہ حواس باختہ

تھی۔اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

''آفرین آپی کا ایکسیڈینٹ ہوگیا ہے۔'' بیوٹی پارلر سے واپسی پر آفرین کی کار کا ایک بس کے ساتھ بری طرح ایکسیڈنٹ ہوا۔فوری طور پر کچھ رضا کاروں نے اسے ہسپتال پہنچا دیا مگر سانسیں راستے سے ہی لوٹ گئیں۔یہ خبر سب کے لئے ناقابل یقین تھی۔جس گھر میں کچھ دیر پہلے شہنائیاں بج رہی تھیں۔اب صف ماتم بچھا تھا۔آنکھیں اشک رواں تھیں۔

آج آفرین کو اس دنیا سے گئے چھ ماہ گزر گئے۔مگر اس کی یادیں آج بھی تازہ تھیں۔اس کا مسکراتا چہرہ اب بھی کنول کے سامنے تھا۔اس کی موت کے بعد وہ گم صم رہنے لگی تھی۔

''آفرین کے جانے کے بعد کنول ٹوٹ گئی ہے۔'' زینت بیگم نے کنول کے والد یعقوب علی سے کہا

''دیکھ رہا ہوں۔مگر کر بھی کیا سکتے ہیں۔'' کھڑکی کے باہر سے وہ دونوں کنول کو دیکھ رہے تھے۔

''کیا ہم وہ خوشی دوبارہ حاصل نہیں کر سکتے جو ادھوری رہ گئی تھی۔'' زینت بیگم نے کہا

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' کنول ان کی باتیں سن سکتی تھیں مگر دیکھنے سے قاصر تھی

''میرا مطلب یہ ہے کہ کیا ہم شاہ ویز کو دوبارہ اپنے گھر کا فرد نہیں بنا سکتے۔'' ان کا اشارہ کس بات کی طرف تھا یعقوب علی سمجھ نہیں سکے مگر کنول فوراً سمجھ گئی۔اس کو آنکھوں کو اشک بہانے کا موقع مل گیا۔

''شاہ ویز ہمارے گھر کا فرد بن سکتا ہے مگر کیسے؟'' استفہامیہ انداز میں پوچھا

''آفرین نہ سہی، کنول تو ہے نا۔ویسے بھی دونوں ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں۔دونوں ایک دوسرے کو سمجھتے بھی ہیں۔''

''کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو مگر شاہ ویز راضی ہوگا اور اس کے گھر والے؟''

''یہ بات آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔۔۔''

زینت بیگم نے فوراً شاہ ویز کے گھر والوں سے بات کی۔وہ رضا مند ہو گئے۔سب حقیقت سے بے خبر تھے۔وہ نہیں جانتے تھے کہ جس ملن کی وہ بات کر رہے ہیں۔وہ ملن اب کبھی نہیں ہو سکتا۔اگر ہونا بھی چاہے تو راستہ بہت کٹھن تھا۔دونوں اس راستے سے گزرنا نہیں چاہتے تھے۔

دس بج چکے تھے۔ فلائٹ کا ٹائم ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ الماری سے کپڑے نکال کر سوٹ کیس میں رکھنے لگا۔ آنکھیں ابھی بھی تر تھیں مگر وہ اپنے آپ کو سنبھال چکا تھا۔ آئینے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اسے دو عکس محو گفتگو کرتے دکھائی دیئے۔

''اب کیا کریں۔۔۔؟'' کنول نے پوچھا

''میں نہیں جانتا۔۔'' منہ پھیرتے ہوئے شاہ ویز نے جواب دیا

''مگر جو ہمارے گھر والے کر رہے ہیں، وہ بھی تو ٹھیک نہیں ہے۔''

''اور جو تم نے میرے ساتھ کیا۔ کیا وہ ٹھیک تھا؟ میں نے تمہیں ہزار بار کہا کہ طلاق مت لو مگر تم نے میری ایک نہ سنی ،اب مل گیا سکون۔۔'' آنکھیں اپنا ضبط کسی بھی لمحہ کھو سکتی تھیں

''شاہ ویز یہ تم کس انداز میں بات کر رہے ہو؟''

''اسی انداز میں، جس میں تم نے مجھ سے کی تھی۔'' آنکھیں برسنا شروع ہو گئیں

''شاہ ویز۔۔ میرا مقصد نیک تھا۔۔۔''

''مگر اب ہم مل نہیں سکتے۔ یہ تم بھی سن لو۔ اور اس کی وجہ صرف اور صرف تم ہو۔ میری محبت تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔ کبھی نہیں۔۔۔'' نے رخی سے اس کی طرف دیکھا

''شاہ ویز تم ایسے تو نہیں تھے۔ یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ میں وہی کنول ہوں۔''

''مگر میں وہ شاہ ویز نہیں ہوں جو تمہارا تھا۔ میری ذات پر اب تمہارا کوئی حق نہیں۔'' وہ یہ الفاظ کہنا نہیں چاہتا تھا مگر کہہ رہا تھا۔ کیونکہ جو جملہ وہ کہنے جا رہا تھا اس سے پہلے ایسی کڑوی باتیں کرنا ضروری تھا

''شاہ ویز۔۔۔'' اس کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے

''مت لو میرا نام اپنی زبان سے۔ تمہیں اب کوئی حق نہیں میرا نام پکارنے کا۔'' وہ ٹوٹ چکا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو تم۔۔۔'' بکھرے وجود کو چاہ کر بھی سمیٹ نہیں پا رہی تھی

''جو تم سن رہی ہو۔۔۔ بس اب مزید کچھ نہیں۔۔'' وہ اب اس کا سامنا نہیں کر سکتا تھا

''میں اب جا رہا ہوں، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔'' ایک پل توقف کے بعد کہا

''جا رہے ہو مگر کہاں؟'' وہ حیران تھی

''انجان منزل کی طرف، جہاں تمہارا سامنا نہ ہو۔''

وہ بے لفظوں میں اس نے کہا۔ جسے وہ فوراً سمجھ گئی آنکھوں میں

آنسو آ گئے۔ وہ اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی مگر روک نہیں پا رہی تھی۔ اس کی ایک غلطی نے، ایک فیصلے نے اس کی زندگی کو ویران کر دیا۔ وہ اسے روکنا چاہتی تھی مگر ایسا کر نہیں پا رہی تھی۔

اس نے آنسو صاف کیے اور سوٹ کیس ہاتھ میں لیا اور کمرے سے باہر آ گیا۔

کنول وہاں پہلے سے ہی کھڑی تھی۔

پرنم آنکھوں میں کشش دیکھی جا سکتی تھی۔ اس کے قدم لڑکھڑانے لگے مگر وہ نہ رکا۔

تیز قدموں سے اس کے پاس سے گزرنے لگا۔ ایک احساس اب بھی وہ محسوس کر سکتا تھا۔

''میں تمہیں روکوں گی نہیں۔ مگر ایک شکوہ ضرور کروں گی۔''

اس کے قدم رک گئے مگر وہ پلٹا نہیں

''قسمت نے ہمیں ملایا بھی تو ایسے جیسے کبھی بچھڑنا ہی نہیں ہوگا مگر جب ہم علیحدہ ہوئے تو ایسا لگتا ہے جیسے کبھی ہم ملے ہی نہیں تھے۔'' وہ اب حقیقت کو قبول کر چکی تھی۔

''مگر ایک کسک میرے دل میں بھی ہمیشہ رہے گی۔'' وہ پلٹا مگر کچھ کہے بغیر چل دیا۔

خاموش نگاہوں سے اس نے وہ الفاظ کہہ ڈالے جو وہ سننا چاہتی تھی۔

جو وہ کہنا چاہتا تھا۔ اب وہ اس گھر میں بالکل اکیلی رہ گئی۔

وہ چلا گیا۔ ہمیشہ کے لئے اس سے دور۔ اس ملک سے دور۔ اپنوں سے دور۔

وہ بھی صرف اس کی وجہ سے۔ آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

☆......☆......☆

کبھی تو ان کا حساب ہو گا

عفرا احمد ملک

"پھولوں کی ایک شہزادی ہے
دل جس سے میں نے لگایا ہے
آسمانوں کا نور ہو جیسے
اتنا روشن اس کا چہرہ ہے
سانسوں کی دھن ہو جیسے
اتنی پیاری اس کی آواز ہے
یارب سلامت رکھے اسے
میری معصوم سی محبت ہے"

اس نے اپنی بات ختم کر کے نظر اوپر اٹھائی ۔ ہال تالیوں سے گونج اٹھا ۔ سب جانتے تھے کہ اس نے کس کے لیے لکھی ہے ۔ وہی جو اس کے خوابوں کی تعبیر تھی ۔ وہ اس کے سامنے کھڑی تھی پہلی قطار میں ۔ شرم سے سرخ ہوتا حجاب میں مقید اس کا چہرہ۔ آج ان کی شادی کو ایک سال پورا ہو گیا ہے ۔ لیکن اسے یہ کل کی بات لگتی ہے ۔ وہ زندگی سے بھرپور اس کا مجازی خدا اب اس کے زندہ رہنے کی اہم وجہ ہے ۔ ہاں وہ خوش قسمت ہے "۔ ۔

لین، لین ۔" درختوں ڈھکی سڑک پر سر کو جھکائے وہ آہستہ آہستہ چلتی جا رہی تھی اچانک اس کی آواز پر وہ ایک لمحے کے لیے رکی گہری سانس لی اور آگے چل دی ۔

"ارے بات تو سنو ۔ کیا ہوا ہے؟" معن نے پھولتے سانس کے ساتھ کہا ۔ وہ رکا نہیں تھا اس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا ۔

....

"کچھ نہیں ہوا ۔" لین بدستور نیچے دیکھے گی ۔

"اچھا تو یہاں بیٹھو ۔" معن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے سڑک کے کنارے پڑے بینچ پر بٹھایا ۔

لین خاموشی سے بیٹھ گئی اور سامنے دیکھے گی ۔ جیسے اسے معن کے ہونے نہ ہونے سے کوئی سروکار ہی نہیں ۔

معن اسے دیکھے گیا ۔

وہ سفید رنگ کی پاؤں تک آتی اسکرٹ کے ساتھ بلیو شرٹ میں ملبوس تھی ۔ جس پر بلیو اسکارف سے کیا گیا حجاب ایک عجیب سی کشش پیدا کر رہا تھا ۔ کم از کم معن کو وہ ایک حور جیسی لگ رہی تھی ۔ یا کوئی پری ۔

معن نے ایک گہری سانس لی ۔

"لین مجھے معاف کر دو ۔" اس نے لین کے ہاتھ کو اپنے

ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا.
" کس لیے معن؟ "اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا.
"جس کے لیے تم ناراض ہو. "معن نے نظریں چرائیں.
"میں بھلا ہو سکتی ہوں ناراض؟ "لین نے اس کی طرف دیکھ کر کہا". پھر وہاں سے آ کیوں گئی؟ ." اس نے شکوے بھرے لہجے میں پوچھا.
" کیوں کہ میں نہیں چاہتی کہ تم جاؤ." اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا". معن ہم یہ ملک چھوڑ کر کہیں اور کیوں نہیں جا سکتے؟"." کیوں کہ یہ ہمارا ملک ہے. یہ لوگ ہمارے اپنے ہیں." معن نے پیار سے کہا.
" تم جذباتی ہو رہے ہو." اس نے غصے سے کہا.
"میں نہیں تم. اور یہ ملک چھوڑ کر ہم جہاں بھی جائیں گے بزدل کہلائے جائیں گے اور کم از کم میں بزدل بن کر نہیں جی سکتا. اس ملک کا قرض ہے مجھ پہ، تم پہ، ہم سب پہ"" . دیکھو معن . دنیا میں اتنی جگہ جنگ ہو رہی ہے. وہاں سے بھی لوگ ہجرت کر گئے ہیں. انہیں بھی تو کوئی بزدل نہیں کہتا. زندگی کے لیے گھر چھوڑ دینے سے کوئی بزدل نہیں ہو جاتا". لین نے التجا کرتے ہوئے کہا.
"میں کہیں نہیں جاؤں گا. تمہاری مرضی جو کرو." وہ اٹھ کر چلا گیا. سورج کی کرنوں سے چمکتا سبز گنبد اکثر اس کی تنہائی کا ساتھی ہوتا تھا. وہ پورے ملک میں سے اس کی پسندیدہ مسجد تھی. شاید اس لیے کہ اس کے گنبد سبز تھے.
" کتنی پیاری ہے نا یہ مسجد." معن اس کے ساتھ آ کر بیٹھا". ہاں." اس نے مختصر جواب دیا.
" تمہیں پتہ ہے پورے حلب کا سکون صرف اسی جگہ محسوس کیا جا سکتا ہے. کتنا ہی درد کیوں نہ ہو اس کے گنبد کی روشنی سب بہا دیتی." وہ اپنی دھن میں بول رہی تھی. سبز حجاب اوڑھے وہ بھی اس گنبد جیسا سکون دیتی تھی.
"لوگ ڈر یا خوف سے حجاب کرتے ہیں. اور میں نے پہلی بار سبز حجاب صرف یہ دیکھنے کے لئے لیا تھا کہ کیا میں اس مسجد جیسی پرسکون ہو جاؤں گی." لین نے مسکرا کر سر کو خم دیا.
" پھر تم نے کیا پایا؟ ." معن چاہتا تھا کہ وہ بولتی رہے.
" سکون. جیسے اسکے گنبد میں ہے. یہاں آ کر ایسا لگتا ہے کہ جنت ہو جیسے. خاموش، گہری اور پرسکون". لین کا چہرہ جگنوں جیسا چمک رہا تھا.
"معن مجھے ادونس (Adonis Market) چھوڑتے جاؤ. میں نے ذرا تمیم کے لیے کچھ چیزیں لینی ہیں". معن کو تیار ہوتا دیکھ کر اس نے جلدی سے کہا.
"میں آفس کے لیے لیٹ ہو جاؤں گا لین." معن نے کہا.
" کوئی بات نہیں. اللہ کرے گا باس آج آئیں گے ہی نہیں." اس نے آنکھ ماری اور ساتھ ہی اپنا پرس سنبھالا.
"اف تمہاری دعائیں." وہ ہنسا.
"اچھا حسیم کو تو اٹھا دو". اس نے جلدی سے چابیاں اٹھائیں". جو حکم." معن نے مسکرا کر سر کو جنبش دی.
"آج شام کے شہر حلب میں پھر بمباری ہوئی. کل دس افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے." ٹی وی پر خبر نشر کی

گئی. "یا خدایا ." اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں.
" کب یہ درندگی بند کریں گے یہ لوگ."
"جب ہم انہیں حلب سے نکال باہر کریں گے ." معتنیٰ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا" . یہ ہمارا شہر ہے . اور ہمارا ہی رہے گا " . وہ ابھی ابھی کیمپ سے واپس آیا تھا" . اسے کوئی ہم سے چھین نہیں سکتا."
لبین نے سر ہلا دیا . دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا . کچھ تھا جو ہونے والا تھا.
"تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے لبین ." اسے معن کی بات یاد آئی . دو مہینے بعد وہ اپنے گھر کی تباہ شدہ عمارت میں داخل ہوئی . بمباری نے اس کے آنگن کو قبرستان بنا دیا تھا . معن اور حمیم اس عمارت میں ہی کہیں موجود تھے . وہ مسجد گئی تھی صرف سکون ڈھونڈنے . اس کا دل بے چین تھا . اس کے بعد اسے آج تک سکون نہیں ملا تھا.
"میرا دل چاہتا ہے میں ساری دنیا کو تمہارے قدموں میں لا کر رکھ دوں . " شادی کی تقریب کے بعد اس نے کتنی خوش اسلوبی سے اسے پھول پیش کرتے ہوئے کہا تھا. تم کتنی خوش قسمت ہو کہ میرے جیسا شوہر ملا ہے ."
کچن میں داخل ہوتے ہوئے معن کی آواز آئی وہ شادی کی پہلی سالگرہ پر کیک بنا رہا تھا .
"میں سوچ رہا ہوں کہ گھر تبدیل کر لیں . لیکن ان یادوں کا کیا کریں ." وہ لانج میں داخل ہو رہی تھی.
"ہاں معن یادوں کا کیا کروں ." وہ زمین پر ڈہہ سی گئی.

"روتی کیوں ہو؟ حلب ہمارا ہے اور ہمارا ہی رہے گا ." وہ اسے تسلی دے رہا تھا" . کوئی اسے ہم سے چھین نہیں سکتا ." روتی ہوئی لبین کو اس نے گلے لگایا.
"مما ہم کب دمشق جائیں گے؟ ." حمیم اس سے لاڈ کر رہی تھی". جب بابا آئیں گے ." لبین اسے پیار سے سمجھا رہی تھی". بابا پلیز آ جائیں . حمیم کو نانو پاس جانا ہے ." وہ پانچ سالہ معصوم بچی" . حمیم اٹھو . میرا بچہ . یا اللہ ! یا اللہ ! میرا لال " . وہ اس کی میت پر رو رہی تھی . اس کی لاش اسی کمرے میں لا کر رکھی تھی اس کے سامنے . اسے ہر طرف سے آوازیں سنائی دے رہی تھیں . اس نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے. منظر غائب ہونے لگے ..
"مما، مما ." لبین اس کی آواز پر ٹوٹے کمرے کی طرف دوڑی . وہاں کوئی نہیں تھا." حمیم، معن . واپس آ جاؤ. پلیز ." وہ چیختی ہوئی وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔ "لبین صبر کرو." دانا نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اٹھانا چاہا". معن حلب ہمارا نہیں رہا ہے . حلب چھین لیا . میرا بچہ چھین لیا. میرا بچہ ." وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر رو رہی تھی . اس کا سینہ پھٹ رہا تھا .
"میں نے کہا تھا معن . چلو یہاں سے . تم نہیں مانے. حلب، تمہارا حلب آج ختم ہو گیا . دنیا سے مٹ رہا ہے ." وہ چیخ رہی تھی لیکن اسے سننے والا کب کا خاموش ہو چکا تھا . درد کا سمندر تھا . یہ بس وہی سمجھ سکتا ہے جس نے کوئی بہت اپنا ایسے کھویا ہو، جس نے اپنے لوگ اپنا شہر کھویا ہو...-"

☆......☆......☆......☆......☆

'یار، میں نے امی کو بتایا ہے کہ آج میری ایکسٹرا کلاس ہونی ہے اس لیے لیٹ آؤں گی۔ 'ہاں نا یار میں نے بھی کل صبح 11 بجے کلاس شروع کرنی ہے لیکن میں نے کسی کو نہیں بتایا جلدی ہی گھر سے نکل آؤں گی "پھر ایک مشترکہ قہقہہ گونجا۔۔

یہ گفتگو بس میں میرے پیچھے والی سیٹ پر بیٹھی دو لڑکیاں کر رہی تھیں جو دیکھنے میں کالج سٹوڈنٹس لگ رہی تھیں۔ میرے کان کھڑے ہوئے) چونکہ بہت بری بات ہے لیکن اس وقت، اس بات نے مجھے تجسس میں مبتلا کر دیا تھا(۔ پہلی والی کی آواز آئی 'کتنے دن ہو گئے نا ملے ہوئے وہ ناراض ہو رہا تھا، گھر میں بھی فون پر بات نہیں ہو سکتی ہر وقت کوئی نہ کوئی آس پاس ہوتا ہے۔ کالج سے نکلنا مشکل لگتا ہے۔ شکر ہے آج جلدی چھٹی ہوئی تو ملنے کا موقع نکل آیا۔ 'دوسری آواز آئی۔ 'سچی سے کیا کریں، گھر والے نکلنے ہی نہیں دیتے سوائے کالج کے۔ اب کوئی موقع تو نکالنا ہی پڑے گا نا ملنے کے لیے۔

میرا اسٹاپ آ گیا تھا۔ میں اتر آئی اور گھر کی طرف چل پڑی۔ راستے میں دماغ کو ایک ہی سوچ نے جکڑا ہوا تھا کہ گھر والوں نے ان بچیوں کو کالج بھیجا ہے اور یقیناً" بیفکر بھی ہیں کہ بچیاں پڑھ رہی ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ بچیاں پڑھنے کے ساتھ ساتھ کن کاموں میں لگ گئی ہیں؟ اب نہ جانے کس بچی نے کس کو غلط راہ پر لگایا ہے لیکن دونوں اپنا مستقبل داؤ پر لگانے کو تیار ہیں۔ ایک آج جھوٹ بولے گی، دوسری کل اور اس طرح جھوٹ بولتے بولتے نہ جانے کس طرف نکل جائیں گی۔

ہم نے بھی سکول کالج سے پڑھا۔ لیکن ہماری ماں) اللہ بخشے (شیر کی نظر رکھتی تھی ہم پر۔ مجال ہے جو ان 14 سالوں میں کبھی کسی سہیلی کے گھر جانے کی اجازت ملی ہو۔ ہاں اگر کوئی آئے تو سو بسم اللہ۔ ادھر ادھر بسوں، ویگنوں پر جانے کے بجائے پکی وین لگی ہوئی تھی جو گھر سے سکول/ کالج اور وہاں سے گھر لاتی تھی۔ کبھی جو ہنستے ہوئے گھر کی بیل بجائی تو اماں کی گھوری اتنی شاندار ہوتی تھی کہ ہنسی کو بریک لگ جاتے تھے، اور ان کی اس گھوری کا مقصد صرف یہی ہوتا تھا کہ کوئی غلط بات نہ ہو یا کسی کو غلط موقع نہ ملے۔ میری اماں 10 سوال کرتی تھیں، اس لیے جھوٹ بولنا تو مشکل ہی ہوتا تھا۔

یہ بات میں نے صرف اس لیے بتائی کہ جو لوگ تعلیم کو قصور وار ٹھہراتے ہیں وہ جان سکیں کہ یہ قصور تعلیم کا نہیں گھر کے ماحول کا ہے۔ اگر آپ بچیوں کو سکول بھیج کر فارغ ہو جاتے ہیں، کوئی چیکنگ نہیں کوئی باز پرس نہیں، سکول، کالج سے کوئی رابطہ نہیں، نہ ہی سہیلیوں کے بارے میں خاص معلومات، تو ایسی بچیوں کے لیے بھٹکنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ ہر ادارے میں گمراہ کرنے والے دوست، سہیلیاں موجود ہوتی ہیں۔ جب بچیوں کو پتا ہے کہ ماں کو سیٹ کرنا مشکل نہیں، اور جن کی ماں 'اچھا' کہہ کر کے فارغ ہو جائے تو ایسی بچیوں کے لیے اپنی حدود سے نکلنا کوئی مشکل نہیں رہتا۔ باہر جو بھی ہوتا رہے، گھر میں کسی کو کچھ پتا نہیں ہوتا۔ ابا کام پر ہوتے ہیں، بھائی اپنے اللے تللے میں مصروف ہوگا، یا وہ بھی باہر کسی کی بیٹی کو اپنے ساتھ سیٹ کرنے میں لگا ہوگا تو گھر پر نظر کون رکھے۔ رہی سہی کسر اس موبائل اور انٹرنیٹ نے پوری کر دی ہے۔ فری پیکیجز نے ان معاملات کو اور آسان کر دیا ہے۔ والدین کو پتا ہی نہیں ہوتا۔ سیل لے کر دے دینے سے ذمہ داری تو پوری کر دیتے ہیں مگر آگے کوئی چیک رکھنے کی ذمہ داری نبھا نہیں پاتے تو معاملات بگڑ جاتے ہیں اور جب پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے تو غیرت جاگ اٹھتی ہے۔ اس وقت نہ اپنی کوتاہیاں یاد رہتی ہیں، نہ زیادتیاں۔ یاد رہتا ہے تو صرف یہ کہ ہماری بیٹی نے ہماری عزت رول ڈالی، ہماری بہن نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ میری نظر میں یہ قصور نہ اس بچی کا ہے نہ تعلیم کا، قصور صرف گھر والوں کا ہے۔ جنہوں نے اپنے فرائض صحیح طرح سے انجام نہیں دیے۔

بات بچیوں سے شروع ہوئی لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ لڑکے دودھ کے دھلے ہیں۔ وہ شاید لڑکیوں کی نسبت اس آزادی کا زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں کیونکہ لڑکوں کو ویسے ہی ہمارے معاشرے میں فری ہینڈ دیا جاتا ہے گھر پر بھی اور باہر بھی۔ ان سے پوچھ تاچھ ذرا کم ہی کی جاتی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ سب لڑکے یا سب لڑکیاں ہی بھٹک جاتے ہیں۔ مضبوط کردار کے لڑکے اور لڑکیاں بھی ہم نے دیکھے ہیں۔ الحمدللہ

میری والدین سے گذارش ہے کہ اپنے کان اور آنکھیں کھلی رکھیں تاکہ بچوں کو پتا ہو کہ ہمیں چیک کیا جا رہا ہے اور ہم پر نظر رکھی جا رہی ہے۔ شاید اس طرح بہت سے بچے اور بچیاں بھٹکنے سے محفوظ ہو جائیں۔

کھلے گا یہ چراغوں پر اچانک
بدلتی ہے ہوا تیور اچانک
گلاب آہستہ آہستہ کھلے گا
کوئی لے جائے گا چن کر اچانک
کبھی وہ یاد آئے گا سے گا ہے
کبھی بے ساختہ، اکثر، اچانک
ملی اس کی رفاقت رفتہ رفتہ
کیا تھا دل میں جس نے گھر اچانک
لگی ہے ضرب اس پہ قطرہ قطرہ
نہیں بکھرا مرا پیکر اچانک
ناصر زیری

افسانہ

مردہ ضمیر

از قلم افرا احمد

میری نظر میں انسپائریشن اور کچھ نہیں بس ایک نظر کا دھوکا تھی، میں حیران ہوتی تھی کہ لوگ کیسے کسی سے انسپائر ہوکر اپنا مقصد تبدیل کر لیتے ہیں۔ لوگوں کے برعکس میں اپنے فیصلے کرنے کی حقدار خود تھی۔ مگر جانے کب کیا ہو جائے کون جانتا ہے؟ ایک پل میں زندگی آپکی ہوتی ہے اور اگلے پل کسی اور کی۔ ایسا ہی کچھ ہوا تھا یا اس سے ملتا جلتا۔ یاد نہیں صحیح سے۔ ہاں۔۔۔ مزے کی بات ہے نا اور ماضی اچھا ہو تو یاد رکھنا زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ امی کی ڈانٹ سن سن کر کبھی کبھی دل کرتا تھا کہ قرآن کھول کر پڑھ لوں مگر میرا ناشاد ضمیر مجھے کامیاب نہیں ہونے دیتا تھا۔ لیکن آخر کب تک؟ ایک دن امی نے مجھے بہت ڈانٹا یا شاید مجھے احساس اسی دن ہوا اور میں نے قرآن کھول ہی لیا۔ لیکن کھولا بھی تو آنکھیں بند کر کے کہ جو بھی صفحہ کھلا اسے اسی کو پڑھنا شروع کر دوں گی۔ ضمیر کو اتنی بری طرح مار دیا گیا تھا کہ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی آخری سپارہ کھولا کہ چھوٹی سورتیں ہیں جلدی ختم ہو جائیں گی۔ کھلا بھی تو کونسا صفحہ؟ سورہ فتح کی نظر آئی مجھے شاید اللہ چاہتے تھے کہ میں یہی سورت پڑھو لیکن یہ کیا؟ یہ تو کسی جنگ کے لیے اتاری گئی ہے۔ یہی سوچ کر میں نے قرآن بند کر دیا اور دوبارہ ویسے ہی درمیان میں سے کھولا۔ اس بار سورہ کہف سامنے آئی۔ لیکن یہ تو جمعہ والے دن پڑھی جاتی ہے اور آج تو منگل ہے، میں نے سوچا۔ اب کی بات قرآن کھولنے پر سورہ مزمل سامنے آئی۔ ارے یہ تو تہجد کی نماز کے لیے اتاری گئی ہے اور میں تو تہجد نہیں پڑھ سکتی ورنہ صبح کالج کیسے اٹھوں گی۔ ویسے بھی نمازیں تو پوری پڑھ لوں، یہ سوچتے ساتھ ہی مجھے تھکن کا احساس شروع ہو گیا اور میں نے قرآن سب سے اوپر والے شیلف میں اس احتیاط سے رکھ دیا کہ کہیں شیلف کی مٹی میرے ہاتھوں کو خراب نہ کر دے۔ قرآن کی تو جگہ ہے پر اپنے ہاتھوں کو بار بار دھونے سے بھی گرد کی بدبو آتی رہے گی) نعوذ باللہ (جانے اس بات جو ایک مہینہ گزرا تھا یا دو کچھ یاد نہیں تھا مگر اتنا پتا تھا کہ میں نے قرآن کھولا ضرور تھا۔ خیر ایک دن اپنے

معزز ترین استاد کے لیکچر پر پھر قرآن کھولنے کا سوچا مگر میری امی نے کہا قرآن پڑھنے سے زیادہ سننے اور سیکھنے سے اثر انداز ہوتا ہے چناچہ میں نے کچھ سورتیں اپنے موبائل میں ڈاونلوڈ کر لیں۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ کی تعداد میں موجود گانوں کو چھوڑ کر عدد سورتیں کون سنتا؟ بلاشبہ یہ مسئلہ کشمیر سے زیادہ اہم تھا۔۔۔۔۔۔ ایسے ہی پورا سال گزر گیا لیکن میں الجھتی رہی دوبار قرآن کھونے سے پوری جنت نہ صحیح تو کم از کم ایک گھر تو خرید لیا ہے۔) جیسے جنت بکنے کی چیز ہو۔۔۔۔۔ (وقت بھی بڑی ڈھال ہے گناہوں کے لیے بھی اور دکھوں کے لیے بھی۔ ایک دن موبائل سانگز سنتے ہوئے اچانک غلطی سے کوئی سورہ پلے ہوگئی۔ گویا کہ کوئی قیامت ہی نہ آ گئی ہو۔) نعوذ باللہ (افراتفری میں بند کرنے کی بجائے سورہ کے درمیان نیلی لہیں کلک ہوگیا۔ اور پھر تو جیسے دنیا ہی بدل گئی ہو میری۔ حالت ایسی تھی کہ کاٹو تو لہو نہیں آنکھوں سے گویا سمندر بہہ رہا ہو۔۔۔ یاد رہی تو بس ایک بات۔

) شروع اللہ کا نام لیکر جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے (یہی ہے وہ جہنم جسے گناہگار لوگ جھٹلاتے تھے۔ وہ دوزخ اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان گھومتے پھریں گے۔ اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔) سورہ الرحمٰن (گناہ گار؟ دوزخ؟ کھولتا ہوا پانی؟ کونسی نعمتیں؟ کچھ تھا اس آیت میں جو مجھے رولا گیا تھا۔ گناہ گار کیا صرف ہندو ہیں یا کافر؟ اور دوزخ کیا ہے؟ میں نے تو آج تک یہی سنا اور سوچا ہے کہ مسلمان تو بس جنت میں جائیں گے پھر مجھے یہ لفظ کیوں چبھ رہا تھا؟ کسی شادی کے موقع پر وقت پر ناخن بڑے نہ ہونے پر اللہ سے گلا کرنے والی لڑکی کو کونسی نعمتوں کا پتا چلتا۔۔۔ افسوس! ایک مردہ ضمیر کے ساتھ اپنی سالا زندگی گزارنے والی لڑکی کی آخرت سنوارنے والی یہ آیت۔۔۔ یہی لڑکی آج مدارس سے آئی اپنی طالبات کو قرآن کا درس دے رہی ہے" اور اللہ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔"

☆......☆......☆......☆

کب تک بھنور کے بیچ سہارا ملے مجھے
طوفاں کے بعد کوئی کنارا ملے مجھے
جیون میں حادثوں کی ہی تکرار کیوں رہے
لمحہ کوئی خوشی کا دوبارا ملے مجھے
بن چاہے میری راہ میں کیوں آ رہے ہیں لوگ
جو چاہتی ہوں میں وہ نظارا ملے مجھے
سارے جہاں کی روشنی کب مانگتی ہوں میں
بس میری زندگی کا ستارا ملے مجھے
دنیا میں کون ہے جو صدف دکھ سمیٹ لے
دیکھا جسے بھی درد کا مارا ملے مجھے

شاعرہ.....صغرا صدف

☆......☆......☆......☆

افسانہ

نوحۂ عورت

از قلم...... زویا حسن

گل میرے گلے لگے رو رہی تھی۔ کتنی بدنصیب ہوں میں شاید ہی کوئی بیوی ہوگی جس کے شوہر نے اسے یہ کہا ہو کہ اسے اس میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی۔ وہ وصل میں ہجر کی سی ٹھنڈک رکھتی ہے۔

وہ رو رہی تھی اور میں اسکے غم میں گھلی جا رہی تھی میری دوست کی صفت زن پہ خنجر گھونپ دیا گیا تھا اور وہ زخمی سی پژمردہ سی میرے کندھے پہ بے جان ڈالی کی طرح لڑھک گئی تھی۔

کیا وہ واقع صحیح کہہ رہی تھی؟ کیا پہیہ الٹا بھی گھوم سکتا تھا؟ کیا عورت ہونا ہی کسی مرد کی جبلی جانور اور مردانہ صفت کے لیے کافی نہ تھا۔؟

یہ الفاظ جو سارہ کے شوہر نے کہے تھے عورت کے وجود پہ سوالیہ نشان تھا۔ آخر عورت ہے کیا؟ وہ کسی صفت کا نام ہے؟ کسی بدنی تضاد کا۔ یا ایسے شاعر کی ایک تحریر تھی جو نشے کے بیسویں جام پی کے لکھی گئی تھی۔

میں اپنی ماں جی کے پاس جا بیٹھی۔ ماں جی سانولے رنگ کی دبلی پتلی خاتون ہیں۔ ایک ایسی عورت جو کسی مرد کے لیے قبول صورت اور ایک ساس کے لیے نیک سیرت کا درجہ رکھتی ہیں۔ ماں جی ابا جی کے لیے ایک آئیڈیل بیوی تھیں جو گھر کا چولہا جلاتی تھیں ابا جی کے بچوں کا اور خود ابا جی کا خیال یوں رکھتی ہیں جیسے وہ تہجد کے نوافل ادا کر رہی ہوں۔

وہ نوافل جو خاموشی سے بام و در کو خبر دیے بغیر پڑھے جاتے ہیں۔ پھر میری تائی، چچی، پھپھی سب میری نظروں کے سامنے تیرنے لگیں۔ کوئی سفید کوئی گندمی، کوئی سلونی، کوئی میٹھی گو ان کے میاں کوئی لکیر مستقیم پہ چلنے والے نہ تھے مگر بیویوں سے کبھی نالاں بھی نہ تھے صبح اپنی بیویوں کے گرد بیٹھے بال بچوں سمیت ناشتہ کرتے اور شام کو ہاتھ میں فروٹ پکڑے گھر میں داخل ہوتے بیویاں چاہے دن بھر کے کاموں میں الجھی بدبودار سراپوں سے بھی استقبال کرتیں وہ اپنی قسمت پہ شاکر ہی رہتے تھے۔

شکایات، گلے شکوے یا کوئی پڑوسن انکو اپنے بچوں اور بیویوں کے ساتھ رات کا کھانا کھانے سے نہیں روکتی تھی۔

ماں جی سے پوچھا "ماں جی یہ جو ہمارے خاندان کے بڑے ہیں ہمیشہ سے یوں صابر رہے تھے؟"

کہنے لگیں اب تو خیر وقت کا تقاضا ہے جو تو دیکھتی ہے بچو

ں میں گھر کر جب وہ جوان ہو جائیں تو عورت اور مرد میاں بیوی نہیں رہتے بہن بھائی بن جاتے ہیں۔ طلاق بہن بھائیوں کے درمیان تو ہو نہیں سکتی تو سکون ہو جاتا ہے نہ مرد اکڑوں چلتا ہے نہ عورت تھالیوں میں اپنے آپ کو سجاتی پھرتی ہے۔ ہاں جوانی میں بناؤ سنگھار بھی ہوتا تھا راہیں بھی تکی جاتی تھیں رشتہ بنائے رکھنے کے لیے کئی جتن بھی ہوتے تھے۔

میں جھٹ سارہ کے پاس جا پہنچی وانپیر لگانے میں مصروف میری بھولی بھالی سکھی بدبودار سراپے میں میاں کے لیے مٹن کڑاہی چڑھائے اسکی منتظر تھی۔

میں نے لاکھ لعن طعن کے بعد اسکو خوب سجایا خوشبوؤں میں نہلا کر واپس آ گئی کہ ماں جی کا ٹوٹکا خوب لگا تھا مجھے۔ سارہ تو جوان تھی پھر بھی اماؤں کی طرح میاں کے ساتھ بہن بھائیوں سا رہتی تھی۔ ایک مہینے بعد میں اس سے پھر ملی معاملہ جوں کا توں تھا بھائی جی کی تحریک ایک پانچ فٹ سے نکلتے قد کی شاہ پارہ بھی منظر عام پہ آ گئی۔

میں شاہ پارہ کے پاس جا پہنچی آخر کو میری سکھی کی صفت زن کا معاملہ تھا بلکہ یہ سارہ جیسی میرے معاشرے کی سینکڑوں عورتوں کی شخصیت پہ سوا

لیہ نشان تھا شاہ پارہ ایک ماڈرن، ڈائٹنگ اور ورزش سے عبارت جسم رکھنے والی what? so اور how cute! جیسے الفاظ میں ڈوبی پٹاخہ لڑکی تھی۔ پورے آفس کی آنکھ کا تارہ۔ میں اسکو ملے بغیر ہی واپس آ گئی کیونکہ بات سمجھ میں آ گئی تھی۔

ماں جی کے دور کی عورت اور آج کی عورت میں نہ تو جسمانی فرق آیا تھا اور نہ ہی روحانی۔ فرق تو مرد میں آیا تھا مرد کو بننے سنور نے والی راہ تکتی چولہا ہانڈی کرنے والی شرمیلی اتھیلی لڑکی پسند تھی تو عورت دودھ بیسن میں نہائے دیوی سبھا اسکی چوکھٹ سے لگی اسکا راہ تکتی تھی۔ اب شاہ پارہ جیسی چیونگم چباتی دھکا دیتی آندھی طوفان جیسی لڑکی اسکے خوابوں میں آنے لگی تو سارہ جیسی لڑکیاں لسٹ سے نکل گئیں مرد سالوں تک دال چاول کھا تو سکتا نہیں سو شاہ پارہ جیسی عقل مند لڑکیوں نے ٹوپی برقعے اتارے اور مردوں کے ٹیسٹ کے مطابق ڈھل گئیں مگر یہ کیا بھائی کی شادی کا وقت آیا تو وہ جو لکڑ پکڑ والی جل تھل کرتی لڑکیوں کا دلدادہ تھا ڈیمانڈ میں یہ بھی رکھ دیا کہ لڑکی شریف ہو۔

میں نے بھائی کے ساتھ debate کا دن مقرر کیا اور بولی۔

'شریف لڑکی سے آپ کی کیا مراد ہے بھائی؟'

'اوز دیا کم آن تمہیں نہیں پتہ شریف لڑکی کیسی ہوتی ہے؟'

'بالکل نہیں' میں نے پٹر پٹر آنکھیں جھپکیں

'سمپل ہے دیکھو آجکل جیسی لڑکیوں جیسی جھوٹی فلرٹ ٹائپ لڑکی کوئی بھی مرد پسند نہیں کرتا بطور بیوی۔ سو تم لوگوں کو لڑکی ڈھونڈتے ہوئے خاص طور پہ اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ لڑکی شریف ہو'

میرا دل چاہا قہقہہ مار کے ہنس دوں مگر چپ رہی۔

آخر کو مرد چاہتا کیا ہے۔ مطلب لڑکی صوم وصلواۃ کی بھی پابند ہو شرم و حیا والی بھی ہو مگر اس سے ٹکرائے تو شعلہ بھی جلے پٹاخہ بھی پھوٹے۔ پٹاخہ بجانے کے لیے ایک دو بار کی پریکٹس بھی چاہیے ہوتی ہے ورنا کثر پٹاخہ ہاتھوں میں

پھوٹ جاتا ہے۔ سارہ بھی شادی سے پہلے ایسی ایک دو پریکٹسز دو تین مردوں سے کر چکی ہوتی تو اسکے شوہر کو اس میں کشش ضرور محسوس ہوتی پٹاخہ ضرور پھوٹتا، مگر پھر بھائی کی ڈیمانڈ کے مطابق شریف بھی نا کہلا سکتی تھی۔

تو مسئلے کا حل گھمبیر ہوتا گیا۔ عقل میں کچھ نہ آیا تو پھر قرآن کھول لیا حدیث پڑھی۔ یہ کیا یہاں تو باحیا عورت کو درجات دیے گئے تھے مگر ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا تھا کہ عورت اور مرد ایک دوسرے کا لباس ہیں کہتی ہیں۔ عورت کو مرد کے لیے بناؤ سنگھار کرنے کے لیے بھی کہا گیا تھا اسکو مرد کے ذہنی سکون بننے کے لیے بھی کہا گیا تھا یعنی کہ ایک ایسی شریف لڑکی بستیاب تھی جو پٹاخہ بھی پھوڑ سکے چنگاری بھی جلا سکے۔

میری سکھیو، سہیلیو ہاں قصور مرد کا بھی ہے کہ ٹیسٹ بدلتا رہتا ہے مگر اپنے خاوند کے لیے تمہیں شریف لڑکی بھی بننا ہے اور پٹاخہ پھوڑنے والی بھی۔ شوہر کے پاس ہو تو سراپا شعلہ بن جاؤ so what? اور how cute والی دھکا دینے والی چیونگم چبانے والی کبھی دال چاول کبھی مٹن پلاؤ کبھی شیر خرمہ تو کبھی تکہ بوٹی۔ باہر نکلو تو سراپا شریف زادی آواز میں پکار نہ ہو آنکھ میں بال نہ ہو چلو تو جھنکار نہ ہو مگر خدا را یہ شرف لبادہ اپنے شوہروں کے پاس اتار کے آؤ کیونکہ کوئی مذہب اس سے منع نہیں کرتا اور میاں بھی شاہ پارہ کے خواب نہیں دیکھتے۔ اور میرے بھائیو شریف کنواری لڑکی کو اپنی من پسند شوخ پٹاخہ لڑکی بنانے کے لیے اسے وقت دو اور اس پہ محنت کرو کیونکہ اگر وہ پہلے سے پٹاخہ پھوڑنا جانتی ہوئی تو ضرور وہ ایسی دو تین پریکٹسز کر چکی ہوگی۔

☆......☆......☆......☆

سو لفظی نظم

از طالیہ امین قریشی

"میں نے ہر موڑ پر
اسے ڈھونڈا اسے پکارا
جس راہ پر اس کے ملنے کی آس ہوئی
وہیں پہ نگاہ مرکوز کر کے رکھ دی
کہ مجھے مل جائے وہ
جس کو پانے کی ہر ایک کو ہے جستجو
جس کے ملنے کے لئے بیقرار ہے ہر ذی روح
اسے وہاں ڈھونڈا جہاں ملے اس کے نشان
اسے وہاں پکارا جہاں وہ سنتا
مگر مجھے نہیں ملا
بظاہر وہ کہیں نہ دکھا
تھک ہار کے جب بیٹھی
دل میں اک آس اٹھی
کوئی پکارا اے بنت حوا
اک نظر جھانک اپنے دل میں
رب تو بسا ہے اس میں۔۔۔"

☆......☆......☆

قید محبت

افسانہ

از قلم...... سارا احمد

اس کے بس میں ہوتا تو صبح و شام کی سرحدیں روند کر وقت کو اپنے قدموں کی رفتار بنالیتا۔
طویل اور تھکا دینے والی پرواز کا اختتام اس کے صبر کی آخری سیڑھی پر تھا۔
اس کے باہر کی دنیا اس کے اندرونی اضطراب سے بےخبر اپنی دھن میں اپنی منزلوں اور اپنی خواہشوں کے راستوں پر گامزن تھی۔
زمین پر اترنے کا انتظار جب ایک چیونٹی کی طرح کاٹ کر اسے بار بار جگا دیتا تو وہ پہلو بدلنے لگتا۔
اس کی بے چینی کو دیکھتے ہوئے فضائی میزبان نے پوچھ ہی لیا
سر آر یو آل رائیٹ ...... ڈو یو نیڈ اینی تھنگ
اور اس نے اپنے سر کی ہلکی سی جنبش سے ایک دوستانہ مسکراہٹ کا تبادلہ کرتے ہوئے خود کو دوبارہ آرام دہ حالت میں لیجا کر اپنی آنکھیں موند لیں۔ اپنے سفر کیان عارضی لمحات میں وہ اپنے شعور کو سلا کر لاشعور کی چکنی مٹی سے اپنے من پسند گھروندے اور مورتیں بنانے لگا۔
گاں کی پگڈنڈیاں اس کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگیں، کھیت کھلیان اور ہریالی کا تصور اس کے ہر مسام میں جاگ اٹھا اور ٹیوب ویل کے تازہ پانی میں اس کی محسن نے ڈبکیاں لگا کر کبوتر کی طرح پر پھڑپھڑائے، اس نے پیار سے پالے ہوئے اپنے بکری کے بچے کو گود میں اٹھا کر اپنا بایاں رخسار اس کی گردن سے مس کیا اور ایک مترنم اور معصومانہ ہنسی اس کے گریبان سے جھانکتے سیاہ گھنگریالے بالوں کو مرتعش کر کے ٹھنڈی لہر میں تبدیل ہوگئی۔
محسن کی ہنسی اس کی زندگی تھی۔ حصول علم کی لگن نے اسے پردیسی بنا دیا تھا ورنہ وہ محسن کو سامنے بٹھا کر ساری عمر اس کی ہنسی سنتا ہی نہیں دیکھتا بھی رہتا اور اس میں اپنے ہونٹوں سے رنگ بھی بھرتا۔
مسافروں کو بحفاظت اپنی سرزمین پر اترنے کی مبارکباد دے دی گئی۔ اس نے اپنے آنے کی اطلاع کسی کو نہیں دی تھی۔ تھکاوٹ سے چور بدن کے ساتھ گھر پہنچتے ہی وہ اپنا سر بے جی کی گود میں رکھ کر آسودہ ہوگیا۔
گاں کے سنگی ساتھیوں کو جیسے جیسے پتہ چلتا گیا کہ محسن باکینیڈا سے آیا ہے وہ اسے ملنے آنے لگے۔
"پتر تیرے آنے سے بیٹھک میں رونق لگ گئی ہے"،
بے جی اپنے اکلوتے بیٹے کے یوں اچانک چلے آنے پر

سرور تھیں اور فکر مند بھی مگر کھل کر کچھ پوچھ نہ سکیں کیونکہ انہیں کچھ تو اندازہ تھا کہ وہ اندر ہی اندر کیسا غم لیے بیٹھا ہے۔
"ثمن کو بھول جا پتر، دس پندرہ دنوں میں اس کا ویاہ ہے"،
"کیا وہ مجھے بھول گئی ہے
بیجی.....؟"
"کڑیوں کا کیا ہے پتر، چڑیاں ہوتی ہیں یہ ..... جدھر ماں پے کہتے ہیں اڈاری مار جاتی ہیں".......،
"اور ان کا دل.... ؟ بیجی کیا ان کا دل نہیں ہوتا"؟
بیجی کے پاس اس کا جواب نہیں تھا۔ وہ اسے کیا بتاتیں کہ یہاں پر سب کے سروں پر جھوٹی انا کے شملے ہیں، دل اور جذبات تو یاں کے نیچے رلتے ہیں۔
وہ ایک نظر ثمن کو دیکھنا چاہتا تھا، اس سے ملنا چاہتا تھا اور اسے یقین کی وہ برچھی دکھانا چاہتا تھا جسے وہ اس کے کہنے پر اپنے اندر اتار سکتا۔
اس کی پھوپھی زاد زبیدہ بخار میں تپتی ثمن کو بہانے سے پیر سید شاہ کے مزار پر لے آئی،
"دیکھ یا اس کو لے کے نہ جا دیں"۔
محسن کہاں کچھ سن رہا تھا وہ تو بس کملائے ہوئے زرد گلاب پر اپنی نظریں جمائے تھا۔
چاندنی میں دونوں کے بت عقیدت کے معبد خانے میں محبتوں کے چراغ جلائے ایک دوسرے کی پلکوں سے جدائی کے وہ موتی چن رہے تھے جو رسموں کی سنگلاخ زمین نے دان کیے تھے۔
فیروزی ریشمی دوپٹہ ہوا کے نرم جھونکے سے ثمن کے سر سے سرک گیا، سفید موتیوں کی بالیاں اس کے رخساروں کو چھو رہی تھیں اور ہونٹ ہولے ہولے کانپ رہے تھے، وہ کچھ بھی نہ کہہ کر بہت کچھ کہہ گئی اور محسن تو اسے بہت دور اپنے ساتھ لے جانے آیا تھا۔
"چل ثمن بڑی دیر ہوگئی .....، "زبیدہ ان کی طرف کمر کر کے کھڑی تھی، پلٹ کر ثمن کو بازو سے پکڑ کر بولی،
"رکو ثمن میں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور آ گیا اب تمہاری باری ہے وعدہ پورا کرنے کی".......،
"پر با محسن".....،
زبیدہ دونوں کے بیچ آ گئی،
"تو پیچھے ہٹ جا زبیدہ"،
وہ ثمن کے اتنے قریب آ گیا کہ درمیان میں صرف سانسیں تھیں۔
"بولو ثمن، تمہاری آواز تمہاری ہنسی مجھے کہیں کسی میں نہیں ملی.... تم بس اس ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دو ایک بار.... میں رنگ بھر دوں گا ان آنکھوں".......،
"میں منگ ہوں وکیل ڈوگر کی اور آج تک یہاں کے قانون میں رسم ورواج کے کسی قاتل کو باعزت بری نہیں کیا جاتا"،
"میں خود اس سے بات کر لوں گا تم ساتھ دینے کا وعدہ کرو ایک بار"،
"تو اسے ورغلا نہ با محسن"،
زبیدہ نے دونوں کو اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔
"وکیل ڈوگر کی بڑی پہنچ ہے، تجھے مارے گا نہیں، اسے مار کر تجھے اندر کرا دے گا"،
"کیا بکواس کرتی ہے تو زبیدہ".....،

"یہ سچ ہے محسن۔۔۔ بیجی نے بات کی تھی اس سے اور اس نے انہیں یہی کہا تھا" ثمن کی آواز لرز رہی تھی_

"غیرت کے نام پر قتل کرنے والے کی اس پنڈ میں بڑی اونچی جگہ ہے با"،

زبیدہ کی آواز دبی دبی مگر اس میں خوف کی آمیزش تھی_

"جا با واپس ان گوروں کے دیس، یہاں محبت نہیں غیرت کا راج ہے"۔۔۔۔۔۔،

محسن کے پاس اعلیٰ ڈگری تھی مگر محبت ان پڑھ تھی جس نے دل پر ایک انگوٹھا ہی تو لگایا تھا اور روح سمیت پوری حیات اپنے نام کر لی تھی_

مزار کی دیکھ بھال کرنے والا مجاور روشن دین صحن میں بیری کے درخت کے نیچے بنے چبوترے پر اپنے گھٹنوں میں سر دیئے چپ چاپ بیٹھا تھا_ ثمن اور زبیدہ کے جانے کے بعد زور سے حق ہو کی صدا لگا کر اٹھ کھڑا ہوا_ محسن اپنے قدموں کو گھسیٹ کر اس تک لایا،

"تیری زمرد کیسی ہے روشن"،

"یہاں ہے اس دل کے اندر"

روشن دین اپنے سینے پر ہاتھ مار کر جوش سے بولا،

"اور حق کہاں ہے"،

محسن کی آواز میں آنسو تھے_

"جھلیا!۔۔۔۔یہاں ہے حق"،

روشن دین نے پھر اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا اور حق ہو کی صداں میں جھومنے لگا_

اس بار فصل بہت اچھی ہوئی تھی_ نگاہیں دور تک جاتیں اور لہلہاتے کھیتوں میں خوشی کے جگنو بھر کے واپس لاتیں اور پلکیں رب کے شکرانے میں ہر لمحے جھپک کر اقرار بندگی کرتیں_ سورج ابھی حیرت سے دنیا والوں کو تک رہا تھا لیکن اس کی لو ماند پڑ رہی تھی_ محسن نے دور سے ثمن کو آتے دیکھا تو وہ بھی اس کی طرف بڑھا،"

"آج دیر نہیں کر دی محسن۔۔۔ بیجی پریشان ہو گئی تھیں"۔۔۔۔۔۔،

بدلتے موسم کی ہوا جسموں کو گدگدا رہی تھی_ سنہری ریشمی بالوں کی لٹیں ثمن کے چہرے سے لپٹ رہی تھیں_ محسن کی آنکھوں سے ابھرتی شرارت نے اسے مورنی بنا دیا اور وہ آگے آگے تھی اور محسن اس کی ہنسی کے پیچھے پیچھے تھا_

اب گاں کی کوئی عورت آدھی نہیں بلکہ پوری تھی، مذہب میں جب عورت اپنی پسند کے معاملے میں آزاد ہے تو کوئی وکیل ڈوگر اپنی بہن زمرد کو غیر برادری میں پسند کی شادی کرنے پر درانتی کے وار سے اپنی غیرت کا شملہ اونچا نہیں کر سکتا اور نہ ہی اپنی بچپن کی منگ کو صرف ایک زبان کی قیمت پر اس کی مرضی کے بغیر اپنے عقد میں لا سکتا ہے_

وکیل ڈوگر اپنے انجام کو پہنچ گیا، جان کا بدلہ جان، موت اس کا مقدر تھی، تختہ دار پر نہ سہی، روشن دین کے ہاتھوں ہی۔۔۔۔۔،

محبت کی عمر قید پیر سید شاہ کے مزار پر کاٹی جائے یا جیل کی سلاخوں کے پیچھے، رسم و رواج کے قاتلوں کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے، یہ تو قانون سوچے جو آج تک بہرا ہے۔۔۔۔۔

☆۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔☆

افسانہ

مسلک کا کلمہ

از قلم..... ہاجرہ عمران خان

دنیا میں ان کا بڑا نام تھا، ایک دنیا انہیں استاد مانتی تھی یار دوستوں میں انھیں دانشور پکارا جاتا عام دنیا انھیں علامہ طاہر عثانی کے نام سے جانتی تھی.... وہ ایک جانے مانے اسلامک سکالر تھے نیشنل اور انٹرنیشنل یونی ورسٹیوں میں لیکچرز دیا کرتے. ایک زمانہ ان کا گرویدہ تھا.

علامہ صاحب گھر کے ایک الگ پورشن میں مقیم تھے تاکہ ریسرچ اور علم و تعلم کا کام سکون سے سر انجام دے سکیں ان کی بیوی اور بچے کوٹھی کے بڑے حصے میں رہائش پزیر تھے

علامہ صاحب کی طبیعت آج کل کچھ ناساز تھی،، پرانا ملازم چھٹی پر گیا ہوا تھا، بیگم صاحبہ نے ایک نئے ملازم کا بندوبست کر کے ادھر بھجوا دیا.

علامہ صاحب نئےملازم کی خدمت سے بوہت خوش ہوے جس نے جی جان سے ان کی خدمت کی تھی،

احمد علی نا صرف علامہ کے کھانے پینے کا دھیان رکھتا بلکہ اکثر اوقات انھیں فارغ پا کر ہاتھ پاں بھی دباتا، بازوں اور پنڈلیوں کی مالش اس طور کرتا کہ علامہ عش عش کر اٹھتے ،..... سب سے اچھی بات جو احمد علی میں تھی وہ یہ کہ وہ یہ سارے کام نہایت خاموشی سے کرتا، علامہ کو اپنی ایکسی کی خاموشی بوہت عزیز تھی، قصہ مختصر یہ کہ علامہ احمد علی سے بوہت خوش ہو گیے .

مہینہ کے بعد انھیں احمد علی کو انعام دینے کا خیال آیا انہوں نے سوچا کہ غریب آدمی ہے، جاہل اور گنوار بھی ہے میں اسے دانش کی کوئی بات سکھا دیتا ہوں، جو ساری عمر اس کے کام آتی رہے گی.

ایک دن دسمبر کی صبح جب ہلکی ہلکی دھوپ لان میں درختوں ،بیل اور بوٹوں پر پھیل گئی احمد علی نے کرسیاں اچھی طرح صاف چمکا کر سبز گھاس پر بچھا دیں، علامہ جو کہ تمام رات ایک مقالے پر کام کرنے کے بعد سو کر فریش ہوا تھے تھے ناشتے کے بعد جھولتی کرسی پر آ بیٹھے، احمد علی بھاگ کر گیا اور زیتون کا تیل والا کین اٹھا لایا جو علامہ صاحب کو دبئی میں کسی قدر دان نے تحفہ کے طور پر پیش کیا تھا

علامہ کو یاد آیا کہ احمد علی کو کچھ سکھانا تھا، چنانچہ پنڈلیوں پر مہارت سے مالش کرتے احمد سے انہوں نے پوچھا " میاں، کس علاقے سے تعلق رکھتے ہو؟"

احمد علی کے مالش کرتے ہاتھ لمحہ بھر کو تھمے مگر سر جھکا رہا، وہ حیران ہوا تھا ....اس کی حیرت بجا تھی آج سے پہلے

علامہ صاحب نے اس کے ساتھ کبھی کوئی فالتو بات نہیں کی تھی .. شاید اس غریب کو اس بات کا یقین نہیں تھا کہ علامہ صاحب کبھی اس سے ذاتی سوال بھی کریں
جی میرا تعلق دنیاپور سے ہے؟" احمد علی کے ہاتھ پنڈلیوں پر اوپر نیچے تھرکنے لگے، اس نے جنوبی پنجاب کے ایک انتہائی پسماندہ علاقے کا نام لیا علامہ نے ناک سے سنکارا بھرا پھر اس کے تھرکتے ہاتھوں پر نظر جما کر بولے "تمہارا مسلک کیا ہے؟
اس بار اس نے ایک لمحے کو سر اٹھا کر نا سمجھی سے علامہ صاحب کا چہرہ دیکھا مگر رعب.. رخ انور ...... سے نگاہ خود بہ خود جھک گئی ،،،،،،"جی؟؟؟؟؟"
میں سمجھا نہیں "اس کے لیے یہ لفظ نا قابل فہم تھا، اس کے لہجے میں شرمندگی بھری ہوئی تھی ،مالش کرتے ہاتھ سست پڑ گئے علامہ صاحب نے سوچا کیسے اس گنوار کو سمجھائیں ؟؟"فرقہ سمجھتے ہو؟ "علامہ نے لہجے کو پرزور بنایا ."نہیں جی "وہ اور بھی زیادہ شرمندہ ہوا..... ہم دیہاتی تو جاہل ہو ہیں جی......... پرلے درجے کے پینڈو، ہے کیا یہ جی .....اب وہ تیل والے ہاتھ اپنے سر کے بالوں میں پھیرتا ہوا بولا...... اس وقت جانے کتنی مری ہوئی حسرتیں اس کی کمزور روح میں زندہ ہو اٹھی تھیں۔ سکول جانے کی حسرت، پڑھ لکھ کے بڑا آدمی بننے کی حسرت، مشہور ہونے کی خواہش"...... دیکھو مسلک ہمارا ایمان ہوتا ہے یعنی ہمارا دین ہمارا نظریہ...... اور کسی بھی انسان کے لیے سب سے اہم فرقہ ہوتا ہے "...... علامہ نے ہر ممکن آسان زبان میں سمجھانے کی کوشش کی..... مگر ازل سے ان پڑھ آدمی کے لیے ایسی باتیں سمجھنا آسان نہیں تھا۔

"آج سے تمہارا مسلک یعنی فرقہ........ ہے ،پاگل آدمی دنیا میں جینے کے لیے سب سے ضروری چیز فرقہ ہے ،فرقہ تمہاری پہچان ہے، اسے مت چھوڑنا "علامہ نے اپنی طرف سے اس غریب اور ان پڑھ آدمی کو اپنے فرقے کا فرد بنا کر احسان عظیم کیا تھا۔ جن علامہ صاحب سے لوگ صرف بات کرنے کے لیے اتنے جتن کیا کرتے تھے انہوں نے فری میں نتھی ایک گوار کو اپنی خدمت کے عوض اتنا بڑا شرف بخش دیا تھا۔ "ہمارے گاں کے مولوی صاب کہتے تھے ،پتر زندگی میں نماز ضرور پڑھنا، نماز انسان کو ھر برائی سے بچاتی ہے۔ تو کیا میں نماز پڑھ سکتا ہوں ؟؟؟؟ "اس کو فوری طور پر یہی بات سمجھ آئی ،،،جتنی عقل اتنی ہی سمجھ ... احمد علی نے گھاس پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے جوش سے پوچھا۔ "ہاں ہاں بالکل نماز تو لازمی ہے، بلکہ کل سے تم نے پانچ وقت نماز ادا کرنی ہے۔ "علامہ صاحب نے دل میں اسکی عقل کا ماتم کرتے ہوئے بظاہر لہجے میں شیرینی بھر کر کہا۔ پاگل کا بچہ ایک علامہ کا مقابلہ گاں کے مولوی سے کر رہا ہے، علامہ نے چہرہ دھوپ میں بلند کر کے اسے گرمائش پہنچائی، اور دل میں سوچا
احمد علی خوش ہو گیا، چلو شکر ہے نماز اس مذہب میں بھی پڑھتی ہے، وہ خوش تھا کہ اتنے بڑے عالم کی نظر اسے مل گئی ہے....
"اچھا کل سے جو بھی نماز پڑھو، اپنے فرقے کی مسجد میں پڑھنا .... اور اگر گھر نماز پڑھو تو اپنی مسجد کی اذان سن کر پڑھنا .... احمد علی علامہ کی باتوں پر یوں سر ہلا رہا تھا، جیسے اسے سب سمجھ آ رہی ہو........
اگلے روز علامہ صاحب کتب خانے میں تشریف فرما تھے جب احمد علی چائے لیے خدمت میں حاضر ہوا . اس نے

کھڑکا کے بغیر کپ میز پر رکھ دیا اور بصد احترام، الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا تا کہ علامہ کو پیٹھ دکھائے بغیر کمرے سے باہر نکل جائے۔ پتا نہیں ایک جاہل، پینڈو دیہاتی اتنی ڈھیر ساری تہذیب کہاں سے سمیٹ لایا تھا۔ علامہ نے لکھنے سے ہاتھ روک کر آواز دی، "احمد علی، ادھر آ ، وہاں کچھ دیر صوفے کے پاس بیٹھ جا ...." احمد علی صوفے کے پاس نیچے بچھے نبورے دبیز قالین پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر میں علامہ صاحب اپنا ریشمی چغہ سنبھالتے صوفے پر آ بیٹھے

"ہونہہ ..... تو کہو میاں؟؟؟ پھر نماز پڑھی؟"

احمد علی، جس نے جلدی سے آگے بڑھ کر علامہ صاحب کے پاں پکڑ کر دبانے شروع کر دیے تھے، زور سے سر ہلا کے بولا "جی مولانا صاحب، آج میں نے دن کی ساری نمازیں پڑھیں" علامہ صاحب نے مولانا کا خطاب ملنے پر برا منائے بغیر پوچھا "فجر کی نماز کس مسجد میں پڑھی تھی؟

""رات میں دیر سے سویا تھا تو صبح آنکھ دیر سے کھلی، اس لیے نماز کے لیے مسجد نہیں جا سکا مگر میں نے اٹھتے ساتھ ہی گھر پر قضا پڑھ لی جی" احمد علی ہچکچاتے ہوئے بولا اسے بہت شرم آ رہی تھی اپنی کوتاہی پر......

اچھا پھر ظہر کی نماز کب پڑھی؟؟ "علامہ نے برا نہ مناتے ہوئے اطمینان سے پوچھا

"ڈیگر ویلے میں سودا لینے بازار گیا تھا، ادھر ہی اذانیں ہو گئیں ... اور پندرہ منٹ اذانیں ہوتی رہیں، کبھی اس مسجد کبھی اس مسجد، مجھے تو سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ میں کس مسجد کی طرف جاں، اس لیے میں نے گھر آ کر تسلی سے نماز پڑھی .... پھر شاماں ویلے کی اذانیں شروع ہو گئیں ....

میں مسجد کی طرف چل پڑا مگر پھر میرے قدم رستے میں ہی پتھر کے ہو گئے، میرے سے بڑا گناہ ہونے لگا تھا جی توبہ توبہ استغفار" .... احمد علی نے علامہ کے پاں چھوڑ کر کانوں کو ہاتھ لگائے، کیا گناہ؟؟ مولانا کے کان کھڑے ہو گئے، حیرت سے استفسار کیا، "وہ جی جب میں نکا جتنا تھا ابا جی مجھے مدرسے مولوی صاب کے پاس چھوڑ آئے ... میرے منہ پر پہلا کلمہ نہیں چڑھتا تھا، مولوی صاب نے مجھے مار مار کر کلمہ سکھایا، پندرہ دن کے بعد جب میں کلمہ سیکھ گیا تو مولوی صاب بولے "ہاں، اب ہوا نا تو مسلمان "....... پیر و مرشد آپ نے مجھے اپنے فرقے کا کلمہ تو پڑھایا ہی نہیں؟؟؟؟ "مجھ سے بڑا گناہ ہونے لگا تھا جی ...... میں آپ کے فرقے کا کلمہ پڑھے بغیر ہی آپ کی مسجد میں گھسنے لگا تھا "....... احمد علی کے لہجے سے اس کا ایمان بول رہا تھا، اسے پکا یقین تھا کہ وہ ایک بڑے گناہ سے بچ گیا ہے .... علامہ زیرِ لب بڑبڑائے

"مسلک کا کلمہ؟؟...... "مسلک کا کلمہ؟؟؟

علامہ کو لگا کہ کتب خانے کی تمام کتابیں ان کے اوپر آ رہی ہوں ...... انھیں سانس لینے میں دشواری محسوس ہوئی .... علامہ زور سے کھانسے

" مگر فرقہ کا کوئی کلمہ نہیں ہوتا، کلمہ تو سب مسلمانوں کا ایک ہے ".......

علامہ کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز برآمد ہوئی۔

کیا یہ سچ نہیں کہ مخبرِ کائنات نے تو ایک کلمہ پڑھایا تھا مگر ہم نے امت کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا.......

☆......☆......☆

افسانہ

توہم پرستی

از قلم ...... انعم خان

مبارک ہو نوید صاحب آپکا بیٹا ہوا ہے. نرس نے کمبل میں لپٹے ہوئے ننھے سے وجود کو نوید کی گود میں دیتے ہوئے مبارکباد دی. نوید کی ماں نسرین اور بہن سفینہ بھی ساتھ تھیں. نوید نے بیٹا ماں کی گود میں دے دیا. ماشاءاللہ میرا چاند سا پوتا بالکل اپنے باپ پے گیا ہے. دادی نے اپنے پوتے کی بلائیں لیتے ہوئے کہا. اماں مجھے بھی دیں ناں سفینہ نے جھک کر ننھے وجود کو اپنی گود میں لے لیا.

نسرین بی بی کی دو ہی اولادیں تھیں نوید اور سفینہ اور ان کے شوہر کئی سال پہلے روڈ ایکسیڈنٹ میں وفات پا گئے تھے. پانچ سال ہو گئے نسرین بی بی نے نوید کی شادی اپنی سہیلی جمیلہ کی بیٹی ماہم سے کی. پر ان پانچ سالوں میں نوید اور ماہم اولاد کی نعمت سے محروم رہے. آخر کار بہت منتوں مرادوں سے شادی کے چھٹے سال اللہ نے انہیں اولادِ نرینہ کی نعمت سے نوازا اس ننھے فرشتے کو پا کر سب بہت خوش تھے. اپریشن کے چوبیس گھنٹے بعد ماہم کو چھٹی مل گئی.

بہو سب سے پہلے تم منے کو لے کر گھر میں داخل ہو آخر کو ہمارے گھر کو رونق تمہاری وجہ سے ملی ہے. نوید کی ماں نے ماہم کو آگے کرتے ہوئے کہا. ابھی ماہم نے گھر کے دروازے سے اندر قدم بھی نہیں رکھا تھا کہ سامنے سے ایک کالی بلی راستہ کاٹتے ہوئے بھاگی. رک جا ماہم نسرین بی بی نے ماہم کو ہاتھ سے پکڑ کر روکا. کالی بلی نے راستہ کاٹ لیا ہے یہ بدشگونی ہوتی ہے کوئی نقصان نہ ہو جائے. نوید تم ایسا کرو بچے اور ماہم کو لے کر ڈرائینگ روم کے دروازے سے اندر آئیں جا کر دروازہ کھولتی ہوں نسرین بی بی نے فکرمندانہ لہجے میں کہا. اماں کچھ نہیں ہوتا کوئی بدشگونی نہیں ہوتی مجھے یہیں سے اندر آنے دیں ماہم نے تھکن زدہ لہجے میں کہا. ماہم کیوں ضد کر رہی ہو اماں نے کہہ دیا تو مان لو آؤ میرے ساتھ نوید نے ماہم کو سہارا دیا اور اپنے ساتھ دوسری گلی میں لے آیا جہاں ڈرائینگ روم کا دروازہ کھلتا تھا.

سفینہ جلدی سے منے کی جگہ بناؤ اور ایک چھری لے آ کپڑے میں لپیٹ کر منے کے سرہانے رکھنی ہے اماں نے اپنی بیٹی کو آواز لگائی. اماں اس کی کوئی ضرورت نہیں چھری کا بھلا کیا کام بچے کے پاس ماہم نے ساس سے استفسار کیا. دیکھو بی بی تمہیں تو کچھ پتا ہے نہیں میں جو کرتی ہوں مجھے کرنے

وہ بلائیں بچوں کے پاس نہیں آتیں چھری رکھنے سے ماہم کی ساس نے ڈپٹ کر ماہم کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

اماں منے کا نام کیا رکھنا ہے نوید نے باہر جاتے ہوئے رک کر ماں سے پوچھا۔ عادل رکھ لیتے ہیں تمہارے بابا کا نام وہ تو اس دنیا سے چلے گئے اب ان کا پوتا دادا کا ہم نام ان کا نام روشن کرے گا۔ یہ سن کر ماہم کمرے سے باہر آئی اور کہا اماں یہ ضروری تو نہیں جو لوگ اس دنیا سے چلے جائیں ان کا نام دوبارہ رکھا جائے۔ میں احمد رکھوں گی اپنے بیٹے کا نام۔ اماں نے عادل کہہ دیا تو عادل ہی رکھا جائے گا منے کا نام نوید نے ڈانٹتے ہوئے بیوی کو چپ کروا دیا۔ اچھا اماں میں مٹھائی لے آؤں یہ کہہ کر نوید چلا گیا۔

.سفینہ ذرہ مجھے ناخن تراش دینا منے کے ناخن کاٹنے ہیں۔ بھابھی آج منگل ہے ناخن نہیں کاٹتے بدشگونی ہوتی ہے۔ سفینہ نے اپنا فلسفہ جھاڑا۔ سفینہ ایسا کچھ نہیں ہوتا تم لوگوں کے توہمات ہیں صرف میری عقل ان باتوں کو نہیں مانتی ماہم نے سفینہ کو سمجھانا چاہا۔ بھابھی آپ ان باتوں کو نہیں مانتی تو مت مانیں ہم تو مانتے ہیں۔ یہ کہہ کر سفینہ چلتی بنی۔ ماہم خود اٹھ کر ناخن تراش لے آئی اور منے کے ناخن کاٹے۔

. ثمینہ میرے کمرے سے جھاڑو تو لگا دو کل نہیں آئی تم اتنا گند ہو رہا ہے۔ باجی اب تو شام ہونے والی ہے عصر کے بعد جھاڑو نہیں لگاتے ثمینہ) کام والی (نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ تم جھاڑو لگاتی ہو یا لگاؤں تمہیں دو چار ماہم نے غصے سے ثمینہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اچھا باجی میں لگا دیتی ہوں کوئی نقصان ہو گیا تو آپ ذمہ دار ہونگی ثمینہ کہتے ہوئے جلدی سے ماہم کے کمرے میں گھس گئی۔

.اماں ہماری چھت پے کوا بول رہا ہے لگتا ہے آج کوئی مہمان آئیں گے سفینہ نے چہکتے ہوئے ماں کی گود میں سر رکھتے ہوئے کہا۔ ماہم یہ بات سن کر خود کو بولنے سے ناں روک پائی یہ سب توہمات ہیں اور کچھ بھی نہیں ہمارے دماغ کی اختراع ہیں یہ ان کی کوئی حقیقت نہیں خدارا آپ لوگ اس بات کو سمجھیں۔ اماں آپکی اور سفینہ کی ایسی باتیں سن سن کے میں تنگ آ گئی ہوں ماہم کو آج بہت غصہ آ رہا تھا۔ ہمارے اسلام میں توہم پرستی کا کوئی وجود نہیں۔ یہ پہلے وقتوں کے لوگوں کی من گھڑت باتیں ہیں۔ جن پر سب بغیر سوچے سمجھے عمل کرتے جا رہے ہیں۔ بی بی تم اپنا فلسفہ اپنے پاس ہی رکھو تو بہتر ہے۔ ماہم کی ساس نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اسے ٹوک دیا۔ کیا صحیح ہے کیا غلط ہم خوب جانتے ہیں ہمیں مت سمجھا۔ جا اپنا کام کر۔ اتنی باتیں سن کر ماہم اپنا سامنہ لے کر اندر کمرے میں چلی گئی۔

.اماں میلے کپڑے اور بستر وغیرہ نکال دیں آج مشین لگوانی ہے ثمینہ آتی ہی ہوگی۔ ماہم نے ساس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا بہو آج جمعرات ہے مشین نہیں لگاتے نقصان ہو جاتا ہے۔۔ اماں نوید کے سارے کپڑے میلے ہیں۔ کوئی نقصان نہیں ہوتا میں نے آج ہی مشین لگوانی ہے۔ باجی آج مت لگوائیں مشین خالہ ٹھیک کہہ رہی ہیں مشین خراب ہو جاتی ہے ثمینہ دروازے سے یہ کہتے ہوئے نمودار ہوئی۔ تم اپنا فلسفہ مت جھاڑا کرو ماہم نے ڈانٹتے ہوئے ثمینہ سے کہا نکالو مشین اور دھو کپڑے کام چور کہیں کی۔

بیشک اللہ ہے

از قلم فرشتے مریم

ماہم نے ساری زندگی ان توہمات کے شکار لوگوں میں گھرے رہنا ہے. کیونکہ کوئی اس کی بات پہ کان نہیں دھرتا مجبوراً ماہم کو چپ ہو جانا پڑتا ہے... پر ماہم اپنی کوشش جاری رکھے گی شاید زندگی کے کسی مقام پر وہ

یہ توہمات ہماری زندگی کا حصہ بن چکے ہیں. نہ صرف مشرق میں بلکہ مغرب میں بھی پڑھے لکھے ترقی یافتہ لوگ ان توہمات کا شکار ہیں. مغربی ممالک میں لوگ سیڑھیوں کے نیچے سے نہیں گزرتے ان کی کوشش ہوتی ہے کہ سیڑھیوں کے اطراف سے گزر کے جائیں. کیونکہ ان کے نزدیک سیڑھیوں کے نیچے سے گزرنے سے کوئی ناں کوئی مصیبت ضرور آتی ہے.

یہ توہمات کچھ بھی نہیں صرف ہماری ناقص العقلی ہے کہ ہم ایسی باتیں کرتے ہیں اور ان پہ یقین رکھتے ہیں. سوچنے کی بات ہے ماہم نے منگل کو میرے ناخن کاٹے، شام کے وقت جھاڑو لگوائی اور جمعرات کو مشین بھی لگوائی اس کا تو کوئی نقصان نہیں ہوا.

بلی راستہ کاٹے، کوا بولے، آنکھ پھڑکے ہچکی آئے کچھ نہیں ہوتا سب ناقص العقلی کی علامتیں ہیں. سوچ مثبت رکھیں بگڑے کام بھی سنور جائیں گے.

اے اللہ پاک ہمیں برے عقائد اور برے اعمال سے بچنے کی توفیق عطا فرما آمین

☆......☆......☆

فری ناز یہ سے فون پر کہہ رہی تھی کہ سب کہہ رہے ہیں کہ تم بہنوں کے رشتے نہیں ہو رہے ہیں تم سے آٹھ دس سال چھوٹی لڑکیوں کے رشتے ہو گئے میں باہر صحن میں آ گئی اور اوپر آسمان کو دیکھ کر اللہ کو پکارا اور کہا تو کہاں ہے کیوں نہیں سن رہا اور وہ آواز کسی نے نہیں سنی سوائے اللہ کے اور جواب آیا اللہ اول آخر یہ تین لفظ صاف آسمان پر سفید رنگ میں لکھے نظر آئے اور میرے منہ سے بیشک تو ہے کے بجائے سبحان اللہ کہتے نکلی اور فری نے میری بڑبڑاہٹ سن کر جھنجھوڑ کر پوچھا کیا ہوا تمہیں میں خواب سے جاگ گئی اور کہا بیشک تو ہے

☆......☆......☆......☆

اپنے آپکو پہچانیے

تحریر: رامین ایمان

میں سوچتی تھی یہ کیسا ظلم ہے؟ لا الہ الا اللہ کی نفی کا ہماری پریکٹیکل لائف سے کیا تعلق ہے؟ اب احساس ہوتا ہے کہ اپنے پیاروں سے مایوسی، قریبی رشتوں کی بے اعتباری اور توقعات کا ٹوٹنا شرک کی وجہ سے ہے۔ اللہ نے نقصان، فائدہ، سکون، بے سکونی، سب کچھ اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور ہم نے اس حقیقت کو چھوڑ کر اپنی طرف سے یہ فرض کر لیا ہے کہ ہماری عزت، ذلت، قسمت، دل کا اطمینان، سکون اور خوشیاں ہمارے ماں باپ، شوہر، بیٹے اور بھائی کے ہاتھ میں ہے۔ ہماری طبیعت کی یہ بے کلی اور بے سکونی صرف اس لئے ہے کہ ہمارے دوستوں، شوہر، بہن بھائیوں نے ہمارا خیال نہیں رکھا۔ وہ اپنی زندگی میں مگن ہیں اور کسی کو ہماری پرواہ نہیں۔ اپنے سارے مسائل اور ان کا حل اپنے اردگرد کے لوگوں میں بانٹ کر ہم یہ بھول گئے کہ سب مسئلوں کا حل اور سکون کا خزانہ اللہ کی ذات نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور ہمیں طریقے بھی سمجھائے۔ اس کی چابی ہمارے اپنے اندر رکھ دی۔

آج ہم جدید سائیکولوجی میں بھی تو یہی سیکھ رہے ہیں کہ اپنی ذات پر توجہ دو، نہ کسی سے ڈرو اور نہ کسی پر زبردستی کرنے کا کوئی حق ہے تمہیں۔ جب ہمارا فائدہ اور نقصان اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے تو پھر کسی سے ناراض ہونے، توقعات رکھنے اور شکایتیں کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

سورۃ فاتحہ میں اللہ پاک نے واضح فرما دیا ہے۔ کیا کوئی ہے جو میرے علاوہ نفع یا نقصان دے سکے تمہیں اور تمہاری سفارش کام آئے گی کسی کے بھی میرے علاوہ؟ پھر آج ہمارا نقصان، ہماری خوشی، غم سب کیسے ہمارے جیسے عام انسان کے ہاتھ میں ہو سکتے ہیں؟ اپنے اوپر ظالم نفس کو سوار مت کریں۔ جس نے آپ کو پیدا کیا ہے وہی آپ کی خوشی کا ضامن ہے، آپ کے دکھ درد وہ سب جانتا ہے۔ یہ وقت ہے صبر شکر کا کہ اللہ کا شکر گزار بندہ کبھی بھی نقصان میں نہیں اٹھاتا۔ جس نے خوشی میں شکر ادا کیا اس نے رب کو اپنے دکھ میں بہت قریب پایا۔ ہمارے خوشی اور غم کا ذمہ دار کوئی اور نہیں خود ہماری ذات ہے اور یہ سوچ کہ کسی نے آپ کو خوش رکھا یا نہیں رکھا ہمارے ایمان کی

کمزوری کی علامت ہے۔صرف اللہ کی ذات واحد ہے جو ہمارے سکونِ قلب، خوشی، دکھ سب کا ضامن ہے۔ وہی ہنساتا ہے، وہی رلاتا ہے اور وہی مجاز کے ذریعے رموزِ محبت سمجھا کر اپنا آپ عیاں کرواتا ہے، شکستگی میں درماندگی دیتا ہے پھر کیوں ایک انسان یا رشتوں کو لے کر کونے بیٹھ جاتے ہیں۔خدارہ نکالیے اپنے آپ کو، اپنی ذات کو ڈھونڈیے اور خوش رہیے۔ اگر کسی کی بات بری لگے تو وضو کیجیے جائے نماز پر بیٹھ کر بس اللہ پاک سے باتیں کیجیے،ان سے شکایت کیجئے دل کو اطمینان نصیب ہو جائے گا۔ محبت تو خود آپ کے اندر ہے، دل کے خوبصورت احساسات میں اللہ پاک نے اپنا آپ رکھا دیا لیکن وہ کسی ایسے ویران دل میں نہیں رہتا جہاں نہ محبت ہو، مجاز سے نالاں ہوں، شکوے ہوں، شکایتیں ہوں، مجاز کی محبت ہی آزمائش ہے اور اس آزمائش میں اللہ پاک محبت اور رشتوں کی حقیقت دکھا کر اپنے تک آنے والی سیڑھی آسانی سے طے کراتا چلا جاتا ہے۔ اس لیے ہم سے بہتر ہمارے بھلے کے لئے سوچنے والا اوپر بیٹھا ہے۔ ہمیشہ اچھا گمان رکھیے اللہ پاک سے کیونکہ اللہ کو اچھے گمان اور شکر گزار لوگ پسند ہیں۔ وہ خوبصورت ذات خوبصورت گمان کے قابل ہے۔

☆......☆......☆......☆

افسانچہ

عقیدت بھرا تحفہ

آرزو نبیلہ اقبال

پیارے بچوں یہ آپ کا بھائی ہے۔اس کا نام انس ہے۔ جاؤ اسے کھلونے دکھاؤ اور کھیلو۔ابو جی نے بچوں کو پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

اس کا تمہارے گھر پر، تمہارے ماں باپ پر کوئی حق نہیں۔ ارد گرد گردش کرتی متفرق آوازیں تھیں۔

ابو کا پروموشن ہو گیا، آج گھر میں سرپرائز تقریب منعقد کی گئی۔سب بچوں نے گھر کو سجایا۔سب کے پاس بہت خوبصورت تحائف تھے۔انس کو بخار تھا لیکن اسے بھی اپنے پیارے ابو کو کوئی تحفہ دینا تھا۔ بہت عقیدت و محبت سے اس نے ایک فریم بنایا اور اس میں ابو کی تصویر لگائی۔

امی کچن میں لذیز کھانے بنانے میں مصروف تھی۔

ابو کا انتظار کیا جا رہا تھا۔انس بھی تحفہ لیے باہر آیا۔

تمہارے تحفے کی کیا اہمیت۔۔ بچوں نے تصویر کو ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ٹوٹے ہوئے فریم کی طرح انس کا دل بھی بری طرح چکنا چور ہو چکا تھا۔

انس نے عقیدت سے فریم کو اٹھایا اور واپس مڑنے لگا کہ دروازے میں ایستادہ ابو جی نظر آئے۔ابو جی انس کی طرف آئے۔انس بچے میں تمہارے ساتھ ہوں، تمہارا تحفہ بہت قیمتی ہے کیونکہ تم نے بہت محبت و لگن سے خود بنایا ہے۔

ابو جی نے انس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔انس کی آنکھوں میں اب تشکر کے آنسو تھے۔انس نے اپنے پیارے ابو جی کے ہاتھ چوم لیے۔

☆......☆......☆......☆

"ارے میری بہنوں میری ماں مجھے اندر تو آنے دو۔۔۔پلیز۔۔"

"بلکل نہیں۔۔بلکل نہیں۔۔"

"حسن بھائی جب تک آپ ہمیں پچیس ہزار روپے نہیں دیں گے تب تک ہم آپکو آپ کی دلہن کے پاس جانے نہیں دیں گے۔"

حسن اپنے بیڈروم میں بیٹھی اپنی نئی نویلی دلہن کے پاس جانے کے لیے بہت زیادہ بیتاب ہورہا تھا۔ پر بیڈروم کے دروازے پہ اس کی سب کزنز اس کا راستہ روک کے کھڑی ہوگئی تھیں۔

حسن کی سب سے لاڈلی کزن رمشہ نے اپنے دونوں ہاتھ کمر پہ ٹکا کے اسے اپنی ڈیمانڈ بتائی تھی۔

"کیا۔۔؟پچیس ہزار۔۔۔۔" حسن کو لگا شاید اسے سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔

"جی ہاں۔پچیس ہزار روپے وہ بھی کیش۔" زارا نے تصدیق کی تھی۔

"اچھا آج چھوڑو کل پرامس دے دوں گا۔"

"جی نہیں۔ہمیں تو آج ابھی اور اسی وقت چاہیئے۔"

"ارے بھئی کچھ تو کم کرو۔آدھے ابھی لے لو آدھے پرامس کل دے دوں گا۔اتنا کیش ابھی میرے پاس ہے نہیں آئی سویر۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔آپ بھی کیا یاد کرینگے۔دیجیئے بارہ ہزار روپے۔" دعا نے جیسے حسن پہ بہت بڑا احسان کر کے اسکی بات مانی اور پیسے لینے کے لیے اپنا ہاتھ آگے کیا۔

حسن نے اپنی ان سب کزنز سے اپنی جان چھڑانے کے لیے جلدی سے اپنے والٹ سے پیسے نکال کر ان کے ہاتھ پہ رکھے۔پیسے ملتے ہی سب کزنز خوش ہوگئیں اور حسن کو اندر آنے کے لیے راستہ دیتے ہوئے خود باہر نکل گئیں۔ان سب کے جاتے ہی حسن نے گہرا سانس لیتے ہوئے مسکرا کر شکر ادا کیا اور اپنے بیڈروم کا دروازہ لاک کر کے اپنی نئی نویلی دلہن عناب کی طرف مڑا جو بیڈ پہ نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔۔حسن اسے بہت شوخ ومبہوت نظروں سے دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ اس کے پاس آیا اور بہت پیار سے عناب کے خوبصورت سراپے کو دیکھتے ہوئے اس کے سامنے بیڈ پہ

بیٹھ گیا۔

"بہت انتظار تھا مجھے اس دن کا جب تم میرے بلکل پاس ہو اور میں تم سے اپنے دل کی ساری باتیں شیئرز کروں۔ ہمیں پہلے کہیں ملنے کا اتفاق جو نہیں ہوا تمہارے لیے شاید یہ ارینج میرج ہو پر میرے لیے یہ لو میرج ہے کیونکہ تمھاری صرف تصویر دیکھتے ہی مجھے تم سے محبت ہو گئی تھی۔" حسن بہت دھیمے اور پیار بھرے لہجے میں اپنے دل کی باتیں عناب سے کر رہا تھا۔ زندگی میں اس کے لیے یہ پہلا ایکسپیرینس تھا جب وہ اس طرح سے اپنے دل کی باتیں کسی سے کر رہا تھا۔ خود پہ ہنستے ہوئے حسن نے اپنا ماتھا کھجا کر کچھ سٹپٹا کے کہا۔" کتنی باتیں سوچ رکھی تھیں میں نے کہ تم میرے پاس آ گئی تو تم سے یہ کہوں گا وہ کہوں گا۔۔ پر اب تو کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا کہ کیا بات کروں۔" مسکراتے ہوئے کچھ لمحے وہ عناب کو دیکھنے لگا۔ اچانک کچھ یاد آنے پہ وہ بیڈ سے اٹھا اور سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کیا اس میں سے ایک باکس نکال کر واپس بیڈ پہ بیٹھ گیا۔

عناب کی نظریں اپنے ہاتھوں پہ تھیں، وہ اپنے ہاتھوں کو مسل رہی تھی۔ حسن اس کی یہ حرکت نوٹ کر رہا تھا اور مسکرا رہا تھا۔ وہ لڑکا ہو کے اتنا نروس ہو رہا تھا تو پھر وہ تو اک نازک سی لڑکی تھی۔ کچھ لمحے وہ عناب کے ہاتھ پیار سے دیکھنے لگا پھر آہستہ سے اپنا ہاتھ عناب کے ہاتھ پہ رکھنا چاہا تو عناب نے ایکدم سے اپنا ہاتھ ہٹا دیا۔ حسن سمجھ سکتا تھا کہ وہ اس سے شرما رہی تھی۔ حسن نے مسکرا کرا اپنے ہاتھ میں پکڑا باکس کھولا اور اس میں سے بہت ہی خوبصورت سا ڈائمنڈ بریسلیٹ نکال کر عناب کو پیار سے دیکھتے ہوئے اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا کے اس سے ہاتھ مانگا۔ عناب نے یکدم نظریں دوسری طرف کر لیں۔ اس کے اس انداز پہ حسن کو کچھ ہنسی آنے لگی۔ اس نے جیسے ہی عناب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو عناب نے ایک جھٹکے سے حسن کے ہاتھ کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور اس سے کچھ فاصلے پہ بیٹھ گئی۔ حسن کچھ الجھ سا گیا۔ پھر بریسلیٹ عناب کی طرف کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"یہ تمہارے لیے ہے۔"

"رکھ دیں۔" عناب کا لہجہ حسن کو کچھ عجیب سا لگا تھا۔ شاید وہ تھک گئی ہو گی اس لیے۔ حسن نے سوچا پھر کہنے لگا۔

"پر میں چاہتا ہوں کہ تم اسے ابھی پہنو۔" حسن کے کہتے ہی عناب اسے بہت غصے سے دیکھ کر کہنے لگی۔

"مجھے نہیں پہننا اور نا ہی مجھے کچھ چاہیے۔" اس کا ایسا روکھا انداز دیکھ کر حسن کے ماتھے پہ کچھ بل نمودار ہوئے، وہ حیران تھا۔" اس بے رخی کی وجہ جان سکتا ہوں؟" حسن کے کہتے ہی وہ تیزی سے بیڈ سے اتری اور حسن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بے خوف ہو کے کہنے لگی۔

"جی ہاں آپ بلکل جان سکتے ہیں۔ یہ شادی میری مرضی کے خلاف ہوئی ہے۔ میں آپکو پسند نہیں کرتی۔ میں اپنے کلاس فیلو اسد کو پسند کرتی ہوں اور اسی سے شادی کرنا چاہتی تھی پر میرے پیرینٹس کو میری شادی کروانے کی جلدی تھی اس لیے انہوں نے میری شادی آپ سے کر دی۔ پر میں آپکے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔ اس لیے آپ شوق سے مجھے طلاق دیدیں۔ اگر میں شادی شدہ زندگی کسی کے ساتھ

گزارنا چاہتی ہوں تو صرف اسد کے ساتھ بس۔"

وہ بنا کسی ڈر اور ہچکچاہٹ کے حسن کو بتا رہی تھی۔ ایسے جیسے اس کے لیے یہ کوئی بہت ہی معمولی بات ہو۔ عناب کے منہ سے ایسی باتیں سن کر حسن کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ اپنے دانت اور مٹھیاں زور سے بھینچ کے اس نے اپنے غصے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔ عناب اتنی بڑی بات اس سے اتنے آرام سے کہہ کر کمرے سے باہر جانے کے لیے جیسے ہی بڑھی تو حسن نے ایکدم سے اسے کلائی سے پکڑ کر روکتے ہوئے کہا۔

"رکو۔ تم اگر میرے ساتھ خوش نہیں تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔" حسن نے اس کی کلائی چھوڑتے ہوئے سخت اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔ عناب رک گئی۔

"میرے گھر میں بہت سے مہمان رکے ہوئے ہیں اس لیے تماشہ تین دن تک نا کرو۔ اس کے بعد تم جو چاہتی ہو وہ میں کروں گا۔ پر تب تک تم کہیں نہیں جاؤ گی اور سب کے سامنے نارمل رہو گی۔"

حسن نے بہت سمجھداری سے سوچتے ہوئے اس سے ایک ڈیل کی تھی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسے رشتوں کو بزنس کی طرح ڈیل کرنا پڑے گا۔ وہ اپنے گھر کی عزت اس طرح اپنے خاندان والوں کے سامنے اچھلتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ عناب کو اس کی یہ ڈیل قابل قبول تھی۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگی۔

"ٹھیک ہے۔ پر تین دن سے زیادہ میں اس گھر میں نہیں رہوں گی۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حسن کی بات مانتے ہوئے عناب نے تین دنوں تک سب کے ساتھ بہت اچھا رویہ رکھا اور کسی پہ کچھ بھی ظاہر نہیں ہونے دیا۔

عناب ایک بہت ہی خوبصورت اور دبلی پتلی سی لڑکی تھی۔ گورا رنگ، خوبصورتی سے تراشے گئے براؤن سلکی بال، سیاہ آنکھیں، لمبی پلکیں، اسے دیکھ کے ہر کوئی حسن سے اس کی تعریف کر رہا تھا اور حسن تھا کہ جیسے ایک رات میں اس کی زندگی سے خوشی چلی گئی تھی۔ چاہنے کے باوجود بھی وہ مسکرا نہیں پا رہا تھا۔

حسن اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھا۔ بہت ہی سمجھدار، سنجیدہ اور ذہین لڑکا تھا۔ اگر عناب خوبصورت تھی تو حسن بھی کسی سے کم نہیں تھا۔ مناسب قد و قامت والا ایک بہت ہی خوبرو نوجوان تھا۔ اپنی محنت اور ذہانت نے اسے بہت کامیاب کیا اور صرف تیئس سال کی عمر میں اس نے سی ایس ایس کا امتحان پاس کر کے اے ایس پی کی پوسٹ حاصل کر لی۔

حسن کے والد رفیق مصطفیٰ ایک بہت کامیاب بزنس مین تھے۔ دولت کی کمی نہیں تھی لیکن حسن نے اپنے لیے سول سروس کے شعبہ کا انتخاب کیا۔ وہ اپنے والدین کا بہت فرماں بردار بیٹا تھا۔ اس کے سول سروس جوائن کرنے پہ رفیق مصطفیٰ کو تو کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن حسن کی والدہ فہمیدہ نے کچھ اعتراض کیا تھا۔

"اتنی جائیداد کے اکیلے وارث کو سرکاری نوکری کرنے کی کیا

"ضرورت پڑی ہے؟" لیکن پھر حسن کی دلچسپی دیکھ کر وہ خاموش ہو گئیں۔ اپنی شادی کا فیصلا حسن نے اپنے والدین پہ چھوڑا ہوا تھا۔

عناب کو فہمیدہ نے کسی شادی میں دیکھا تھا اور اسے دیکھتے ہی انہوں نے اسے اپنی بہو بنانے کا فیصلا کر لیا۔ وہ اپنے بیٹے کا رشتہ عناب کے لیے لے کر گئیں۔ اتنے اچھے خاندانی رشتے کے آنے پہ عناب کے والدین کے پاؤں زمین پہ نہیں ٹک رہے تھے۔ خاص کر عناب کے بابا جو اپنی بیٹی سے بہت پیار کرتے تھے اور اس کے لیے ایسا ہی رشتہ چاہتے تھے اسی لیے انہوں نے فہمیدہ اور شفیق کو ہاں کرنے میں دیر نہیں کی۔ حسن کے والدین بھی بہت خوش تھے۔ انہیں اپنے بیٹے کے لیے جیسی لڑکی کی تلاش تھی وہ انہیں مل گئی تھی۔

فہمیدہ نے عناب کی تصویر حسن کو دکھائی تو اسے بھی عناب بہت پسند آئی۔ لڑکیوں سے وہ ڈرا اور ڈرنے والا لڑکا تھا پر عناب کی تصویر دیکھ کے اسے لگا کہ ہاں یہی وہ لڑکی ہے جس کے ساتھ وہ اپنی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ حسن کی نئی نئی سیٹنگ ہوئی تھی اور اسے چھٹیاں نہیں مل رہی تھیں اس لیے اپنی منگنی کی رسم پہ بہت کوشش کے باوجود وہ جانہ سکا۔

شادی کے وقت حسن بہت خوش تھا لیکن شادی کی پہلی رات ہی عناب نے اس کی خوشیوں کا قتل کر دیا تھا۔ ایک لڑکی اسکی زندگی کا کتنی آسانی سے تماشہ بنا گئی تھی۔ اس کے سامنے تو اچھے بھلے بھی بات نہیں کر پاتے تھے اور وہ ایک کمزور سی لڑکی کے ہاتھ کا کھلونا بن گیا تھا۔ اسے خود سے زیادہ اپنے ماں باپ کی عزت کی فکر ہو رہی تھی۔ ان تین دنوں میں حسن نے جتنی سگریٹ نوشی کی تھی اتنی پہلے کبھی نہیں کی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سب مہمانوں کے جانے کے بعد اس نے عناب کے کہنے سے پہلے ہی اسے اس کے والدین کے گھر چھوڑنے کو کہا۔ وہ خاموشی سے تیار ہو کر حسن کے ساتھ اپنے والدین کے گھر جانے کے لیے باہر آئی۔ حسن اس سے پہلے ہی اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پہ اسٹیئرنگ پہ ہاتھ رکھے بہت سنجیدگی کے ساتھ بیٹھا تھا جیسے اسی کا انتظار کر رہا تھا۔

فہمیدہ عناب کو گاڑی تک چھوڑنے آئی تھیں۔ عناب خاموشی سے فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گئی۔ اس نے جیسے ہی دروازہ بند کیا حسن نے اسے دیکھے بغیر گاڑی یکدم اسٹارٹ کی اور اسے لے جانے لگا۔ عناب خاموشی سے بیٹھی کھڑکی کے باہر سڑک کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بیٹھے بیٹھے خیالوں میں کہیں کھو گئی تھی۔ حسن کے چہرے پہ کوئی تاثر نہیں تھا۔ سفید کاٹن کی شلوار قمیض پہنے آنکھوں پہ سیاہ چشمہ لگائے وہ بہت سنجیدگی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ وہ بہت تیز گاڑی چلا رہا تھا کہ اچانک سامنے اسپیڈ بریکر کے آ جانے سے گاڑی کو ایک جھٹکا سا لگا جس کی وجہ سے عناب چونک کے اپنے خیالوں سے باہر آ گئی۔

وہ کتنی دیر سے گاڑی میں بیٹھی ہوئی تھی اسے پتہ ہی نہ چلا۔ اس کا گھر اتنا دور تو نہیں تھا پھر وہ ابھی تک گھر کیوں نہیں پہنچی تھی؟ یہ سوچ کر اس نے جیسے ہی سامنے راستے کو دیکھا تو کچھ بوکھلا سی گئی۔ یہ تو کوئی انجان، سنسان سا راستہ تھا۔ یہ راستہ تو اس کے گھر کی طرف نہیں جاتا تھا پھر حسن اسے کہاں لے جا رہا تھا؟ وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھی۔ اس نے کچھ

الجھے ہوئے انداز میں اس راستے کو دیکھا پھر حسن کی طرف دیکھ کر غصے سے پوچھنے لگی۔

"یہ آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟" حسن نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"آپ مجھے بتاتے کیوں نہیں؟ کہاں لے جا رہے ہیں مجھے آپ؟" اس کے کہتے ہی حسن نے برہمی سے ایک نظر عناب پہ ڈالی۔ ایک پل کو عناب ڈر گئی تھی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"دیکھیے آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ روکیے گاڑی۔ میں کہتی ہوں گاڑی روکیے ورنہ۔۔۔۔" حسن نے اس کی بات کاٹ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ورنہ۔۔۔۔ ورنہ کیا؟"

"ورنہ میں گاڑی سے چھلانگ لگا لوں گی۔" حسن اس کی بات سن کر استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ پھر گاڑی کی رفتار مزید تیز کی اور گیئر چینج کر کے اسے بہت سخت اور کڑک نظروں سے دیکھ کے کہنے لگا۔

"لگا چھلانگ۔" حسن کی بات سن کر عناب کے چہرے پہ پسینہ آ گیا۔

"دیکھیے۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ پلیز ایسے مت کریں۔ گاڑی روکیے پلیز۔ آخر آپ مجھے کہاں لے کر جا رہے ہیں؟ میں نے پہلے ہی آپ کو بتا دیا ہے کہ میں آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتی پھر آپ کیوں میرے ساتھ ایسا کر رہے ہیں؟" حسن نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔

عناب کے چہرے پہ ڈر کے تاثرات بڑھ گئے۔ حسن نے گاڑی بلکل انجان سڑک پہ لے جا کے موڑی۔ عناب کے دل کی دھڑکنیں تیز سے تیز ہوتی جا رہی تھیں اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ رہے تھے۔ اس کے ساتھ کچھ برا ہونے والا تھا یہ اس کی چھٹی حس اسے بتا رہی تھی لیکن کیا یہ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں دور سے ایک بہت بڑا اور خوبصورت سا فارم نظر آنے لگا جہاں پہ ناریل، آم، سیب اور امرود کے مختلف درخت لگے ہوئے تھے۔ وہ فارم اتنا خوبصورت بنا ہوا تھا کہ کوئی بھی اس کی خوبصورتی سے متاثر ہو جاتا۔ فارم کے بیچ سے اندر جانے کے راستے کی طرف حسن گاڑی لے گیا۔ عناب کے ہاتھوں پہ کپکپی طاری ہو گئی تھی۔ اسے حسن کا ایسا انداز بری طرح ڈرا رہا تھا۔ حسن نے ایک بہت بڑے خوبصورت وسیع و عریض فارم ہاؤس کے باہر گاڑی روکی اور زور زور سے ہارن بجانے لگا۔ دو منٹ بھی نہ ہوئے تھے کہ اندر سے ایک چوکیدار نمودار ہوا اور جلدی سے گیٹ کھول دیا اور حسن کو ہاتھ کے اشارے سے سلام کرتے ہوئے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ حسن نے تیز رفتاری کے ساتھ گاڑی فارم ہاؤس کے اندر بنے پارکنگ لاٹ میں روک دی۔ وہ تیزی سے گاڑی سے اترا اور چوکیدار کو دیکھ کے سختی سے کہنے لگا۔

"تم ابھی جاؤ جب بلاؤں تب آنا۔"

حسن کا حکم سنتے ہی چوکیدار اسی وقت وہاں سے باہر چلا گیا۔ چوکیدار کے جاتے ہی حسن عناب کی طرف آیا۔ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور بہت غصے اور اشتعال سے عنابکو کلائی سے پکڑ کر زور سے کھینچتے ہوئے گاڑی سے باہر نکالا۔ حسن کے چہرے پہ چھایا غصہ دیکھ کر عناب کی آنکھوں میں

ڈر کی وجہ سے آنسو آنے لگے۔ اس نے حسن کے ہاتھ کی مضبوط گرفت سے اپنی کلائی کو چھڑانے کی بھرپور کوشش کی پر وہ ناکام رہی۔ اب وہ باقاعدہ رونے لگی تھی۔

"حسن پلیز۔۔۔ پلیز مجھے جانے دیں۔ آپ۔۔۔ آپ اپنے وعدے سے مکر رہے ہیں۔ دیکھیئے آپ نے جیسا کہا میں نے ویسے ہی کیا اب آپ میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔ پلیز مجھے میرے والدین کے پاس چھوڑ دیں۔"

حسن کی آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا تھا۔ عناب کے رونے کو نظرانداز کرتے ہوئے وہ اسے کھینچتے ہوئے اندر لے جا رہا تھا۔ عناب مسلسل روئے جا رہی تھی اور حسن کی منتیں کیئے جا رہی تھی۔

"حسن آپکو اللہ کا واسطہ مجھے چھوڑ دیں۔ پلیز مجھے جانے دیں۔ پلیز پلیز۔"

اپنی کلائی چھڑانے کے ساتھ ساتھ وہ روتے ہوئے حسن سے التجائیں کیے جا رہی تھی لیکن حسن پہ کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ عناب کو بہت بے دردی سے کھینچتے ہوئے اندر لے جا رہا تھا۔ عناب اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور پھسل گئی۔ حسن نے اس کی پرواہ نہ کی اور اسے بیدردی سے گھسیٹتے ہوئے بیڈروم میں لے جا کر زور سے پٹخا۔ عناب ڈر کی وجہ سے یکدم کھڑی ہو گئی۔ حسن اس کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ کمر پہ ٹکائے کسی خونخوار شیر کی طرح کچھ لمحے اسے برہمی سے دیکھتا گیا پھر اس کے قریب آ کے اس کے گالوں پہ ایک کے بعد ایک بہت زوردار تھپڑ مارے اور بالوں سے کھینچ کر اسے زور سے زمین پہ پٹخا۔ عناب روتے روتے اپنے چہرے کو ہاتھوں سے چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے حسن سے پیچھے ہٹ کے کہنے لگی۔

"حسن نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ پلیز میرے ساتھ ایسا نہ کریں۔"

حسن گھورتے ہوئے اس کی طرف آیا۔ اسے بالوں سے کھینچ کے اپنی طرف کیا اور اس کی ٹھوڑی زور سے پکڑی۔

"آہ۔۔۔" وہ کسی ڈرے ہوئے بچے کی طرح خوف اور درد سے کراہنے لگی۔

"ثبوت تو میں تمہیں اسی وقت کر دیتا جب تم مجھے اپنے عشق کا قصہ سنا رہی تھیں۔ تم کیا سمجھتی ہو کہ تم مجھے اپنے عشق کی داستانیں سناؤ گی اور میں تمہیں آرام سے چھوڑ دوں گا؟" پھر عجیب سے انداز میں اسے دیکھ کے ہنسا۔ "عناب تم بہت غلط انسان سے الجھ بیٹھی ہو تم۔ اب ساری زندگی تمہیں میں اپنے نام پہ بٹھائے رکھوں گا۔ وہ حال کروں گا تمہارا کہ زندگی بھر یاد رکھو گی۔ تمہیں میں ایسا کام کرنے والی دوسری لڑکیوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دوں گا۔" اس نے عناب کو زور سے پٹخ دیا۔

عناب نے حسن سے ڈر کے تیزی سے باہر نکلنے کے لیے جیسے ہی دروازے کی طرف بڑھی تو حسن نے یکدم سے اسے پکڑ لیا اور بالوں سے کھینچ کر پیچھے کرتے ہوئے زوردار تھپڑ رسید کیے اور دوبارہ بالوں سے کھینچ کے اسے پوری طاقت سے زمین پہ پٹخا۔ عناب بہت بری طرح گری تھی۔ حسن بہت غصے سے اس کے قریب آ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ کے آنکھیں نکال کر اسے دیکھ کے کہنے لگا۔

"یہاں سے نکلنے کا کبھی سوچنا بھی مت۔ اگر تم نے بھولے

سے بھی کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیل کوں کو کھلا دوں گا۔ سمجھی؟" اسے ذرا دھکا کے وہ باہر چلا گیا اور وہ کسی بچے کی طرح خوف کے مارے روتی اور کانپتی جا رہی تھی۔ اس کے منہ سے خون نکلنے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کچھ گھنٹوں بعد وہ دوبارہ عناب کے پاس آیا۔ اس کے چہرے پہ غصہ صاف نظر آ رہا تھا۔ عنا نیچے ہی سکڑ کے بیٹھی رو رہی تھی۔ حسن کو دوبارہ اندر آتے دیکھ کر ڈر کے وہ یکدم پیچھے ہٹ گئی اور دیوار سے ٹیک لگا لی۔ کچھ لمحے وہ اسے بنا پلکیں جھپکائے غصے سے دیکھتا رہا پھر اس کے قریب آ کر کہنے لگا۔

یہاں کے سارے ملازموں کو میں نے چھٹی دیدی ہے اس لیے یہاں پہ اب تمہارے لاڈ اٹھانے والا کوئی نہیں۔ اب تم یہاں سے زندہ سلامت باہر نہیں نکل سکتیں۔ تم اب میری بنائی ہوئی قید میں ہو۔ میں تمہیں جان سے ماروں گا پر اس فارم ہاس سے باہر قدم رکھنے نہیں دوں گا۔ میں جا رہا ہوں۔ اب اس سنسان جگہ پہ تم جیو یا مرو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔"

حسن کے منہ سے ایسی باتیں سن کر عناب تو اپنے ہوش ہی کھو بیٹھی۔ اتنے بڑے اور سنسان فارم ہاس میں وہ اسے اکیلے کیسے چھوڑ کے جا سکتا تھا۔ اسے ذرا دھکا کے وہ جیسے ہی جانے کے لیے مڑا عناب اسی وقت دوڑتی ہوئی حسن کے پاس آ کر اس کے پیر پکڑ کر بلک بلک کے رونے لگی۔

حسن نہیں۔ حسن آپ۔۔۔ آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ پلیز۔۔۔ پلیز مجھ پہ رحم کریں۔ مجھے یہاں اکیلے چھوڑ کے مت جائیں۔ میں مر جاں گی۔ پلیز۔۔۔ حسن پلیز۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

حسن کو اس پہ ذرا بھی رحم نہیں آیا اور اسے ایک جھٹکا دے کر اپنے پاں اس کے ہاتھوں کی کمزور سی گرفت سے چھڑوائے اور طیش میں آ کر اس کے بالوں کو کر پکڑ لیا۔

☆☆"بہت غلط انسان سے الجھ بیٹھی ہو تم۔ حساب تو تمہیں دینا ہی ہوگا۔ ڈرتی رہو بھلے اور ڈر ڈر کے جب مر جاگی تو میں یہیں تمہیں دفن کر دوں گا۔ سمجھی تم؟" اس نے عناب کو زور سے پٹخا اور تیزی سے باہر نکلا، گھر کا مین ڈور لاک کیا اور اپنی گاڑی چلا کے باہر نکل گیا۔

کس قدر ظالم تھا وہ۔ اسے اک کمزور سی لڑکی پہ ذرا بھی ترس نہیں آیا۔ جب تک وہ حسن کے پیچھے جانے کے لیے اٹھی تب تک وہ باہر نکل چکا تھا اور وہ ڈر کی وجہ سے کتنی دیر تک روتی اور کانپتی رہی۔

رات کا سناٹا اور اندھیرا بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں اسے اور زیادہ ڈرا رہی تھیں۔ رو رو کر اس کی تو ہچکیاں ہی بندھ گئی تھیں۔ ڈر نے اس کے پورے وجود پہ کپکپی طاری کر دی تھی۔ وہ بیڈ پہ سکڑ کے بیٹھ گئی اور خود کو رضائی میں چھپا لیا۔ روتے روتے کب اس کو نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا اسے پتہ ہی نا چلا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح سورج نکلتے ہی چڑیوں کے چہکنے کی آوازیں آنے لگیں۔ چڑیوں کی آواز سن کر وہ جاگ گئی۔ سورج کی روشنی نے کمرے کو روشن کر دیا تھا۔ رات کے مقابلے میں اب اسے ڈر کم لگ رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اٹھی اور واش روم میں جا کر

ہاتھ منہ دھو کے فریش ہوگئی۔ اس کا سر درد سے بھاری ہو رہا تھا۔ وہ کمرے سے باہر نکل کر باورچی خانہ ڈھونڈنے لگی۔ پھر باورچی خانہ میں جا کر اپنے لیے چائے بنائی۔ چائے پیتے ہوئے حسن کے رویے کا سوچ کے اس کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔ ایسا رویہ تو کوئی جانوروں کے ساتھ بھی نہیں کرتا جتنا برا رویہ حسن نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ کیا بات اچھی لگی تھی اس کے ماں باپ کو حسن میں کے انہوں نے اپنی پھول سی نازک بیٹی اس ظالم انسان کے حوالے کر دی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو کسی سیلابی ریلے کی طرح بہہ رہے تھے۔

فارم ہاس سے باہر نکلنے کے لیے اس نے تبھی دروازے کھڑکیاں کھولنے کی کوشش کی پر سب دروازے لاک تھے اور کھڑکیوں پہ لوہے کی گرل لگی ہوئی تھی۔ گرل کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر وہ زور زور سے رونے اور چلانے لگی۔

"کوئی ہے؟ مجھے یہاں سے باہر نکالو پلیز۔ کوئی میری مدد کرو۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ میں مر جاں گی۔ پلیز مجھے باہر نکالو۔ میری مدد کرو۔" وہ اپنا سر گرل پہ ٹکا کے بے بسی سے سسک سسک کر رونے لگی۔ کسی نے بھی اس کی آواز نہیں سنی۔ کوئی اس کی مدد کو نہیں آیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تین دنوں تک ایک ہی جوڑا پہنے اسے اب بہت الجھن ہو رہی تھی۔ اس کے کپڑوں کا بیگ تو گاڑی میں ہی رہ گیا تھا۔ جو شاید حسن نے جان بوجھ کر گاڑی سے نہیں نکالا تھا۔ وہ لانج میں لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے پاس آ کر خاموشی سے بیٹھ گئی۔ رو رو کر اس کے تو آنسو ہی خشک ہو گئے تھے۔ اسے اب ڈر بھی کم لگ رہا تھا۔ وہ بے بسی اور بے تاثر چہرے کے ساتھ کافی دیر تک کھڑکی کے پاس بیٹھی رہی۔ اسے ٹھہر ٹھہر کے حسن کا رویہ یاد آ رہا تھا۔ کھڑکی پہ اپنا ماتھا ٹکا کے اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ وہ پھر سے سوچوں میں کہیں گم ہوگئی تھی کہ اچانک باہر سے گاڑی کے ہارن کی آواز نے اس کی سوچوں کا تسلسل توڑا۔ وہ ٹھٹھک گئی۔

حسن نے شاید چوکیدار کو بلوایا تھا تبھی حسن کے ہارن بجاتے ہی گیٹ کھل گیا اور حسن گاڑی اندر لے آیا۔ گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر کے وہ باہر نکلا اور پچھلی سیٹ پہ رکھے عناب کے کپڑوں کا بیگ اٹھا کر اندر آنے لگا۔

اسے اندر آتے دیکھ کر عناب کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ اس وقت تیزی سے بھاگتی ہوئی کمرے میں چلی آئی اور صوفہ پہ سکڑ کے بیٹھ گئی۔ حسن اندر آتے ہی سیدھا اس کے پاس آیا۔ حسن کو دیکھ کر وہ مزید ڈر گئی تھی۔

"میں یہاں تمہاری کوئی خیر خبر لینے نہیں آیا بلکہ یہ دیکھنے آیا تھا کہ اگر مر گئی ہو تو دفن کر دوں۔ پر بڑی سخت جان ہو تم اتنی جلدی مرنے والی نہیں۔" اسے رعب سے دیکھتے ہوئے وہ کتنے ظالمانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ اپنے ہاتھ میں پکڑا بیگ اس نے عناب کی طرف پھینکا۔

"یہ لو اپنا سامان۔ جب تک زندہ رہنا چاہتی ہو تب تک تمہاری مرضی یہ کپڑے چیزیں استعمال کرو یا ایسے ہی رہو۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے لیے تم صرف ایک گندگی ہو۔" عناب کو حقارت سے دیکھ کر کہتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

جب وہ اسے جانوروں کی طرح مار پیٹ سکتا تھا تو ایسے جملے کہنا اس کے لیے کونسا مشکل کام تھا۔ کچھ دیر وہ یونہی اپنے بیگ کو دیکھتی رہی پھر اٹھ کر اپنے بیگ میں سے کپڑے نکالے اور فریش ہونے چلی گئی۔ فریش ہو کر کپڑے بدل کر اس نے اپنے بالوں میں برش کیا۔ برش کرنے سے اس کے بالوں میں شدید درد ہونے لگا۔ بہت بے دردی سے حسن نے اس کے بالوں کو کھینچا بلکہ نوچا تھا۔ جس کی وجہ سے نا صرف درد بلکہ اس کے تو بالوں کی لٹیں جڑوں سے نکل رہی تھیں۔ پورا برش اس کے بالوں کی لمبی گھنی لٹوں سے بھر گیا تھا۔۔ اپنے اتنے خوبصورت بالوں کا ایسا حال دیکھ کر عناب کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے اپنے بال باندھنے چاہے پر درد کی وجہ سے وہ بال باندھ ہی نا سکی۔

کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ حسن کاٹن کی شلوار قمیض پہنے صوفہ پہ بیٹھا ٹانگ پہ ٹانگ رکھے سموکنگ کرنے کے ساتھ ساتھ ٹی وی پہ کوئی ٹاک شو بے حد سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ ملازم حسن کو چائے دے کر چلا گیا۔ حسن نے اپنا سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دی اور چائے پینے لگا۔ کچھ دیر تک عناب اپنے کمرے کے دروازے پہ ہی کھڑی حسن کو دیکھتی رہی۔ ڈر کی وجہ سے اس کے قدم آگے بڑھ ہی نہیں پا رہے تھے۔ آخر وہ ہمت کر کے آہستہ آہستہ دھڑکتے دل کے ساتھ حسن سے کچھ فاصلے پہ خاموشی سے آ کر کھڑی ہو گئی اور اسے اداس نظروں سے دیکھنے لگی۔ چائے پیتے ہوئے حسن کی نظر اچانک عناب پہ پڑی اور اس کے چہرے کے سنجیدہ تاثرات یکدم غصے میں بدل گئے۔ چائے کا کپ سینٹر ٹیبل پہ رکھ کر اس نے سخت انداز میں کہا۔

"یہاں کے سارے ملازم میرے وفادار ہیں۔ اس لیے بھولے سے بھی کوئی الٹی سیدھی حرکت کرنے کا مت سوچنا۔" اس نے پھر سے چائے کا کپ اٹھا کے اپنی نظریں ٹی وی کی طرف کر لیں۔ عناب کچھ لمحے اسے بنا کسی تاثر کے دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔"

"آپ ایسا کب تک کریں گے میرے ساتھ؟"

"جب تک تم مر نہ جاؤ۔" بہت کڑک نظروں سے عناب کو دیکھ کر اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے مار دیں مجھے۔" اس نے بے خوف ہو کر کہا تھا۔ چائے کا کپ واپس ٹیبل پہ رکھ کے وہ اشتعال سے اٹھا اور ماتھے پہ بل لیے وہ اس کی طرف آنکھیں نکال کر آیا اور اس کے بالوں کو زور سے پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔ اس بار عناب کی آنکھوں سے آنسو ڈر کی وجہ سے نہیں بلکہ بالوں کے کھینچنے کی وجہ سے نکلے تھے۔

"مار تو میں تمہیں دوں گا پر اتنی آسانی سے نہیں، تڑپا تڑپا کے ماروں گا میں تمہیں اور دوبارہ اگر اس طرح میرے سامنے کھڑی ہو کر اس انداز میں بات کرنے کی تم نے جرات بھی کی تو تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔ سمجھی تم؟ اور یہ کوئی دھمکی نہیں ہے اگر میں کہہ رہا ہوں تو میرے لیے کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔" اس نے ایک ہی جھٹکے سے عناب کے بالوں کو چھوڑ کر پرے کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حسن کے برے رویے کی وجہ سے عناب کافی زیادہ سہم گئی

تھی۔اس کے فارم ہاس آتے ہی وہ ڈر کے اس سے چھپ کر کمرے میں بیٹھ جاتی۔اسے زیادہ دکھ اپنے والدین کے کیے ہوئے فیصلے پہ تھا۔کیا وہ ان پہ اتنا زیادہ بوجھ تھی کہ انہوں نے حسن جیسے ظالم انسان کے حوالے کر دیا اسے۔پر اب وہ کسی سے شکوہ شکایت نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ کوئی اسے اپنا نہیں لگ رہا تھا۔اسے تو اب کسی چیز میں کوئی دلچسپی ہی نہیں رہی تھی۔نہ کھانے پینے کا ہوش اور نا ہی پہننے اوڑھنے کا۔

ملازموں کے بہت اسرار کے باوجود بھی وہ کچھ نہیں کھاتی تھی۔بس دل کرتا تو صرف چائے ہی پیتی تھی۔ہر وقت کھوئی کھوئی گم صم سی رہنے لگی تھی۔اب تو اس کی آنکھوں کے آنسو بھی خشک ہوگئے تھے۔

وہ لانج میں خاموشی سی آ کر صوفہ پہ ٹانگیں اوپر کر کے صوفہ کی پشت پہ سر ٹکائے آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی تھی۔اداسی اور مایوسی اس کے چہرے سے صاف عیاں ہو رہی تھی۔وہ یونہی بیٹھے بیٹھے سوچوں میں کہیں کھوئی گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اسد سے خفا ہو کر کالج کے لان میں بینچ پہ آ کر بیٹھ گئی تھی۔اسد اسے منانے کی کوشش کرتے ہوئے اس کے پیچھے لان تک آ گیا اور اس کے برابر میں آ کر بیٹھ گیا تھا۔

"عناب پلیز تم میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو یار۔"

"میں کیا سمجھوں اسد؟ آخر تم کیوں اپنے پیرنٹس سے ہمارے رشتے کے متعلق بات نہیں کر رہے؟ میرے لیے روز نئے نئے رشتے آتے رہتے ہیں۔آخر میں کب تک اپنے پیرنٹس کو منع کرتی رہوں گی؟ کل بھی مما مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ اگر تمہیں کوئی پسند ہے تو اسے کہو کہ تمہارا لیے رشتہ بھیجے۔اب تم کب تک مجھے یوں لٹکائے رکھنا چاہتے ہو؟" عنا بکو اسد کی بات سن کے مزید غصہ آ گیا تھا۔

"عناب دیکھو میری بات سنو۔میں ابھی اپنے پیرنٹس سے ہماری شادی کی بات نہیں کر سکتا وہ نہیں مانیں گے۔" اسد بہت تحمل سے اسے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا پر عناب اس کی کوئی بھی بات سمجھنے کو تیار نہیں تھی۔

"کیوں نہیں مانیں گے وہ؟ مجھے تو لگتا ہے کہ تم مجھ سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔دراصل میرے پیرنٹس چاہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان کی ہی کسی لڑکی سے شادی کروں۔ڈیڈی نے تو مجھے خبردار تک کر دیا ہے کہ اگر میں نے خاندان سے باہر شادی کا سوچا بھی تو وہ مجھے جائیداد سے عاق کر دیں گے۔میرے پاس تو ابھی کوئی جاب بھی نہیں ہے۔میں تو خود ان پہ ڈیپینڈ کرتا ہوں۔"

اس نے عناب کو اپنے مسائل سمجھانے کی پوری کوشش کی تھی لیکن اس کی باتیں سن کر دکھ سے عناب کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔اس نے اپنے ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے اسد کو خفگی سے دیکھ کے کہا۔

"تو ٹھیک ہے پھر میں اپنے پیرنٹس سے کہہ دیتی ہوں کہ وہ جہاں بھی میری شادی کروانا چاہتے ہیں کروا دیں۔تمہارے انتظار میں میں ساری زندگی بھی بیٹھی رہی تب بھی تم کچھ نہیں کرو گے۔"

"ایسی بات ہے تو ٹھیک ہے۔چلو ہم ابھی چل کے کورٹ

میرج کر لیتے ہیں۔" اب کی بار اسد کو عناب پہ غصہ آ گیا تھا۔

"پر میں کورٹ میرج نہیں کرنا چاہتی۔ تم آ کے میرے پیرنٹس سے بات کرو۔ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا اسد۔" وہ اب جذباتی ہوگئی تھی۔

"عناب میں اس طرح نہیں کر سکتا۔ مجھے کچھ وقت چاہیے اور میرے پاس تو دو مرا کوئی ٹھکانہ بھی نہیں ہے۔"

اسد کی باتوں نے اسے بہت مایوس کر دیا تھا۔ وہ اپنے ماں باپ کی لاڈلی بیٹی تھی۔ اسے بہت پیار سے پالا تھا انہوں نے۔ وہ کیسے ان کے لیے شرمندگی کا باعث بن سکتی تھی۔

کالج میں آتے ہی اس کے رشتے آنا شروع ہو گئے تھے۔ عناب کے بابا نے اس کی ماں سے کہا تھا کہ وہ عناب سے پوچھے اگر وہ کسی کو پسند کرتی ہے تو وہ اس کی شادی وہاں کرنے کو تیار ہیں، اگر نہیں تو پھر وہ اپنی پسند کے لڑکے سے اس کی شادی کروا دیں گے کیونکہ عناب کے بابا اب اس کی شادی جلد سے جلد کروا کے اپنے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔ عناب کی مما بار بار اس سے پوچھ چکی تھیں پر وہ انہیں بتا ہی نہیں پاتی تھی کہ وہ اسد کو پسند کرتی ہے اور اسی سے شادی کرنا چاہتی ہے کیونکہ اسد فی الحال اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"مما پلیز آپ بابا کو سمجھائیں۔ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔" وہ اپنی ماں کا ہاتھ پیار سے تھام کے ان کی منتیں کر رہی تھی۔

"دیکھو میری جان اگر تم کسی کو پسند کرتی ہو تو بتا ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اگر ایسی کوئی بات نہیں تو پھر تم اپنے بابا کو جانتی ہو نا۔ وہ تمہاری شادی جلد سے جلد کرنا چاہتے ہیں۔ کتنے اچھے خاندانی رشتے آ رہے ہیں تمہارے لیے اور ہم کب تک یوں انکار کرتے رہیں گے؟ اچھے رشتے بار بار نہیں آتے بیٹا۔" مما نے بہت پیار سے اس کے گال پہ ہاتھ رکھا تھا۔ ان کی باتیں سن کر عناب تو جیسے روہانسی ہوگئی تھی۔

"مما میں ابھی اور پڑھنا چاہتی ہوں۔ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔ پڑھائی کا تو صرف ایک بہانہ تھا۔ وہ انہیں کیا بتاتی کہ وہ کس وجہ سے شادی کرنے کے لیے راضی نہیں ہو رہی تھی۔

"دیکھو بیٹا تمہارے بابا کے پاس تمہارا ایک بہت اچھا رشتہ آیا ہوا ہے۔ لڑکا اے ایس پی ہے۔ بہت اچھے شریف، خاندانی اور پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ تمہارے بابا تو اس لڑکے کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے۔ وہ تمہاری یہ باتیں سن کر کبھی بھی اس رشتے سے انکار نہیں کریں گے اور تمہیں تو پتہ ہی ہے کہ اگر وہ کوئی فیصلہ کر لیں تو پھر کسی کی نہیں چلتی۔ مجھے تو لگتا ہے کہ ایک دو دن میں وہ اس رشتے کے لیے ہاں بھی کر دیں گے۔" مما کی باتیں سن کر عناب کی آنکھوں میں یکدم آنسو آ گئے تھے۔ وہ خود کو بہت زیادہ لاچار اور بے بس محسوس کر رہی تھی۔

صوفہ پہ بیٹھے بیٹھے وہ سوچوں میں گم ہو چکی تھی۔ اس کی بند آنکھوں سے آنسو بے اختیار نکل رہے تھے۔ اچانک لان سے آتے ہوا کے تیز جھونکے لگنے سے کھڑکی زور سے کھلی جس کی وجہ سے اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا اور اس کی

آنکھیں بے ساختہ کھل گئیں۔۔۔خود کو شال میں لپیٹے وہ اٹھی اور جا کر کھڑکی کے پاس بیٹھ گئی۔ایک بار پھر وہ ماضی کی یادوں میں کھو گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس دن وہ صبح کی دو کلاسز لے کر گھر واپس آ گئی تھی۔ٹینشن کی وجہ سے اس کا دل کسی بھی چیز میں نہیں لگ رہا تھا۔تقریبا صبح کے ساڑھے دس بجے کے قریب جب وہ گھر پہنچی تو گھر کے پورچ میں کھڑی کالے رنگ کی نئی برانڈڈ گاڑی دیکھ کر وہ کچھ حیرت میں پڑ گئی۔

"یہ کس کی گاڑی ہے؟" گاڑی پہ نظر ڈالتے ہوئے اس نے سوچا۔لانج میں قدم رکھتے ہی اس کی نظر مما پہ پڑی جو باورچیخانہ میں سے مختلف لوازمات سے بھری ٹرالی گھسیٹتے ہوئے نکل رہی تھیں۔مما کافی خوش نظر آ رہی تھیں۔وہ اپنا ہینڈ بیگ صوفہ پہ رکھ کے سیدھا مما کے پاس آئی۔

"اسلام علیکم مما۔"

"عناب وعلیکم سلام۔اچھا ہوا تم آج جلدی آ گئیں۔" مما کی بات وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

"کیوں؟"

"ارے بیٹا حسن آیا ہے۔اب جا جلدی سے فریش ہو کے اچھے سے تیار ہو کر آ اور آ کے حسن سے ملو۔اپنی ٹریننگ کی وجہ سے وہ منگنی پہ بھی نہیں آ سکا تھا۔اب پہلی بار ہم سے ملنے یہاں آیا ہے۔تم بس جلدی سے تیار ہو کر آ۔" مما کی بات سن کر اس کا موڈ یکدم آف ہو گیا تھا۔

"مجھے نہیں ملنا کسی سے بھی۔" اس نے خفگی سے کہا تھا۔

"یہ کیا بچپنا ہے عناب؟ اب جا جلدی سے تیار ہو کر آ۔" مما نے اسے ڈانٹنے والے انداز میں کہا اور ٹرالی لے کر ڈرائنگ روم میں چلی گئیں۔ڈرائینگ روم کا دروازہ تھوڑا کھلا ہوا تھا۔عناب آہستہ سے ڈرائنگ روم کے قریب آئی اور دروازے کے پاس کھڑی ہو کر مما، بابا اور حسن کی باتیں سننے لگی۔

"بیٹا آجکل آپکی پوسٹنگ کہاں پہ ہے؟" بابا کا موڈ کافی خوشگوار لگ رہا تھا۔

"انکل فی الحال تو بدین میں ہی ہوں۔شادی کے بعد ٹرانسفر کروا لوں گا۔" حسن کا بات کرنے کا انداز کافی دھیما اور مودبانہ تھا۔

"تو وہاں پہ آپ کو کوئی مشکل تو نہیں ہوتی؟"

"نہیں انکل مشکل تو کوئی نہیں۔فارم ہاس اپنا ہے، ملازم ہیں وہاں پہ اور زمینیں بھی ہیں تو جاب کے ساتھ ساتھ زمینوں کی بھی دیکھ بھال آسانی سے ہو جاتی ہے۔ہاں البتہ فیملی کو بہت یاد کرتا ہوں باقی سب ٹھیک ہے۔" اس کی باتیں سن کر بابا کافی خوش ہو رہے تھے۔

"ماشااللہ آپ بہت محنتی ہو بیٹا۔میں خود کو بہت خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ اللہ نے مجھے داماد کی صورت میں اتنا قابل بیٹا دیا ہے۔"

"آپ کا بہت شکریہ انکل کہ آپ نے مجھے اس لائق سمجھا۔" عناب کو اس کی باتوں سے چڑ ہو رہی تھی۔

"حسن آپکی ڈیوٹی تو کافی ٹف ہوتی ہوگی؟" مما نے چائے اور دوسرے لوازمات حسن کے آگے رکھتے ہوئے اس سے

پوچھا۔

"جی آنٹی تختی تو بہت ہے۔نئی نئی پوسٹنگ ہے تو چھٹیاں ملنا تھوڑا مشکل ہے۔شادی کے لیے بھی مشکل سے تین دن کی چھٹی ملی ہے اس کے بعد واپس بدین۔ "چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے اس نے مما کو بتایا تھا۔

"اوہ اچھا۔ "مما کو اس پہ ترس آیا۔حسن نے گردن ہلا کر نظریں جھکالیں۔

"ہاں تو صحیح ہے نا۔اب شادی کے بعد آپکو اکیلے نہیں جانا پڑے گا۔آپ کی فیملی ساتھ ہوگی۔ "بابا کی بات سن کر وہ تھوڑا شرما سا گیا۔

"حسن بیٹا ہم وہ ماں باپ نہیں جو بیٹی کی شادی کر کے اس کی زندگی میں دخل اندازی کرتے رہیں۔شادی کے بعد عناب آپ کی ذمداری ہوگی۔آپ اسے جیسے رکھیں،جہاں رکھیں اس کے متعلق ہم آپ سے کبھی نہیں پوچھیں گے۔ "بابا کی کہی بات حسن کے لیے بہت معنی رکھتی تھی۔

"انکل انشاءاللہ آپ کو مجھ سے کبھی شکایت نہیں ہوگی۔ "وہ ان کا حد سے زیادہ مشکور ہو گیا تھا۔

بابا اور حسن کی آپس میں کی جانے والی اتنی خوشگوار گفتگو سن کر عناب کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔وہ غصے سے پیر پٹختے ہوئے تیزی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

وہ کافی دیر سے کھڑکی کے پاس آنکھیں بند کیے بیٹھی سوچوں میں گم تھی۔اس کے گال آنسوں سے بھیگ رہے تھے۔

اچانک اسے اپنے قریب کسی کا لمس محسوس ہوا۔اس نے جیسے ہی آنکھیں کھولیں تو سامنے کھڑے حسن کو دیکھ کر وہ کچھ چونک سی گئی۔حسن سامنے کھڑا اسے بہت سنجیدہ و سخت نظروں سے دیکھ رہا تھا۔اپنے ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے وہ نظریں جھکا کے تیزی سے اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔حسن اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ خود کو شال میں لپیٹے لان میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔شام کے وقت اسے لان میں بیٹھنا اچھا لگنے لگا تھا۔اس کے چہرے پہ اداسی چھائی ہوئی تھی۔وہ لان میں لگے پودوں کو بنا پلکیں جھپکائے کافی دیر سے دیکھ رہی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ پھر سے خیالوں میں کہیں کھو گئی تھی۔

کچھ دیر بعد کاٹن کا بادامی رنگ کا شلوار قمیض میں ملبوس حسن ہاتھ میں موبائل لیے اس کی طرف آ رہا تھا۔عناب خیالوں میں ایسی کھوئی ہوئی تھی کہ اسے حسن کے اپنے پاس آنے کا پتہ ہی نہ چلا۔حسن ایک کرسی کو کھینچ کے اس سے کچھ فاصلے پہ رکھ کے جیسے ہی بیٹھا عناب چونک سی گئی۔حسن کے چہرے پہ سخت و سنجیدہ تاثرات تھے۔موبائل ہاتھ میں لیے وہ کوئی نمبر ڈائل کر رہا تھا۔عناب نے نظریں دوسری طرف کر لیں۔حسن نے نمبر ڈائل کر کے موبائل عناب کی طرف کیا۔اس نے حیران ہو کر پہلے موبائل اور پھر حسن کو دیکھا۔

"یہ لو بات کرو انکل آنٹی سے۔ "حسن کا انداز سخت اور چبھتا ہوا تھا۔

ایک پل کو وہ خالی خالی نظروں سے حسن کو دیکھنے لگی پھر خاموشی سے موبائل اس سے لے کر کان سے لگایا۔

"السلام علیکم بابا۔ "فون کان سے لگاتے ہی اس نے سلام کیا

تھا۔

"وعلیکم السلام بابا کی جان۔کیسی ہو؟ "بابا کی پیار بھری آواز سن کر اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل گئے۔وہ تو جیسے بابا کی محبت بھری آواز سننے کو ترس گئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔آپ کیسے ہیں؟مما کیسی ہیں؟ "اس نے اپنے آنسو پیتے ہوئے بہت مشکل سے بات کی تھی۔

"ہم بلکل ٹھیک ہیں۔یہ لو اپنی ماں سے بات کرو۔ "بابا نے فون مما کو دے دیا تھا۔

"ہیلو عناب۔بیٹا کیسی ہو؟خوش ہو نا؟"مما کی آواز سن کر اس نے خود کو یکجا کرنے کی کوشش کی۔حسن سخت نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سگریٹ پینے لگا اور پھر نظریں دوسری طرف کر لیں۔وہ دیکھ تو دوسری طرف رہا تھا پر اس کا مکمل دھیان عناب کی طرف تھا۔

"جی مما میں ٹھیک ہوں۔"

حسن نے ایک نظر اسے دیکھا۔وہ نظریں جھکا کے بات کر رہی تھی۔وہ مما کو کیا بتاتی کہ ان کی بیٹی کس حال میں ہے۔وہ اپنے والدین سے بہت پیار کرتی تھی اور انہیں اپنی تکلیف بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"میں نے کہا تھا نا کہ حسن بہت اچھا لڑکا ہے اس کے ساتھ رہ کر تم ہمیں بھی بھول جاؤ گی اور دیکھا ویسا ہی ہوا نا۔حسن کا بہت خیال رکھا کرو بیٹا۔اسے کبھی بھی شکایت کا موقع مت دینا۔ "مما کی باتیں سن کر اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔اس نے ایک نظر حسن پہ ڈالی جو بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"جی مما۔ "اس نے مما کا دل رکھنے کو کہا تھا۔

"اللہ تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے اور تم دونوں کی جوڑی سدا سلامت رکھے۔آمین۔ "مما کی بات سن کر وہ اپنے آنسو ضبط نہ کر پائی اور بھرائی ہوئی آواز میں ان سے کہنے لگی۔

"اچھا مما میں آپ سے بعد میں بات کروں گی۔ "اس نے ایکدم کال کاٹ دی اور موبائل ٹیبل پہ رکھ کر اپنے دونوں ہاتھ منہ پہ رکھ کر ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے تیزی سے دوڑتی ہوئی اندر چلی گئی۔ایک پل کو حسن اس کی آنکھوں کے آنسو اور چہرے پہ چھائی اداسی دیکھ کر جیسے نرم پڑ گیا تھا۔وہ اسے اس طرح اٹھ کر اندر جاتے دیکھ کر کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"عنا بیٹا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں کیا؟کیوں اتنی مرجھائی ہوئی،کمزور سی لگ رہی ہو؟حسن تمہارا خیال نہیں رکھتا کیا؟"

حسن کے والدین کے اچانک اس طرح بغیر بتائے آمد پہ عناب گھبرا سی گئی۔اس کے بکھرے ہوئے بال اور مرجھایا ہوا کمزور چہرہ دیکھ کر فہمیدہ بہت زیادہ فکرمند ہو گئی تھیں۔ان کے اس طرح پوچھنے پہ عناب کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کیا جواب دے۔

"نہیں آنٹی۔ایسی کوئی بات نہیں۔میں بلکل ٹھیک ہوں۔ "اس کی بات پہ فہمیدہ کو یقین نہیں آ رہا تھا۔وہ کچھ خفگی سے اپنے شوہر آغا رفیق سے مخاطب ہوئیں۔

"معاف کیجئے گا آغا صاحب۔مجھے آپکے بیٹے کی یہ بات بہت بری لگ رہی ہے۔نئی نویلی دلہن کو ہنی مون پہ لے جانے

کے بجائے یہاں اس جنگل میں لا کر رکھا ہوا ہے۔ آ ئے تو خبر لیتی ہوں اس کی۔"

خوش قسمتی سے حسن اس وقت دفتر میں تھا ورنہ فہمیدہ تو اس کی ٹھیک ٹھاک کھچائی کرنے کے موڈ میں لگ رہی تھیں۔ آغا رفیق اپنی بیوی کی بات سے متفق تھے۔ وہ تو عناب کو دیکھتے ہی سمجھ گئے تھے کہ ضرور کوئی بات ہے لیکن کیا؟ وہ یہ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ حسن تو ان کا بہت ہی سمجھدار، ذمیدار اور خیال رکھنے والا بیٹا تھا پھر عناب کیوں انہیں اتنی مرجھائی ہوئی، اداس اور کھوئی کھوئی سی لگ رہی تھی؟ انہیں فکر اس بات کی نہیں تھی کہ حسن عناب کا خیال نہیں رکھ رہا بلکہ پریشان تو وہ یہ سوچ کر ہو رہے تھے کہ آخر ایسا کیا ہو گیا تھا جو وہ عناب کا خیال نہیں رکھ رہا تھا۔ وہ خود وجہ جاننا چاہتے تھے پر فی الحال وہ کچھ بھی کہنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ ان کی بیوی پہلے ہی حسن پہ خفا تھی اور اسی انتظار میں بیٹھی تھی کہ کب حسن گھر آئے اور وہ اس کی خبر لیں۔ آغا رفیق بہت ہی تحمل مزاج کے انسان تھے، وہ مسئلے کا حل ٹھنڈے دماغ سے نکالتے تھے۔

"بیگم جو آپ کا دل کرے آپ وہ کریں۔ میں بالکل بھی نہیں بولوں گا۔" اپنی بیوی کا غصہ کم کرنے کے لیے انہیں اپنی بیوی کی ہاں میں ہاں ملانی پڑی تھی۔

"عناب بیٹا جاؤ اچھے سے کپڑے پہن کے آؤ۔ یہ کیا اتنے ہلکے رنگ پہن کے بیٹھی ہوئی ہو اور یہ تم نے اپنے بالوں کا کیا حال کر دیا ہے۔" اس وقت جو فہمیدہ کا موڈ تھا اس سے نہ صرف رفیق صاحب ڈر گئے تھے بلکہ عناب کی حالت بھی خراب ہو رہی تھی اور اب جو انہوں نے عناب کے حلیے اور بکھرے بالوں کو دیکھ کے اسے ٹوکا تو عناب یکدم سے کھڑی ہو گئی۔

"جی آنٹی۔" وہ جلدی سے اٹھ کر کمرے میں چلی گئی اور گہرا سانس لیا۔

کچھ دیر بعد وہ خود کو ریلیکس کرتے ہوئے تیار ہونے لگی اور پھر اچھے سے کپڑے پہنے اور ہلکا میک اپ بھی کیا۔ حسن نے جس بے دردی سے اس کے بالوں کو نوچا تھا تب سے اس کے بالوں کی جڑیں بہت زیادہ کمزور ہو گئی تھیں۔ برش کرنے سے اس کے سر میں بہت درد ہونے لگا تھا۔ پر اس وقت اپنی ساس کے ٹوکنے پہ اس نے اپنے بال باندھ لیے تھے جس کی وجہ سے اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ وہ تیار ہو کے جیسے ہی کمرے سے باہر نکلی اسی وقت مین ڈور سے اندر آتے حسن پہ اس کی نظر پڑی۔ اس کے چہرے کا رنگ ایکدم سے اڑ گیا۔ حسن نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ اسے اس طرح تیار ہوئے کسی مجسمے کی طرح کھڑے دیکھ کے اسے بہت عجیب سا لگا تھا۔ اسے نظر انداز کر کے وہ جیسے ہی لاؤنج میں آیا تو سامنے بیٹھے اپنے ماں باپ کو دیکھ کر اس کے چہرے کی تو ہوائیاں اڑ گئیں اور پسینہ آ گیا۔ اس کے پیر تو جیسے جم گئے تھے۔ وہ آگے بڑھ ہی نہیں پایا۔ کچھ لمحے وہ انہیں بے یقینی سے دیکھتا رہا۔

"ممی۔۔۔ ڈیڈی۔۔۔ آپ۔۔۔" اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ یکدم احساس ہونے پہ اس نے انہیں سلام کیا۔

اپنے ماں باپ کا اس طرح بنا بتائے آنا وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ کس طرح کا ردعمل ظاہر کرے۔ اس سے زیادہ وہ اس بات

پہ ڈر گیا تھا کہ عناب نے انہیں کچھ بتایا نہ ہو۔ وہ جیسے ہی ان کے پاس آیا تو فہمیدہ غصے سے کھڑی ہو کے حسن پہ برس پڑیں۔
"ہاں ہم۔ حسن مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔ یہ کیا حال کر دیا ہے تم نے عناب کا؟" فہمیدہ نے عناب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حسن سے کہا۔ وہ بوکھلا گیا تھا۔ عناب اس سے بھی زیادہ بوکھلائی ہوئی تھی۔
"کیوں؟ کیا ہوا؟" اپنی ماں کی بات سن کے حسن کے پیروں کے نیچے سے ایک پل کو زمین نکل گئی تھی، عناب جہاں تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔ وہ تو جیسے ہل ہی نہیں پا رہی تھی۔ حسن کے 'کیا ہوا؟' کہتے ہی انہیں اور غصہ آ گیا اور وہ عناب کے پاس جا کے کھڑی ہو گئیں اور حسن کو دیکھ کے سخت انداز میں کہنے لگیں۔
"کیا ہوا؟ دیکھو ذرا عنا بکو۔ پھول جیسی بچی کی کیا حالت ہو گئی ہے۔ کتنی کمزور دبلی پتلی سی لگ رہی ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھاتی۔" حسن کا رکا ہوا سانس بحال ہو گیا تھا۔ وہ آگے بڑھ کے اپنے باپ سے گلے ملا اور پھر سامنے صوفہ پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کے سنجیدگی سے بیٹھ گیا۔
"فہمیدہ بہت خفگی سے حسن کو دیکھتے ہوئے اپنے شوہر کے برابر میں آ کے بیٹھ گئیں۔ عناب ابھی تک مجسمہ بنی وہیں کھڑی تھی۔
"عناب بیٹا وہاں کیوں کھڑی ہو؟ آ بیٹھو ہمارے پاس۔"
اسے اس طرح کھڑے دیکھ کر فہمیدہ نے اسے ٹوکا۔
ان کے کہنے پہ عناب نے بے ساختہ حسن کو دیکھا۔ حسن ایک ہاتھ صوفہ پہ رکھے اور دوسرے ہاتھ کی کہنی صوفہ کے ہتھے پہ ٹکائے ہاتھ کی پشت اپنے منہ پہ رکھے بے حد سنجیدگی سے بیٹھا ہوا تھا۔ عناب خاموشی سے آ کے فہمیدہ کے برابر میں رکھے صوفہ پہ جیسے ہی بیٹھنے لگی تو فہمیدہ نے اسے ایکدم ٹوکا۔
"حسن کے پاس بیٹھو بیٹا۔ ادھر اس سے اتنا دور کیوں بیٹھ رہی ہو؟" "جی۔" فہمیدہ کی بات سن کر عناب نے چونک کے حسن کو دیکھا۔ حسن نے نظریں جھکا لیں اور دانت غصے سے بھینچے۔ عناب ڈرتے جھجکتے ہوئے حسن کے پاس بیٹھ گئی۔
"کون کہے گا کہ تم دونوں کی شادی کو ابھی دس دن بھی نہیں ہوئے اور تم تو میری بات کان کھول کے سن لو حسن۔ کوئی ضرورت نہیں تمہیں اس نوکری کی۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ یہ دن اپنی دلہن کو خوش رکھنے، اس کے ساتھ گزارنے کے بجائے تم نوکری کرتے پھر رہے ہو۔ کتنی پیاری بچی ہے دیکھو تو کیسے مرجھا سی گئی ہے۔ کم از کم تم سے تو مجھے اس لاپرواہی کی امید نہیں تھی۔"
فہمیدہ کی خفگی حسن پہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ حسن ماں کی ڈانٹ خاموشی سے سن رہا تھا۔ انہیں کیا بتاتا کہ ان کے اکلوتے بیٹے کی زندگی میں انہوں نے جس لڑکی کو شامل کیا اس نے کس بے دردی سے اس کے خوابوں، خواہشوں اور ارمانوں کا گلا گھونٹا تھا۔ کیا بتاتا انہیں کہ اس لڑکی کی تو صرف صورت مرجھائی تھی پر اس لڑکی کی وجہ سے اس کی روح مرجھا گئی تھی، دل ٹوٹ گیا تھا اس کا۔ اس کی زندگی میں اس لڑکی نے جو طوفان برپا کیا تھا اسے روکنے کا واحد حل اس کی سمجھ میں یہی آیا تھا۔
"نہیں آنٹی ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ کو خواہ مخواہ ہی ایسا لگ

رہا ہے۔ حسن تو میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ میں خود ہی تھوڑی لاپرواہ سی ہوں۔ آپ فکر نہ کریں اب میں آپکو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔"

زہر لگ رہی تھیں اسے عناب کی یہ باتیں۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ اسی وقت اس کا گلا دبا کے اسے زمین میں گاڑھ دے۔ اس نے عناب کو سخت غصیلے انداز میں دیکھا، عناب نے اس سے نظریں چرا لیں۔ کچھ لمحوں بعد وہ کھڑی ہو گئی۔ اسے یوں اٹھتے دیکھ کر فہمیدہ نے اس سے پوچھا۔

"بیٹھو بیٹا کہاں جا رہی ہو؟"

"جی وہ میں لنچ بنوانے جا رہی ہوں۔"

"ارے بیٹا تم بیٹھو ہمارے پاس ملازم ہیں نا وہ بنا لیں گے۔"

"جی آنٹی بنائیں گے تو وہی میں بس ذرا دیکھ آتی ہوں۔"

لنچ بنوانے کا تو صرف ایک بہانہ تھا اصل میں تو وہ حسن کے برابر بیٹھنے سے گھبرا رہی تھی۔ اس کے دیکھنے کا انداز عناب کو ڈرا رہا تھا۔ خود کو ریلیکس کرنے کے لیے وہ باورچی خانہ میں چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد فہمیدہ پھر اپنے بیٹے سے مخاطب ہوئیں۔

"حسن تم عناب پہ کوئی سختی تو نہیں کر رہے؟" اپنی ماں کی بات سن کر وہ تھوڑا گھبرا سا گیا اس لیے وہ کچھ بول ہی نہیں پایا۔ کیا بتاتا انہیں کہ سختی تو معمولی چیز ہے وہ تو اسے جان سے مار دینا چاہتا ہے۔

"بہت برا لگ رہا ہے مجھے۔ نئی نویلی دلہن کو اس طرح اکیلے رکھے ہوئے ہو۔ اس کے بھی کچھ ارمان ہونگے۔" ماں کی بات سن کر وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

ارمان؟ کیا بتاتا وہ اپنی ماں کو کہ جس چالاک و مکار لڑکی کے لیے وہ ہمدردی کر رہی تھیں اس نے تو شادی کی پہلی رات طلاق کا مطالبہ کیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آغا رفیق اور فہمیدہ ڈائننگ روم میں لنچ کرنے کے لیے آ کے بیٹھے چکے تھے، عناب ڈائننگ ٹیبل پہ کھانا لگا رہی تھی۔ حسن جیسے ہی ڈائننگ روم میں آیا تو اس کی نظر عناب سے ٹکرائی۔ اس نے برہمی سے عناب کو دیکھا ایسے جیسے وہ اسے ابھی کھا جائے گا۔ عناب ڈر کے باورچی خانہ میں چلی گئی اور حسن خاموشی سے آ کے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد عناب چائنیز رائس کی ٹرے ہاتھ میں لے کر ڈائننگ روم میں آئی۔

"عناب بیٹا چھوڑو اب یہ کام۔ ملازم آخر کس لیے ہیں گھر میں۔ تم بیٹھو ادھر حسن کے برابر میں اور کھانا کھا۔" عناب کو مسلسل کام میں مصروف دیکھ کر فہمیدہ نے جھنجھلا کر اسے کہا۔ فہمیدہ کی بات سن کر عناب نے بے ساختہ حسن کو دیکھا، حسن نے یکدم پانی کا گلاس منہ سے لگایا۔ فہمیدہ اور رفیق دونوں عناب کو ہی دیکھ رہے تھے۔ عناب حسن کو دیکھے بغیر خاموشی سے بیٹھ گئی۔ حسن کافی زیادہ سنجیدہ اور خاموش نظر آ رہا تھا۔ رفیق اپنے بیٹے کو کافی دیر سے نوٹ کر رہے تھے۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ بیٹھے ہوں اور کسی اچھے موضوع پہ بات نہ ہوئی ہو۔ وہ جو بھی بات کرتے حسن اس کا صرف ہاں یا نہ میں مختصر سا جواب دے کر خاموش ہو جاتا۔ "ارے بیٹا اب کھانا شروع کرو۔ اس طرح اپنے ہی گھر میں مہمانوں کی طرح کیوں بیٹھے ہو تم دونوں؟" رفیق

نے ان دونوں کو خاموش بیٹھے دیکھ کر کہا تھا۔عناب کچھ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

"عناب حسن کی پلیٹ میں یہ چاول ڈالو۔اسے چائینیز رائس بہت پسند ہیں۔"

فھمیدہ کے کہنے پہ وہ گردن ہلا کر حسن کی طرف دیکھے بغیر اس کی پلیٹ میں چاول ڈالنے لگی۔حسن نے ہاتھ کے اشارے سے اسے زیادہ چاول ڈالنے سے روکا۔عناب نے اپنی پلیٹ میں بھی تھوڑے سے چاول ڈالے۔

"حسن تم عناب کو ہنی مون پہ کب اور کہاں لے کر جا رہے ہو؟ "ماں کے منہ سے اچانک ایسی بات سن کر حسن کے حلق میں چاول پھنس گئے اور کھانسی ہونے لگی۔اس نے پانی کا گلاس منہ کو لگایا۔عناب کی نظروں کے ساتھ ساتھ گردن بھی جھک گئی۔

"خاندان والے سب شکایتیں کرتے پھر رہے ہیں کہ حسن ہماری دعوتیں قبول نہیں کر رہا۔"

"ماں میں ابھی کہیں نہیں جا سکتا۔میری ڈیوٹی بہت سخت ہے۔"اسے ماں کو جواب دینے کے لیے بس یہی بہانہ سوجھا تھا۔"یہ کیا بات ہوئی؟ کیا اس نوکری کے چکر میں تم دنیا سے کٹ جاؤ گے؟تم اپنے یہ بہانے اپنے پاس ہی رکھو اور ایک ہفتے کے اندر اندر واپس کراچی آ۔"اپنے بیٹے کی بات پہ وہ اور چڑ گئی تھیں۔عناب کھانا کھانے کے بجائے صرف چمچ پلیٹ میں ادھر ادھر چلا رہی تھی۔فھمیدہ اس کی یہ حرکت کافی دیر سے نوٹ کر رہی تھیں۔"عنابیہ کیا کھانے سے کھیل رہی ہو؟ ٹھیک سے کھانا کھا بیٹا۔ابھی ایک نوالہ تک نہیں کھایا تم نے۔"فھمیدہ کے کہنے پہ عناب کچھ چونک سی گئی۔حسن نے عناب پہ ایک سرسری سی نظر ڈالی۔عناب نے چمچ پلیٹ میں رکھ دیا اور اٹھ کر آہستہ آواز کہنے لگی۔

"مجھے ابھی بھوک نہیں آنٹی۔میں بعد میں کھا لوں گی۔"اس کی بات سن کے حسن کھانا کھاتے ہوئے ایک پل کو رکا۔عناب کے چہرے پہ تکلیف دہ تاثرات تھے۔وہ ایکسکیوز کرتی ہوئی جلدی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔فھمیدہ اس کے لیے مزید فکر مند ہو گئیں۔

"مجھے عناب ٹھیک نہیں لگ رہی آغا صاحب۔"آغا رفیق نے گردن ہلائی۔وہ اپنی بیوی کی بات سے متفق تھے۔حسن چپ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا ایسے جیسے اسے کوئی فرق ہی نہیں پڑا تھا۔"حسن اٹھو جاؤ دیکھو عناب کو اور اسے لے آ۔وہ اب تمہاری ذمہ داری ہے۔اسے خوش رکھنا تمہارا فرض ہے۔اٹھو شاباش۔"فھمیدہ نے اسے پیار سے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔"ذمہ داری مائی فٹ۔اسے تو میں نے اس کا ڈوز نہیں دیا تبھی اوور ایکٹنگ کر رہی ہے۔"اپنے دانت اور مٹھیاں زور سے بھینچتے ہوئے غصے کو ضبط کر کے وہ اٹھ کے اسے لینے چلا گیا۔عناب اپنے کمرے میں بیڈ پہ اوندھی لیٹی تکیے پہ منہ ٹکائے ہوئے تھی۔حسن زور سے دروازہ کھول کے اندر آیا۔وہ ایکدم ٹھٹھک کے اٹھ گئی۔

"یہ کیا ڈرامہ لگا رکھا ہے تم نے؟"ماتھے پہ بل لیے وہ اسے غصے سے دیکھ کر کہہ رہا تھا۔عناب کی آنکھوں میں بے ساختہ آنسو آ گئے۔اپنے آنسوؤں کو روکنے کیلیے اپنی پلکیں زور زور سے جھپکیں۔اس کے سر میں شدید درد تھا اور وہ اس لیے تھا

کہ حسن نے اس کے بال بہت بے دردی سے نوچے تھے جو کہ وہ باندھتی نہیں تھی لیکن آج فہمیدہ کے ٹوکنے کی وجہ سے اس نے اپنے کھلے بال باندھ لیے تھے اور اسی وقت سے اسے سر میں درد ہونا شروع ہو گیا تھا۔

"چلو اٹھو۔" حسن نے سخت حکمیہ انداز میں کہا۔ ایسے جیسے اگر وہ نہ اٹھی تو وہ اسے وہیں گولی مار دے گا۔ حسن کے الفاظ اس کے سر میں ہتھوڑے کی طرح لگ رہے تھے۔ اسے اتنا شدید درد تھا کہ اس سے اٹھا ہی نہیں جا رہا تھا۔ اس نے اپنی گردن جھکائے رکھی تھی تاکہ حسن اس کے چہرے کے درد بھرے تاثر نہ دیکھ پائے۔ اسے یوں خاموش بیٹھے دیکھ کر حسن کو مزید غصہ آنے لگا۔

"تم نے سنا نہیں میں نے کیا کہا؟"

عناب کے آنسو اس کے حلق میں پھنسنے لگے۔ وہ اٹھی نہیں پا رہی تھی۔ اسے یوں خاموش بیٹھے دیکھ کر حسن اشتعال سے اس کے قریب آیا اور اس کی کلائی زور سے پکڑ کر اسے کھینچ کے اٹھایا اور اسے اپنے ساتھ ڈائننگ روم میں لے گیا۔ حسن کے والدین صرف ایک دن کے لیے آئے تھے۔ ان کے واپس چلے جانے سے حسن کی سانسیں بحال ہوئی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام کے وقت وہ اکثر لانج میں بیٹھ کر ٹی وی پہ کوئی ٹاک شو یا نیوز دیکھا کرتا تھا۔ آج بھی وہ ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ سگریٹ بھی پی رہا تھا۔ عناب اس سے کچھ فاصلے پہ رکھے جھولے پہ بیٹھی کوئی رسالہ دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ملازم اندر آیا اور حسن کو گاڑی کی چابی دی۔ حسن نے اپنے والٹ میں سے کچھ پیسے نکال کر ملازم کو دیتے ہوئے کہا۔

"کاکا آج آپ نے کھانا تو بہت لذیذ بنایا تھا۔ دل کر رہا ہے آپ کے ہاتھ چوم لوں۔" وہ اچھا کھانا کھانے کا شوقین تھا اور جب بھی کھانا لذیذ بنا ہوتا وہ تعریف ضرور کرتا تھا پھر چاہے وہ کھانا اس کی ماں نے بنایا ہوتا یا ملازموں میں سے کسی نے۔ تعریف کے معاملے میں وہ کبھی کنجوسی نہیں کرتا تھا اور آج دوپہر میں واقعی کھانا بہت لذیذ بنا تھا اس لیے وہ تعریف کیے بنا نہ رہ سکا۔ ملازم نے حسن کے منہ سے اپنے لیے تعریف سن کر اپنی مسکراہٹ کو دبانے کی کوشش کی۔ عناب نے بھی حسن کی بات سن کر پہلے اسے اور پھر ملازم کو مسکرا کے دیکھا۔

"سر جی کھانا تو آج واقعی بہت اچھا بنا ہوا تھا لیکن آپ ہاتھ میرے نہیں عناب باجی کے چومیں کیونکہ کھانا باجی نے بنایا تھا میں نے نہیں۔" ملازم کی بات سن کر وہ جھینپ سا گیا۔ اس نے بے ساختہ عناب کو دیکھا۔ عناب نے اپنی مسکراہٹ دبانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنا دھیان رسالے کی طرف کر لیا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ آپ جائیں اور میرے لیے اچھی سے چائے بنا کر لائیں۔۔ بالکل ویسی جیسی کل پلائی تھی کڑک دودھ پتی۔" حسن نے بات بدلنے کے لیے ملازم کو کہا۔ اب کے ملازم نے اپنی ہنسی روکنے کے لیے اپنا ہاتھ منہ پہ رکھ لیا۔ عنا پھر سے حسن کی بات سن کر اپنی مسکراہٹ روک نہیں پائی۔ حسن نے ملازم کو مسکراتے دیکھ کر اسے گھورا۔

"اب کیا ہوا کاکا؟"

"سر جی وہ چائے بھی باجی نے ہی بنائی تھی۔" ملازم کی بات سن کر حسن اور زیادہ جھینپ گیا۔ اس نے یکدم اپنا دھیان ٹی وی کی طرف کرلیا۔

"باجی آپ ویسی ہی چائے صاحب کو پھر سے بنا کے دیں۔" ملازم نے عناب سے مخاطب ہو کے کہا۔ ملازم کی بات سن کر عناب نے ہلکے سے گردن ہلائی اور رسالہ بند کر کے سائیڈ میں رکھ کر اٹھنے ہی لگی تھی کہ حسن نے ملازم کو دیکھے بغیر کہا۔

"نہیں کا کا رہنے دیں۔ میرا موڈ نہیں ہو رہا۔" عنا حسن کی بات ان سنی کرتے ہوئے باورچی خانہ میں چلی گئی۔ حسن ایک اور سگریٹ نکال کر پینے لگا۔

کچھ ہی دیر بعد عناب چائے کی ٹرے لیے کر لاؤنج میں آئی اور حسن کے سامنے رکھی ٹیبل پہ چائے رکھ کر ایک نظر اس پہ ڈالی۔ حسن نے بہت سنجیدہ انداز میں ایک نظر چائے کے کپ پہ ڈالی اور دوسری عناب پہ پھر اپنا دھیان ٹی وی کی طرف کر لیا۔ عنا کچھ معنی خیز انداز میں اسے دیکھ کر مسکرا کے کمرے میں چلی گئی تاکہ وہ آرام سے چائے پی سکے۔ کچھ لمحوں بعد حسن نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلی اور گردن موڑ کر عناب کے کمرے کی طرف چوروں کی طرح دیکھا اور پھر چائے کا کپ اٹھا کر پینے لگا۔ چائے کا پہلا گھونٹ لیتے ہی اس کے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ یہ چائے تو اسے کل والی چائے سے بھی زیادہ پسند آئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حسن کا رویہ عناب کے ساتھ اچھا تو نہیں ہوا تھا لیکن اب وہ اسے مارتا یا ڈراتا، دھمکاتا نہیں تھا۔ اس کی ضرورت کی چیزیں خرید کر ملازموں کے ذریعے اس تک پہنچاتا۔ عناب نے بھی کافی حد تک سمجھوتہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ شادی سے پہلے اس نے کوکنگ کا سز ایسے ہی شوقیہ لی تھیں اس لیے اسے ایشین، چائنیز، کانٹینینٹل ہر طرح کا کھانا بنانا آتا تھا اور اب وہ خود کو ریلیکس رکھنے کے لیے ملازموں کے ہوتے ہوئے بھی کھانا اپنے ہاتھ سے بناتی تھی۔ حسن بھی کھانے پینے کا کافی شوقین تھا اس لیے وہ روز نئی نئی ڈشز اس کے لیے بناتی رہتی تھی جو کہ وہ کافی شوق سے کھاتا تھا۔ باقی وقت میں وہ روز گھر کی سیٹنگ بدلتی رہتی تھی اور شام کے وقت لان میں نئے نئے پودے لگاتی، ان کی دیکھ بھال کرنے اور انہیں پانی دینے میں گزارتی رہتی تھی۔

آج بھی وہ لان میں پانی کا پائپ ہاتھ میں پکڑے پودوں کو پانی دے رہی تھی جب حسن کسی سے فون پہ بات کرتے ہوئے مین ڈور کھول کر باہر نکلا اور پورچ میں کھڑی گاڑی کی طرف جانے لگا۔ فون پہ بات کرتے ہوئے اس کی نظر عناب پہ پڑی جو پودوں کو پانی دیتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ کتنی کشش تھی اس کی آنکھوں میں۔ حسن نے یکدم اپنی نظریں اس پہ سے ہٹالیں اور سامنے کھڑے ملازم کو دیکھ کر کہنے لگا۔

"کا کا۔" گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے اس نے جیسے ہی ملازم کو پکارا تو وہ دوڑتا ہوا اس کے قریب آیا۔

"جی سر جی۔" ملازم اس کے سامنے ہاتھ باندھ کے کھڑا ہو گیا تھا۔ عناب کا پورا دھیان حسن کی طرف تھا۔

"کاکا میں ایک کام کے سلسلے میں دوسرے شہر جا رہا ہوں۔ شاید رات کو نہ آسکوں۔ آپ سکینہ بی سے کہیے گا کہ آج رات یہاں آ کے ٹھہریں۔" اس نے سنجیدگی سے ملازم کو ہدایت دی۔ ملازم ابھی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عناب نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں کاکا۔ اب میں بہت بہادر ہو گئی ہوں۔ اب مجھے ڈر نہیں لگتا۔" وہ بظاہر تو ملازم سے مخاطب تھی پر کہہ حسن کو رہی تھی۔ حسن نے بے ساختہ اسے دیکھا۔ عناب کے چہرے پہ اک شرارت بھری مسکراہٹ تھی۔

"جب میں ایک بہت ہی خطرناک دھاڑنے کاٹنے والے شیر کے ساتھ رہ سکتی ہوں تو یہ جن بھوت میرا کیا بگاڑ لیں گے۔ جن بھوت تو بیچارے ایسے ہی خوار ہیں بس۔" اس کے شرارت بھرے لہجے میں کی گئی بات وہ پہلے سمجھ نہیں پایا اور اسے گھورنے لگا۔ وہ تو اسے ہی دھاڑنے اور کاٹنے والا شیر کہہ رہی تھی۔ یہ بات سمجھ میں آنے پر وہ یکدم جھینپ سا گیا۔ اس نے اپنی مسکراہٹ دبائی اور جن کا ماسک پہن لیے۔

"سکینہ بی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی کاکا آپ انہیں مت کہیے گا۔ میں اکیلی رہ لوں گی۔ مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" عناب نے یکدم اپنی بات بدلنے کے لیے سنجیدگی سے ملازم سے کہا پھر اپنا پورا دھیان پودوں کو پانی دینے کی طرف کر لیا۔ حسن نے ایک گہری سانس لے کر اسے دیکھا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں سو رہی تھی جب اچانک گاڑی کا ہارن بجنے پہ اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ایکدم سے اٹھ بیٹھی اور ٹیبل لیمپ آن کیا۔ سامنے دیوار پہ لگی گھڑی پہ اس نے نظر ڈالی رات کے دو بج رہے تھے۔ بیڈ سے اٹھ کر اس نے دوپٹہ گلے میں ڈالا اور چپل پہن کر وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ لانج کے مین ڈور سے اندر آتے حسن پہ اس کی نظر پڑی وہ کافی تھکا ہوا سا لگ رہا تھا۔

"کاکا میں فریش ہونے جا رہا ہوں۔ آپ میرے لیے جلدی سے کھانا لگا دیں۔" وہ اپنے کمرے میں جاتے ہوئے ملازم کو آواز دے کر کہہ رہا تھا۔

حسن کی بات سن کر وہ کچھ سوچتے ہوئے باورچی خانہ میں چلی گئی، اس کے لیے کھانا گرم کیا اور تازہ روٹیاں بنانے لگی۔ کھانا برتنوں میں نکالتے ہوئے اس نے پاس کھڑے ملازم سے کہا۔ "کاکا آپ صاحب سے کہہ آئیں کہ آ کر کھانا کھا لیں۔ تب تک میں کھانا ٹیبل پہ لگا دیتی ہوں۔"

"جی باجی۔" عنا کی بات سن کر ملازم اسی وقت حسن کو بلانے چلا گیا۔ کچھ دیر بعد حسن اپنی قمیض کی آستینیں موڑتے ہوئے ڈائننگ روم میں آیا۔ عناب کو اس طرح ٹیبل پہ کھانا لگاتے دیکھ کر وہ چونک کے رک گیا۔ عناب اسے آتے دیکھ کر جھٹ سے باورچی خانہ میں چلی گئی۔ حسن خاموشی سے بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔ کھانے کا پہلا نوالہ منہ میں ڈالتے ہی اس کے چہرے پہ ہلکی مسکراہٹ چھا گئی۔ کھانا بہت مزیدار تھا۔ اس کے ہاتھ میں واقعی بہت ذائقہ تھا۔ کچھ دیر بعد عناب گرم روٹی لے کر آئی اور حسن کی پلیٹ میں رکھنے لگی۔ حسن نے نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے اسے دیکھا۔ روٹی پلیٹ میں رکھ

کے وہ باورچی خانہ میں جانے کے لیے مڑی تو حسن نے اس سے کہا۔"رکو۔" اس کی آواز میں سنجیدگی تھی۔
عناب کچھ گھبرا سی گئی اور اس کی بات ان سنی کرتی باورچی خانہ میں جانے کے لیے آگے بڑھی ہی تھی کہ حسن نے دوبارہ اسے سختی سے پکارا۔
"تم نے سنا نہیں میں نے کیا کہا؟" ڈر کے مارے عناب کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ وہ یکدم رک گئی۔
"ادھر آ۔" حسن کی بات سن کر وہ ڈرتے ہوئے مڑی۔
"میں نے کہا ادھر آ۔" وہ ڈرتے ڈرتے اس کے قریب آئی۔ اس نے اپنی آنکھیں زور سے بھینچ کر بند کر لیں اور اپنے دائیں گال پہ ہاتھ رکھ کر بایاں گال حسن کی طرف کر کے کہنے لگی۔
"اس گال پہ ماریے گا۔ دائیں گال پہ درد زیادہ ہوتا ہے۔" جس انداز میں عناب نے اسے یہ کہا اس پہ حسن بے ساختہ مسکرا دیا۔ پھر اپنی مسکراہٹ دبا کر نرمی سے کہا۔
"بیٹھو۔" عناب اسے بے یقینی سے دیکھنے لگی۔
"میں نے کہا بیٹھو ادھر عناب۔" وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ حسن نے ایک پلیٹ اٹھا کر اس کے سامنے رکھی۔
"کھانا کھا۔ مجھے پتہ ہے کہ تم نے کچھ بھی نہیں کھایا ہوگا۔"
حسن کے اس انداز کو دیکھ کر عناب کی حیرت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ یہ کوئی خواب تو نہیں؟ اس نے خود کو جھٹکا اور اپنی پلیٹ میں کھانا ڈال کر نظریں جھکا کے کھانے لگی۔ حسن کھانا کھاتے ہوئے اسے سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ کچھ دیر کے لیے لاؤنج میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے لگا اور ساتھ ساتھ سگریٹ بھی پی رہا تھا۔ کچھ دیر بعد عنا بچائے کے دو کپ لیے اس کے پاس آئی۔ ایک کپ اس کے سامنے رکھا اور دوسرا کپ اپنے لیے اٹھا کر حسن کے برابر میں بیٹھ گئی اور چائے پیتے ہوئے ٹی وی دیکھنے لگی۔ حسن کو اس کا اس طرح اپنے قریب بیٹھنا بہت عجیب سا لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حسن لاؤنج میں ٹہلتے ہوئے کسی سے فون پہ بات کر رہا تھا جب ملازم نے اسے آ کے بتایا کہ گاؤں کی کچھ عورتیں اس سے اور عناب سے ملنے اور شادی کی مبارکباد دینے آئی ہوئی ہیں۔ حسن نے ملازم سے ان عورتوں کو لان میں بٹھانے کا کہا۔ فون پہ بات کر کے وہ باہر لان میں آ گیا۔ وہ گاؤں کے لوگوں کا کافی خیال رکھتا تھا۔ لان میں آ کر وہ سب سے کافی اچھے طریقے سے ملا اور کرسی پہ بیٹھ گیا۔ عناب اپنے کمرے میں تھی۔ وہ عورتیں اس سے عناب کا نہ پوچھیں اس لیے وہ ان سب سے ان کے مسئلے مسائل پوچھنے بیٹھ گیا۔ لائیٹر سے سگریٹ سلگا کر وہ سموکنگ کرنے لگا۔ سب عورتیں باری باری اسے اپنے حالات بتانے لگیں۔ کسی کو شوہر سے شکایت، کسی کو بچوں سے تو کسی کو سسرال سے۔ حسن سب کی باتیں سنجیدگی سے سن رہا تھا اور انہیں سمجھا رہا تھا۔
عناب جب کمرے سے باہر نکلی تو اسے باہر سے عورتوں کے بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔ خود کو شال میں لپیٹ کر وہ باہر کاریڈور میں آئی۔ حسن اور ان عورتوں کو دیکھ کر وہ وہیں رک گئی۔ ان عورتوں نے عناب کو دیکھ لیا تھا، سب خوشی خوشی عناب سے ملیں۔ عنا بھی سب سے بہت خوش دلی اور

پیار سے ملی اور حسن کے برابر میں رکھی کرسی پہ بیٹھ گئی۔ حسن نے اپنا دھیان سگریٹ پینے کی طرف کر لیا۔ دو عورتیں عناب سے باتیں کرنے لگیں۔ "باجی آپکو شادی کی بہت بہت مبارک ہو۔ ہمیں آپ سے ملنے کا بڑا ہی شوق تھا۔" ایک عورت نے بہت خوش ہو کے عنابکو مبارکباد دی۔

"بہت شکریہ۔" عناب نے مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ حسن نے اس کی بات پہ کوئی دھیان نہیں دیا۔

"باجی آپ دونوں کی جوڑی ماشااللہ بہت پیاری ہے۔ اللہ آپکی جوڑی سدا سلامت رکھے۔"

"آمین۔" عناب نے خوش ہو کے کہا۔ حسن کے ہاتھ سے بے ساختہ سگریٹ چھوٹ گئی۔ حسن اور عنابکی نظریں ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ عناب کے دیکھنے کے انداز سے حسن کچھ چونک سا گیا اور یکدم اپنی نظریں دوسری طرف کر لیں۔

"عناب باجی ہمیں اگر پتہ ہوتا کہ آپ یہاں ہیں تو ہم روز آپ سے ملنے آتے۔"

"اچھا اب پتہ چل گیا ہے نا تو اب روز آیا کرنا۔ میں بھی اکیلے بیٹھی بور ہوتی رہتی ہوں۔ تم آ گی تو مجھے بھی اچھا لگے گا۔" "ہاں ہاں باجی۔ اب تو آپ فکر ہی نہ کریں۔" عناب مسکرا دی تھی۔

کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد حسن خاموشی سے اٹھ کر اندر جانے لگا۔ اسے جاتے دیکھ کر عناب نے اسے روکا۔

"حسن ایک منٹ رکیے۔" وہ کچھ جھینپ کر رک گیا اور مڑ کر عنابکو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ عناب اٹھ کر اس کے قریب آئی اور آہستہ آواز میں اسے کہنے لگی۔

"آپ کے پاس کچھ پیسے ہوں تو مجھے دیجیے۔" حسن ایک پل کو اسے حیرت سے دیکھنے لگا پھر اپنا والٹ نکال کر اسے دیا اور خود اندر چلا گیا۔ عناب نے والٹ میں سے کچھ پیسے نکال کر ان عورتوں کو دے دیے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس دن آغا رفیق اچانک ان سے ملنے آ گئے تھے۔ حسن دفتر گیا ہوا تھا۔ وہ کافی دیر تک عناب سے باتیں کرتے رہے، عناب نے ان کے لیے کافی اور لنچ بنایا تھا۔ آج انہیں عناب پہلے سے کافی بہتر اور فریش لگی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر کچھ مطمئن سے ہو گئے تھے۔ اس دن وہ اپنی بیوی کی وجہ سے حسن سے بات نہیں کر پائے تھے اس لیے آج وہ بنا بتائے اچانک اس سے ملنے اور بات کرنے آ گئے تھے۔

حسن جب گھر آیا تو اپنے باپ کو دیکھ کر بہت زیادہ خوش ہوا۔ وہ تھے تو باپ بیٹے پر ان کا رشتہ آپس میں دوستوں سے بھی بڑھ کر تھا۔ شام میں دونوں باپ بیٹے لان میں آ کر بیٹھ گئے۔ عناب ان کے لیے چائے بنا کر وہیں لے آئی اور خود اندر چلی گئی۔ "یہ لان تو تم نے بہت زبردست بنا دیا ہے۔ کافی خوبصورت پودے لگائے ہیں تم نے۔" لان کے چاروں طرف نظریں گھماتے ہوئے انہوں نے حسن کی تعریف کی تھی۔ حسن ہلکا سا مسکرا کر ان پودوں کو دیکھ کر کہنے لگا۔

"عناب نے لگائے ہیں، میرے پاس اتنا وقت کہاں ڈیڈ کہ میں ان پودوں کی دیکھ بھال کر سکوں۔" وہ انہیں اگر خوش نہیں لگ رہا تھا تو پہلے کی طرح اداس بھی نہیں لگ رہا تھا۔ کچھ دیر

ادھر ادھر کی باتیں کرنے اور چائے پینے کے بعد وہ حسن سے بہت سنجیدگی سے مخاطب ہوئے۔

"کیا بات ہے حسن؟"

"کیا بات ڈیڈ؟" وہ اپنے باپ کی بات پہ کچھ چونکا تھا۔

"وہی جو تم مجھے بتا نہیں رہے۔" وہ کچھ گھبرا سا گیا تھا۔

"کچھ بھی تو نہیں۔" اس نے جھوٹ بولنے کی کوشش کی۔ رفیق صاحب نے ایک گہرا سانس لیا۔

"میں تمہارا باپ ہوں۔ تم خوش ہو یا اداس ہو یہ میں تمہاری شکل دیکھ کر بھی بتا سکتا ہوں۔ اب بتا مجھے کیا بات ہے؟ کیا پریشانی ہے؟" ان کے منہ سے یہ بات سن کر اس کے چہرے پہ ہلکی مسکراہٹ ابھری۔ وہ واقعی اپنی پریشانی پوری دنیا سے چھپا سکتا تھا پر اپنے باپ سے نہیں۔

"ڈیڈ آپ نے میری تربیت ایسی کی ہے کہ زندگی میں مجھے کبھی بھی کسی بھی معاملے میں صحیح فیصلہ کرنے میں کبھی کوئی الجھن یا پریشانی نہیں ہوئی کیونکہ وہ فیصلہ کرنے میں میرا دل اور دماغ ایک بات پہ ایک فیصلے پہ متفق ہوتے تھے۔" وہ بہت دھیمے لہجے میں بات کرتے ہوئے ایک پل رکا پھر کہنے لگا۔ "ڈیڈ مجھے اس وقت ایک فیصلہ کرنا ہے لیکن مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں کیونکہ وہ فیصلہ کرنے میں میرا دل اور دماغ ایک بات پہ متفق نہیں ہو رہے۔ دماغ کہتا ہے فیصلہ اپنے حق میں کروں، اپنی خوشی کا سوچوں پر دل کہتا ہے کہ دوسرے کی خوشی کا سوچوں۔ میں ایسا الجھ کے رہ گیا ہوں کہ مجھے کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا۔" وہ اپنے بیٹے کی بات بہت تحمل سے سن رہے تھے۔ انہیں پتہ تھا کہ ان کا بیٹا ان سے زیادہ سمجھ بوجھ رکھتا ہے۔

"حسن پتہ ہے میری زندگی میں بہت مرتبہ ایسا وقت آیا جب میں بھی ایسی صورتحال میں پھنسا تھا۔۔ پتہ ہے تب میں نے کس کی بات سنی؟" حسن نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرائے۔ "میں نے اپنے دل کی بات سنی اور وہ فیصلہ کیا جو دوسروں کے حق میں بہتر تھا۔ وقتی طور پر تو میں پریشان ہو جاتا تھا لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد وہی فیصلہ میرے لیے خوشیوں کا باعث بن جاتا تھا۔ اس وقت تم جس الجھن کا شکار ہو اس میں، میں تمہیں یہی تجویز دوں گا کہ تم فیصلہ اپنے دل کی سن کر کرو، چیزیں خود بخود تمہارے حق میں ہو جائیں گی۔" وہ ان کی بات بہت غور سے سن رہا تھا۔ ان سے بات کر کے وہ بہت ریلیکس ہو گیا تھا۔ انہوں نے تو ایک پل میں اس کی ساری الجھنوں کا حل نکال دیا تھا۔

"تھینک یو ڈیڈ۔ اب شاید مجھے صحیح فیصلہ کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔" اس نے بہت پیار سے اپنے باپ کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھاما تھا۔ انہوں نے حسن کو بہت پیار اور شفقت بھری نظروں سے دیکھا اور اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بہت گہری نیند میں سویا ہوا تھا، آدھی رات ہو چکی تھی جب اسے اچانک کسی کا نرم و نازک سا لمس اپنے قریب محسوس ہوا۔ وہ یکدم جاگ گیا اور ٹھٹھک کے اٹھ بیٹھا۔ اس نے جھٹ سے سائیڈ ٹیبل لیمپ آن کیا اور جونہی سامنے دیکھا تو عناب کو اپنے پیروں پہ ہاتھ رکھے سوئے دیکھ کر چونک سا

گیا۔وہ بہت سکڑ کے حسن کے پیروں پہ اپنا ہاتھ رکھے سوئی ہوئی تھی۔ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی چیز سے ڈر کے سوئی ہوئی ہو۔حسن اسے اس طرح سوئے دیکھ کر پریشان سا ہوگیا۔وہ جھٹ سے بیڈ سے اترا اور اس کی طرف تھوڑا جھک کر اس کے بازو کو ہلاتے ہوئے سنجیدگی سے کہنے لگا۔

"عناب۔عناب اٹھو یہاں سے۔جا اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔" وہ نیند میں تھی،اس نے حسن کی آواز نہیں سنی۔حسن نے دوبارہ اسے اٹھانا چاہا وہ پھر بھی نہیں جاگی تو اس نے عناب کے گال کو ہلکا سا تھپکا تو یکدم پریشان ہوگیا۔اس نے عناب کے ماتھے پہ ہاتھ رکھا۔

"او مائی گاڈ اتنا تیز بخار۔" وہ بہت زیادہ گھبرا گیا۔

اس نے عناب کو بیڈ پہ ٹھیک سے لٹایا۔بخار تیز ہونے کی وجہ سے وہ بیہوش ہوگئی تھی۔وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکلا اور فریج میں سے ٹھنڈا پانی نکال کر پیالہ میں ڈال کے واپس عناب کے پاس آیا اور اس کے ماتھے پہ پٹیاں رکھنے لگا۔۔جب عناب کو کچھ ہوش آنے لگا تو حسن نے اسے اپنے ہاتھ سے دوائی کھلائی۔عناب کی ایسی حالت دیکھ کر وہ حد سے زیادہ فکرمند ہوگیا تھا۔کہیں نہ کہیں وہ اس سب کا ذمیدار خود کو ہی ٹھہرا رہا تھا۔وہ ساری رات عناب کے سرہانے بیٹھا رہا۔فکر اور پریشانی اس کے چہرے سے صاف نظر آرہی تھی۔مما نے ٹھیک کہا تھا اتنی پیاری نازک پھول جیسی لڑکی کیسی مرجھا سی گئی تھی۔عناب کے کمزور سے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ خود کو حد سے زیادہ کوس رہا تھا۔

☆☆☆ جاری ہے باقی آئندہ شمارے میں ☆☆☆

خواہش

ازقلم۔۔۔۔۔سارا وحید

اسے ہمیشہ سے باہر کی چمکتی دمکتی زندگی متاثر کرتی تھی. اس کے باپ کو بڑھاپے میں اس کے ساتھ کی آرزو تھی مگر اس کے دل کو خوب دھن دولت کمانے کی چاہت نے جکڑ رکھا تھا. آخر وہ اپنے باپ کی بے بسی, ناراضگی, بیماری کو پس پشت ڈالتا اپنے خوابوں کے تعاقب میں نکل گیا. قسمت نے دس سال کی ان تھک مشقت سے اس کی ہر تمنا کو اس کی گود میں ڈال دیا تھا. یوں اس کی ہر خواہش تو پوری ہوگئی, مگر اس کا باپ اپنے آخری وقت میں اس کے کندھے کے لیے محروم رہ گیا.

بھوک

افسانہ

تحریر: رضوان عباس

سڑک کنارے، پھٹے ہوئے بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس، 12 سے 13 سالہ عمر کا ایک کمسن لڑکا، پاس پڑے کوڑا دان کو بڑی بے چینی سے کھنگھالتا ہوا، کچھ تلاش کرنے میں مگن تھا۔ کچھ دیر وہیں رکے رہنے کے بعد جب میں نے قریب جا کر دیکھنا چاہا، تو وہ روٹی کا ایک گلا سڑا ہوا ٹکڑا چبانے کی بے سود کوشش کر رہا تھا۔

میرے منع کرنے پر وہ میری طرف پلٹا، اور مجھے گھورتا ہوا، اپنے پنجابی لہجے میں بولا۔۔۔

"تو کی جانے یار میرا !!!، اے روٹی بندہ کھا جاندی اے

عطیہ اک گھنٹے سے چن میں کسی کیا کر رہی ہو۔ناشتہ کب تیار ہوگا یہ کوئی چوتھی آواز تھی۔ذوبیر کی۔

جو عطیہ کے کانوں کو چھو ہی نا پائی تھی ماضی میں ڈوبے پراٹھا بیل رہی تھی ذوبیر کی ایک بار پھر آواز دینے پر) جارہا ہوں عطیہ میں بغیر ناشتہ کیے پتہ ہے آفس لیٹ ہو جاؤنگا۔اسے اک بار پھر آواز دینے پر جیسے کسی نے بجلی کا شارٹ دیا تھا ،،،،،رو کئے آرہی ہوں بس ہو گیا عطیہ نے تسلی دی۔اور ناشتہ ٹیبل پر لگ چکی تھی ----- ذوبیر ناشتہ کرتے ہی اب وہاں سے جا چکے تھے--------

ماضی کو 15 سال کا عرصہ بیت چکا تھا عطیہ کے شوہر ذوبیر کا اک خطرناک کار ایکسیڈینٹ جو آج تک عطیہ کے حال سے چپکا ہوا تھا----جائے واقع پر ہی اس نے دم توڑا تھا ---خود کو اپنی جان سے زیادہ چاہا تھا اور آج وہ ساتھی زندگی کی بھاگ دوڑ میں اسے تنہا کر گیا تھا عطیہ کی حالت نا قابل بیاں تھی اور کوئی ٹھکانہ بھی نا تھا ان 15 سالوں میں عطیہ نے زندگی کی گہری عکاسی کرائی تھی ----عطیہ میٹرک کرتے ہی سہیل جو اسکا خیر خواں اور کلاس میٹ اور اک بدماش عاشق تھا۔۔بھولی بھالی عطیہ کو اپنی جھوٹی محبت کے جال میں پھنسایا تھا---عطیہ اپنے گھر سے بھاگ چلی تھی ---اور جس جگہ نکاح کرنا تھا وہاں پہنچ چکی تھی مگر جب قسمت ہی خراب ہو تو وقت پر کیسا الزام ----دہاں عطیہ کو بلا کر سہیل خود وہاں سے غائب تھا---عطیہ اس رات بے گھر بے سناٹے میں جاتی بھی تو کہاں گھر پر وہ واپسی کا راستہ خود بند کر آئی تھی اک لیٹر کی صورت میں 17 سال کی محنت کا صلہ وہ کاغذ پر لفظوں کی تکرار سے دے آئی تھی ---دوبارہ گھر والوں سے نظریں ملانا اس بے چین دل نے گوارہ نا کیا تھا لہذا وہ سڑک کے کنارے ٹوٹا پھوٹا دل لیے اپنے اک دور کی دوست کے جا پہنچی تھی ---دہاں کچھ مہینوں بعد ذوبیر نے اسے شریک حیات بنایا تھا جو کہ عطیہ کے بھائی کا دوست ہی تھا---عطیہ ان 15 سالوں میں کبھی اپنے ماں باپ کو نہ بھولی تھی اور آج تہہ دل سے وہ اپنی دوست کی شکر گزار تھی---

------آج ذوبیر کو سڑک کے بیچوں بیچ پڑے دیکھ وہ خود کو اس دنیا سے الگ تھلگ محسوس کر رہی تھی غم تھا یا ماں باپ کو دکھی کرنے کا انجام آج ,15 سالوں بعد انکا درد بہت قریب سے محسوس کیا تھا---جب آدھی زندگی گزار

ڈالی تھی اب کیا فائدہ تھا یاد کرنے کا وہ لوگ زندہ بھی ہے یا نہیں وہ تو یہ بھی کی نہ جانتی تھی ۔۔۔زوبیر کے پاکٹ سے موبائل فون نکال کر اسکے قریبی دوست کا نمبر ملایا تھا اور اب یہ لوگ گھر آ چکے تھے چار لوگوں کی موجودگی میں نماز جنازہ ادا ہوا تھا۔۔عطیہ کو اپنی تقدیر پر رب سے شکوہ تھا یا اپنی نااہلی پر ندامت جو ماں باپ کو دکھ دیا تھا۔۔۔آج ماں کی آغوش شدت سے یاد آئی تھی ۔۔۔عطیہ نے اپنے ماں باپ کو ڈھونڈنے کی تلاش میں زندگی وقف کردی تھی کوئی اولاد ہی نہ تھی عطیہ کے جو زندگی کی اس بھاگ دوڑ میں وجہ ٹھہراؤ ہوتی زوبیر کے جانے کے بعد بس صرف اک ہی کام تھا جو ماں اور باپ کی تلاش تھا ۔۔۔کئی سالوں کی ناکام کوشش کے بعد آج عطیہ کئی کاوشوں کے بعد ماں باپ کا پتہ کا سوراغ لگایا تھا ماں باپ تو مل ہی گئے تھے مگر صرف انکی قبر کی صورت میں آنٹی رشیدہ جو عطیہ کو ٹیوشن دیتی تھی آج عطیہ کے ماں باپ کو ڈھونڈنے میں معاون ثابت ہوئی تھی۔۔۔ماں باپ کی وصیت کے مطابق کچھ چیزیں جو عطیہ کی یادوں کا سہارہ بنی تھی ۔۔۔انہیں ساتھ لاکر عطیہ آج پھر ندامت کے آنسو روئی تھی ۔۔۔کبھی میں بھی اپنے شوہر کے لیئے ناشتہ بنایا کرتی تھی ۔۔۔زوبیر مجھے غصہ کرتے تھے اور فرمائش بھی ناز و سے میری معصوم سی عمر میں سہارا دیا تھا۔۔۔آج عطیہ زوبیر کی یادوں میں جکڑی ہوئی تھی۔عطیہ کو کس کی نظر لگی تھی عطیہ آج اپنے شوہر اپنے ماں باپ کو شدت سے یاد کر رہی تھی ۔۔خود کو کسی ویرانیوں کے دلدل میں دھنسا چکی تھی ۔۔۔اور درد کے خدا سے فریاد کے سوا اب کچھ باقی بھی تو نا تھا ۔۔۔ہر گزرا ہوا کل لوٹ کے کب آتا ہے یہ تو ہماری نادانیوں کے سبب بس چلتا ہی جاتا ہے ۔۔۔عطیہ اسی صدمہ سے دو چار اب بیمار رہنے لگی تھی آج اسی ٹیبل پر جہاں وہ زوبیر کو کھانا دیا کرتی تھی ۔۔روز اسی تصویر کو دیکھتی عطیہ آج زوبیر کی تصویر پر ہی احساس ختم ہوئے تھے روح کو ملن چاہئے تھا زوبیر اور ماں باپ سے جس آغوش میں وہ خود کو چھپانا چاہتی تھی ۔آج وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملی تھی زوبیر کی تصویر پر بڑے احترام ومحبت سے سر کو ٹکایا تھا زندگی کی آخری ہچکی اسنے اپنوں کی یادوں کو دل میں بسائے اور انکی موجودگی سے تصویر کائنات میں رنگ تھا ہر سو آج جو نہیں وہ تو میری کوئی اوقات نہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔محبت روح کا پاگل پن ہوتی ہے ۔۔۔۔یہ کب کسی کی عزیز ہوتی ہے کبھی آنسو کبھی بغاوت تو کبھی ندامت ہوتی ہے۔۔۔۔یہ اپنی اپنی جینے کی ادا ہوتی ہے ۔۔کبھی کچھ پا کر بھی بازی ہاتھ سے جاتی ہے تو کبھی دعائیں ہمارے تقدیر کے آڑے آتی ہیں

چاہت پر ناز تو سبکو ہی رہا ہے اپنی

اسکی قدر وقت کے ساتھ ادا ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔

☆.....☆.....☆.....☆

افسانہ

عشق

از قلم..... رخسانہ رشید کشمیری

عین شین قاف بظاہر تین حرف کا مجموعہ بہت ماورائی طاقت رکھتا ہے .. جس کو نہ کبھی ہم نے محسوس کیا... نہ ہی اپنے اندر سمویا. دور حاضر میں چلتی ہوئی گرم سرد ہواں نے اس تین حرفی لفظ کا کوئی اصل حقیقی اور پائدار تاثر باقی نہ چھوڑا..

اک زمانہ تھا کہ عشق ہوا کرتا تھا وہ عشق جس نے آدم کو اپنی خطا پر کئی برس اشک بہاتے سجدے ریز ہوتے دیکھا....... وہ عشق جس نے نوح کے بیٹے کو طوفان میں بہتے دیکھا...... وہ عشق جس نے یعقوب کی بینائی چھین لی... وہ عشق جس نے آگ میں کودتے دیکھا... وہ عشق جس نے زبان جلواتے دیکھا...... وہ عشق جس نے غلام کو بادشاہ بنتے دیکھا... وہ عشق جو طور پر لے گیا... وہ عشق جس نے نومولود بچے کو پانی پر بہاتے دیکھا... . وہ جس نے آرے سے چیرتے ہوئے دیکھا... وہ عشق جس نے اونٹ کے ساتھ بندھوا کر نازک جان کو دو حصوں میں کرواتے دیکھا .... وہ عشق جو تپتی دھوپ صحرا میں احد احد کرتے دیکھا ...... وہ عشق جو غار میں رفیق بنا...... وہ عشق جس نے قتل گاہ کو فرش گل بنتے دیکھا..... وہ عشق جس نے تین سو تیراں کو ہزاروں کے مد مقابل لا کھڑا کیا......... وہ عشق جس نے خون میں جوتے ڈبوتے دیکھا ...... وہ عشق جو بیں دیوار بھی لبیک لبیک کہتا رہا...... وہ عشق جس کو کو اندیشہ زوال نہ ہو.. وہ عشق جس نے سجدوں کو طویل کر دیا.. وہ عشق جس نے راتوں کو صغیر کر دیا ..... وہ عشق جس کا مقصد حیات ہوئی ہے...... وہ عشق جس نے خبر سجدوں میں دھڑ سے جدا کروا دیئے ..... اوراج کا عشق ...... کہاں کا عشق!.؟ کیسا عشق !.؟ سجدہ برائے ڈیوٹی... سجدہ برائے اک ٹکر..... سجدہ برائے حصول خواہشات.... سجدہ برائے ضرورت.... سجدہ برائے دکھاوا .... سجدہ برائے سجدہ...... اہ ..... یہ عشق!!...

ایسا عشق جو سات اٹھ سال کا بچہ کہتا ہے .. میرا پہلا ناکام عشق .... خاک عشق...

عشق حقیقی تک رسائی ... عشق الہی کا حصول ..... ایک سو چودہ سورتوں میں نمایاں ہے .. جو عقل و قلب میں جانے کیوں نہیں سماتا....

اخر میں کہوں گی... عشق توفیق ہے گناہ نہیں...

بہت کٹھن مرحلہ ہوتا ہے جب اذیت اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ محبت نفرت میں بدلنے لگتی ہے یہ مرحلہ تبھی آن وارد ہوتا ہے جب کردار داغ دار ہوتا ہے میں میر و شاہ آج اسی مرحلے میں قید ہوگئی۔۔سکندر شاہ جسے پیار سے ہم سکندرے کہتے تھے اس سے مجھے محبت ہے؟ نہیں شاید تبھی اب نہیں ہے مگر پتہ نہیں کیوں بے بے جب اسے بددعا دیتی ہے تو دل کانپتا ہے اور زبان کہتی ہے اللہ نہ کرے یہ بددعا اسے کبھی لگے جب سکندرے کے گھر جاتی تھی بے بے کتنا سمجھاتی تھی میرا مامے گھر اتنا نا جایا کر سکندرے کوئی چنگا منڈا نہیں ہے، ہے تو میرے بھرا کا بیٹا پر سنا ہے کسی شہری کڑی) لڑکی (کو چھیڑا تھا تو بھرا) بھائی (نے بڑی چھتر بل کی ہے حق باہ اکو اک میرے بھرا دا منڈا تے او وی نکما) میرے بھائی کا ایک ہی بیٹا اور وہ بھی نکما ہے (مگر ساحر جب سحر پھونکتا ہے تو زمانے کی ہر بات جھوٹی لگتی ہے مجھے بھی بے بے کی ساری باتیں بھول گئیں اور سکندرے کو دل دے بیٹھی جب کبھی بے بے کی بات یاد آتی تو دل کہتا میرا سکندر تو بڑا معصوم ہے یہ شہری کڑیاں ہی ڈورے ڈالتی ہوں گی بھلا!

سکندر ایسا کیسے ہو سکتا ہے وہ تو بڑی عزت اور محبت کرنے والا ہے میرا دل چاہتا وہ باتیں کرتا جائے اور میں سنتی جاؤں بے بے کو مامے کے گھر بار بار جانا کھٹکنے لگا اور کہنے لگی میرو روز روز مامے گھر جانا چھوڑ دے بڑا نقصان اٹھائے گی مگر میں نے بے بے کی کسی نصیحت کو نا سنا اور دل میں یہ خیال بھی تو تھا کہ میرے مامے کا پتر کیے میرے ساتھ دھوکہ کیوں کرے گا اماں بھی ہاتھ دھو کے سکندرے کے پیچھے پڑ گئی ہے بھلا پورے پنڈ کی سب سے حسین اور ہر فن مولا لڑکی کو اپنانا تو ہر بندہ اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہے، میں بھی رنگین تتلی کی مانند سکندرے کو پھول سمجھ کر منڈلاتی تھی اور اس نے مجھے ہی مسل دیا بے بے کو جب علم ہوا تب سے وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے اور سکندر کو جھولیاں بھر بھر بددعائیں دیتی ہے، اپنے لاڈلے بھرا سے منہ موڑ بیٹھی ہے اولاد بھی والدین پہ کتنا ظلم کرتی ہے، کاش میں نے بے بے کی کوئی بات سن لی ہوتی تو آج میرے گرد میل نہ ہوتی ایسی میل جو بار بار دھونے سے بھی صاف نہیں ہوتی، اب مجھے اس میل کے ساتھ اور بے بے کی نفرت کے ساتھ زندگی بسر کرنی ہے۔

نیا سال محبت کا امین

2017

از قلم...... انمول عائشہ صدیقی

گڈ مارنگ میم نور کے آفس میں آتے کہ ساتھ ہی سب ورکرز آلرٹ ہو جاتے تھے کیونکہ وہ تھی ہی کافی ڈسپلین والی لڑکی گڈ مانگ ایوری ڈن وہ سرسری سا کہتی اپنے مخصوص روم میں آ کر بیٹھی اور فائلز چیک کرنے لگی May i coming mam اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھے بنا ہی yeas کہہ دیا مسٹر وارث آپ نے آج میری meeting کی ٹائمنگ مجھ سے بنا پوچھے فکس کر دی ہیں؟ اس نے فائل میں مرکوز نظروں کو اٹھاتے ہوئے کہا ہی تھا کہ سامنے بیٹھے شخص کا آنا اسے بیزار کر گیا۔۔۔تم یہاں؟ تمہاری اتنی ہمت نور کو جیسے کسی سانپ سے بھی زیادہ زہریلی چیز اس شخص میں نظر آتی تھی اجی آپکا غلام ہو خادم ہوں آپ کا تو آپکے ساتھ ہی رہونگا نا وہ صدا کا ڈھیٹ تھا اور جانتا تھا کہ وہ کس غرض میں آیا ہوگا دیکھو عامر میں تمہارے منہ لگنا نا تو پسند کرتی ہوں اور نا ہی مجھے شوق ہے تم جیسے غنڈوں سے بات چیت کرنے کا اگر اپنی عزت میرے آفس میں بنائے رکھنا چاہتے ہو تو اپنی منحوس شکل کو میرے سامنے سے دفع کرو ورنہ مجھ جیسی سر پھری لڑکی سے کوئی بعید نہیں کہ گارڈز کو بلا کر دھکے مار کر تمہیں یہاں سے دفع کر دوں نور کی ماتھے کی رگیں اتنی تن گئیں تھیں کہ جیسے باہر ہی آ جائنگی عامر جیسے اسکی اس درجہ زلالت کو بھی انجوائے کر رہا تھا بہت ادب سے کہتا کھڑا ہو گیا مائے سویٹ کزن نور صدیقی تمہارے ماموں کا بیٹا ہوں میں تمہارا گیٹ کیپر نہیں جو تم مجھے کچھ بھی کہو اور میں یس میم کرتا رہوں گا اور آئندہ اس لہجے میں عامر حیات سے بات کرنے کا بہت بڑا جرمانہ بھرنا پڑیگا تمہیں آگاہ کر رہا ہوں وہ غصے سے کہتا کھڑا ہو گیا اور دوسری بات یہ ہے کہ تم اپنا کیس واپس لے لو ورنہ مجھے مجبوراً تمہیں دوسری زبان میں سمجھانا ہوگا وہ کہتا ہوا چلا گیا اور نور کہ جیسے آج ضبط کے تمام بندھ کھلنے کو در پہ تھے وہ فوراً آفس سے جانے کیلیئے اپنا بیگ اٹھانے لگی اتنے میں وارث اسکے سب سے وفادار ایمپلوائے آ گئے میم آپ جا رہی ہیں آپ کی meeting ہے آج مسٹر شاہ نواز سے میں ان سے کل ملاقات کر لوں گی مگر اب میں نہیں رک سکتی یہاں وارث انکل اسکے ڈیڈ کے وفادار اور بہت قریبی دوست تھے انکو اپنے بچپن ہی سے اپنے آفس میں دیکھتی آ رہی تھی بزنس ورک میں وہ انہیں مسٹر وارث اور ویسے انکل کہتی تھی اور وہ بھی اسے آفس روٹین میں میم اور ویسے بیٹا کہتے تھے بیٹا کیوں پریشان ہو وہ تمہیں ڈسٹرب دیکھ کر خوش ہوتا ہے چھوڑ

دواسے اسکے حال پر نہیں انکل اب اسکو چھوڑنا نہیں ہے اتنا آگے وہ آیا ہی اسلیئیے ہے کہ اب تک میں نے اسے ممی کا بھتیجا سمجھ کر چھوڑ لی آئی ہوں وہ اپنا غصہ برداشت کرتی آفس سے نکل گئی تھی اور اب وہ سیدھا مسٹر عمر کے آفس جارہی تھی جو اسکے وکیل تھے اس کیس میں۔۔۔۔ مسٹر عمر جیسے اسی کہ منتظر تھے وہ انکے پاس آئی تو وہ اپنے روم میں آنے کا کہہ کر وہیں فون پر بات کررہے تھے کسی سے نور خاموشی سے چلتی انکے کمرے میں آگئی پانچ منٹ بعد عمر اسکے سامنے تھے وہ آج پھر آیا تھا عمر اس نے میرا بچا کچا سکون غارت کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے آپ پلیز کوئی حل جلد از جلد نکالیں عمر سے اب وہ تکلفانا بات نہیں کرتی تھی کیونکہ ان چھ مہینوں میں وہ اسکی پسندیدگی اور اپنی محبت جان تو گئی تھی مگر نا کہہ پائی تھی اور نا ہی ایسا موقع مل پایا تھا یار ریلیکس رہو نور کافی پیو تم اور غصہ نہیں کرو اب وہ بہت جلد اپنے انجام کو پہنچ جائیگا عامر نور کے اکلوتے ماموں کا اکلوتا بیٹا تھا نور کی امی نے جب سے ہوش سنبھالا تو اپنے اکلوتے بھائی کی بھرپور محبت کا حقدار پایا تھا مگر جس دن سے ماموں نے بھاگ کر من پسند شادی کرلی تھی اسی دن سے یہ کہانی چل رہی تھی نور کی نانی اپنے چہیتے لخت جگر کی اس حرکت پر اتنی دل برداشتہ ہوگئیں کہ وہیں دل کے دورے میں خالق حقیقی سے جا ملیں۔

نور کی ممی اپنی ماں کی ایسی موت پر نیم مدہوش سی ہوگئیں اور نانا نے غصہ میں تمام جائداد نور کی والدہ کے نام کردی تھی مگر جب یہ خبر نور کی ماں یعنی فردوس بیگم کو پتہ چلی تو وہ اپنے والد کو سمجھانے لگیں کہ جیسے بھی ہیں حیات انکے وارث ہیں مگر نانا کو نانی کی موت نے بہت پتھر دل بنادیا تھا بات یہاں پر ہی ختم نہیں ہوتی نور کے ماما یعنی حیات صاحب کو بھی کوئی اعتراض نا تھا کیونکہ انکی خود کی کمائی بھی کم نا تھی مگر یہ بات حیات صاحب کی بیوی کو منظور نا تھی

شمشاد بیگم نے جب دیکھا کہ انکے میاں کو کوئی فرق نہیں پڑتا جائیداد کے نا ملنے سے تو انہوں نے اپنے لاڈلے بیٹے عامر کو مہرا بنالیا اور اسکے دل ودماغ میں پتہ نہیں کتنی بغض بھردی کہ ایک بار وہ اپنے دادا کہ گھر اپنے باپ کا حصہ مانگنے جا پہنچا دادا نے صاف انکار کردیا تو اس نے آدیکھا نا تا دو گولیاں اپنے باپ کے بھی باپ کے پاں پر مارتا بھاگ گیا جسکی وجہ سے اب تک نور کے نانا ایک پاں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور حیات ماموں کو پتہ چلا تو انہوں نے بھی اپنے گھر سے بے دخل کردیا مگر شمشاد بیگم نے رو رو کر رائے کیئے کہ ماما کو عامر کو دوبارہ اپنے گھر لانا ہی پڑا اور اب جب نور کہ والد نے اپنی تمام جمع پونجی اور فردوس نے اپنا سب اس بزنس پر لگا دیا تو شمشاد بیگم نے پھر اپنے سپوت کو ان پر ایک عذاب کی صورت چھوڑ دیا کہ وہ تمام بزنس اسکے باپ کا ہے نور کی ممی اور ڈیڈی کو خود نور نے کینیڈا بھیج دیا اپنے چچا کہ پاس کیونکہ وہ جانتی تھی کہ عامر جیسا جاہل بندہ سب سے پہلے ان کو ہی نقصان پہنچائیگا اسے اپنی زات کی اتنی فکر نا تھی کیونکہ وہ ہی تمام جائداد کی وارث تھی اور اسے مار کر عامر کو پھوٹی کوڑی نا ملتی وہ یہ جانتی تھی جبھی اپنے نانا کہ ساتھ سخت سیکیورٹی میں رہتی تھی مگر تب وہ عامر نامی ٹینشن سے آزاد ہوکر عام لڑکیوں کی طرح جینا چاہتی تھی بے فکری سے خوش رہنا چاہتی تھی جبھی اس نے عامر پر کیس کردیا تھا جائداد پر ناحق قبضہ کرنے کی کوشش کا کیس تم بس بہت جلد اپنے کزن کو جیل کی سلاخوں کہ پیچھے دیکھو گی عمر

اسے مطمئن کر رہا تھا اور اس دن تم جو مانگو گے میں وہ دونگی نور جیسے اسکے جیل جانے پر دل سے خوش لگ رہی تھی سوچ لو مانگو میں لونگا مگر تم دے سکوگی عمر کے لفظوں میں کچھ تھا کچھ ایسا جو نور کے دل کو اچھا سا لگا ہاں بلکل دونگی مانگ کر دیکھ لو نور کے منہ سے بے ساختہ نکلا تو بس پھر ٹھیک ہے تیار رہنا دینے کیلئے میں تیار ہوں چلو میں چلتی ہوں نانا جان انتظار کر رہے ہوں گے وہ یہ کہتی اسکے آفس سے نکل گئی گھر آئی تو نانا جان وئیل چیئر پر بیٹھے کاموز کر سے خوش گپیوں میں مصروف تھے نور کو حیرت ہوئی کیونکہ نانا جان اب بے حد سنجیدہ رہتے تھے مگر آج نہیں تھے نور کو اچھا لگا وہ سلام کرتی انکے پاس ہی بیٹھ گئی کیا بات ہے نانا جان آج تو آپ بہت خوش باش لگ رہے ہیں خیریت؟ ہاں بیٹا آج میری بیٹی اور تمہاری ماں آرہی ہے کینیڈا سے کیا؟ نور کو حیرت کا جھٹکا ہی تو لگا مگر نانا جان آپ جانتے ہیں نا عامر ممی ہی کو نشانہ بنائیگا آپ انکو کیسے آنے کا کہہ سکتے ہیں نور کو جیسے نانا جان اور ممی ایک دم عمر بچے جیسے لگے تھے ارے نانا کی جان ایسا کچھ نہیں کر سکتا وہ خبیث اب جیل میں ہے اور تمہارے وکیل عمر بیٹے نے ہی اسے پھنسایا ہے وہ اسی کے گھر میں ڈکیتی کی نیت سے گھسا تھا آج اور وہاں پہلے سے تمام انتظام تھے خود پولیس والے تک موجود تھے اور وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے اب اور اب عمر کیس کو خود آگے لیکر جائیگا اور تمہارے سلسلے میں عمر کی ماں نے تمہاری ماں سے بھی رابطہ کیا ہے اسی وجہ سے وہ آرہی ہے نور کو تو جیسے نئے سال کا انعام مل رہا تھا عمر کی صورت میں وہ خاموش مگر خوش سی اپنے کمرے کی سمت دوڑی اتنے میں عمر کا میسج آ گیا کیا میں تم سے تم کو مانگ سکتا ہوں نور؟؟ نور نے اپنے دل کی دھڑکن کو بھرپور دھڑکتا محسوس کیا اور بس اتنا ہی لکھا اپنی چیز کو مانگا نہیں حاصل کیا جاتا ہے اور وہ دل سے مسکراتی ممی کے آنے عامر کے جیل جانے اور عمر کے ہو جانے کی خوشی میں تیار ہونے لگی۔۔۔ اسکی زندگی تب بلکل مکمل تھی محبت کی طرح۔

☆......☆......☆......☆

عنوان : دعوی

تم سب جو کہتے ہو
دعوی عشق محمد جو کرتے ہو
سنو لوگو
پھر اتنی نفرتیں
کس لئے ہیں؟
تم نے محبتیں ساری
کس جا چھپائی ہیں؟
بہروپ بدلنا
کب سیکھا تم نے؟
کس سے سیکھا تم نے؟
یہ جو تم دلیلیں گھڑتے ہو
تہذیب یہود کا
روپ چڑھایا تیرے لوگوں نے
سنو غلطی تمہاری اپنی ہے
کتاب الہی ہر راہ بتاتی ہے
سنت رہنمائی فرماتی ہے

از قلم: فاطمہ عبدالخالق

افسانہ

خواب، خواہشیں، زندگی

از قلم ... ثمینہ طاہر بٹ

"شہروز صاحب!! آپ نے کبھی کنول کا پھول دیکھا ہے۔؟" میں، جو اس حسینہ کے جلوؤں اور اداؤں میں کھویا ہوا، حال سے بے حال ہوا جا رہا تھا، اس کے لرزتے، کانپتے، ٹوٹے کانچ جیسے لہجے میں کیئے گئے سوال پر چونک کر اس طرف دیکھنے پر مجبور ہوگیا۔ "کنول کا پھول؟ تم کہنا کیا چاہتی ہو۔؟ میں کچھ سمجھا نہیں۔ تم کھل کر کہو جو کہنا چاہ رہی ہو ہاں شہروز صاحب!! کنول کا پھول۔ اپنی تمام تر خوبصورتی اور پاکیزگی کے باوجود اس کا نصیب کیچڑ کی دلدل میں کھلنا ہی لکھا ہوتا ہے۔؟ کیچڑ کی دلدل، گندے پانیوں کے جوہڑ ہی کنول کا نصیب کیوں ہوتے ہیں شہروز صاحب۔؟ پھول تو پھول ہی ہوتا ہے شہروز صاحب، کنول کا ہو یا گلاب کا۔ سب کو ایک جیسا ماحول کیوں میسر نہیں آ سکتا شہروز صاحب۔؟" اس کی بڑی بڑی جھیل جیسی گہری آنکھوں میں اس قدر اداسی اور یاسیت بھری تھی کہ میری روح کانپ کر رہ گئی۔ میرے حواسوں پر چھایا نشہ یکلخت ہی ہرن ہوگیا اور میں بس ایک ٹک اسے دیکھتا ہی چلا گیا۔ ------------

میرا نام شہروز حیدر آفندی ہے۔ میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہوں اور اس لیئے بہت لاڈلا بھی ہوں۔ میرے والد جج کے اعلیٰ عہدے پر فائز تھے اور امی ویمنز کالج کی وائس پرنسپل اور اسسٹنٹ لیکچرار۔ اسی لیئے ہمارے گھر کا ماحول ہمیشہ ہی بڑا نستعلیق رہا تھا۔ امی اور ڈیڈی میں بلا کی انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ وہ ایک دوسرے کے دل کی بات بنا کہے ہی سمجھ جایا کرتے تھے اور ان کی اسی ذہنی ہم آہنگی نے میری تربیت کو اس قدر متوازن اور اعلیٰ پائے کا بنا دیا تھا کہ ہمارے سارے سرکل میں مجھے ایک آئیڈیل شخصیت کے طور پر جانا جاتا تھا۔ شائد یہ اکلوتا ہونے کی وجہ تھی یا پھر واقعی میرے اندر قائدانہ صلاحیتیں موجود تھیں کہ میں جوں جوں بڑا ہوتا جا رہا تھا، ہر محفل کی جان بنتا جا رہا تھا۔ خاندان کے علاوہ اسکول اور کالج کے بعد یونیورسٹی تک آتے آتے میری مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا گراف بڑھتا ہی چلا گیا۔ بلکہ یونیورسٹی تک آتے آتے تو میری شخصیت کا سحر اس قدر بڑھ چکا تھا کہ میری رائے اور شمولیت کے بغیر کوئی ایونٹ، کوئی فنکشن کامیاب ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ پوری یونی میں میرے ہی نام کا طوطی بول رہا تھا۔ میں اپنی مقبولیت کو خوب انجوائے کر رہا تھا کہ اچانک ایک دن "وہ" میری زندگی میں آ گئی۔ اور پھر اس نے آتے ہی ایک ایک کر کے مجھ سے میرے

ہمارے عہدے، ساری نشتیں کچھ اس طریقے سے چھین لیں کہ میں بس کھڑا اس کا منہ ہی دیکھتا رہ گیا۔

میں ان دنوں ایم بی اے کے فائینل انیر میں تھا۔ ہمارے اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کی ڈین سر اکرام اللہ بخاری کا ٹرانسفر سندھ یونیورسٹی میں ہوگیا۔ ہم نے ان کے اعزاز میں ایک پارٹی رکھی۔ میرے ساتھ ساتھ سب کو پورا پورا یقین تھا کہ میرے زیر نگرانی انجام پانے والی یہ فیرویل پارٹی بھی اپنے انتظامات کی وجہ سے سپرہٹ جائے گی۔ پارٹی والے دن میں صبح ہی صبح یونی پہنچ گیا۔ اور میرے ساتھ ساتھ میرے تمام دوست بھی موجود تھے۔ ہم نے یہ پارٹی آڈیٹوریم ہال میں رکھنے کی بجائے اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کے ہرے بھرے لان میں رکھی تھی۔ وہ سردیوں کے خوبصورت دن تھے۔ پورے لان پر سردیوں کی نرم گرم دھوپ نے اپنے سنہری پنکھ پھیلا رکھے تھے۔ سر اکرام اللہ بخاری ہماری یونی کے ہردلعزیز اساتذہ میں سے ایک تھے۔ ان کے آفس کے دروازے ہر اسٹوڈنٹ کے لیئے ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ وہ اس قدر مشفق انسان تھے ان کے پاس اپنا بڑے سے بڑا مسئلہ بھی لے جاتے ہوئے بھی کسی کو کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اور پھر وہ بھی اپنی ازلی محبت اور خلوص کے ساتھ وہ سارے مسائل حل کرتے سبھی دل سے انکی عزت کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ میں اس فیئر ویل پارٹی کو ان کے شایان شان دیکھنا چاہتا تھا۔ میرے زرخیز دماغ میں اس فنکشن کی کامیابی کے حوالے سے جو جو بھی آئیڈیاز آئے میں نے اپنے ساتھیوں سے ڈسکس کیئے تھے۔ اور ہمیشہ کی طرح ہی میرے وہ تمام آئیڈیاز ہی انہیں اس قدر پسند آئے کہ بغیر کسی تامل کے سب نے نہ صرف مان لیئے بلکہ ان پر عمل بھی کر ڈالا تھا۔ سر اکرام اللہ کے اعزاز میں ہمارے ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے ظہرانہ دیا جا رہا تھا۔ ان کی طویل علمی خدمات کے اعتراف میں ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے علاوہ، تقریباً پورے یونی اسٹاف کی طرف سے بھی انہیں خراج تحسین پیش کیا جا رہا تھا۔ لان کے مرکزی حصے میں ہم نے اسٹیج بنایا تھا، جس پر پرنسپل صاحب کے ساتھ سر اکرام اللہ جلوہ افروز تھے۔ اسٹیج کے ایک طرف رکھے گئے روسٹرم پر ان کے رفقاء کے علاوہ ہم جیسے ان کے مداح، انکے طلبہ بھی باری باری آتے اور سر کی شان میں قصیدے پڑھتے ہوئے انہیں خراج تحسین کے ڈونگرے برساتے چلے جا رہے تھے۔ کافی دیر تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ پھر اس کے بعد سر اکرام اللہ نے اپنے جذبات کا اظہار کیا، سر کو سبکی طرف سے تحائف دیئے گیئے۔ پھر اس کے بعد کھانے کا دور چلا۔ میں اس تقریب کا منتظم اعلیٰ اور روح رواں تھا، اس لیئے ہمیشہ کی طرح اس پروگرام کی ممکنہ کامیابی کی خوشی کو دل سے محسوس کر رہا تھا۔ اور پھر میرے اندازوں کے عین مطابق جلد ہی مجھے رزلٹ بھی مل گیا۔ سر اکرام اور پرنسپل صاحب نے بطور خاص مجھے اپنے پاس بلا کر شاباش دی تھی۔ میرے ساتھیوں اور دوسرے کلاس فیلوز نے بھی میری انتھک محنت کو سراہا تو میرا سیروں خون بڑھ گیا۔ اس پر میرے بچپن کے دوست امجد نے حسب معمول تعریفیں کر کر کے میرا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچا دیا۔ میں اس وقت خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہا تھا کہ اچانک اس پھولے ہوئے غبارے سے ہوا نکل گئی اور میں دھڑام سے زمین پر آن گرا۔

میں اور امجد ہر طرف کا راؤنڈ لگا چکے تھے۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا رہا تھا، اسی لیئے ہم بے فکر ہو کر ایک طرف کھڑے ہو گیئے ہمارے بلکل پیچھے سرو کے اچھے خاصے گھنے درخت تھے، اور ان درختوں کے پیچھے سے ہی ایک جھنجھلائی نسوانی آواز ابھری تھی جس نے مجھے چاروں خانے چت کر دیا تھا۔ -----------------------

"اف!! توبہ ہے سبرینہ۔ اب بس بھی کر دو اور نکلو یہاں سے۔ میرے تو سر میں درد ہونے لگا ہے اس بے ہنگم شور سے۔ اونہہ تم تو کہہ رہی تھیں کہ بہت اچھا پروگرام ہوگا اور بہت مزہ آئے گا، مجھے تو خاک بھی مزہ نہیں آیا۔ الٹا میرا تو سارا دن ہی ضائع ہو گیا تمہارے اس "شو" کے چکر میں۔"

"اوہو۔ کیا ہو گیا ہے یار۔ تم اتنی بیزار کیوں ہو رہی ہو۔؟ بس، تھوڑی دیر اور ناں، پھر چلتے ہیں۔ میں سر بخاری سے آٹوگراف تو لے لوں۔۔۔۔!" ابھی ہم پہلی آواز کے جھٹکے سے ہی نہیں سنبھلے تھے کہ دوسری قدرے جانی پہچانی آواز نے ہمیں چونکا دیا۔

"کیا۔؟! ابھی تھوڑی دیر اور۔؟ نہیں، بالکل بھی نہیں۔ اب مجھ میں ذرا بھی ہمت نہیں بچی اس سیاسی جلسے جلوس والی بیہودہ ارتجمنٹ میں بیٹھ کر بونگوں کی طرح سب کے منہ دیکھنے کی۔ بس، تم چلو یہاں سے۔ اور رہی سر سے آٹوگراف لینے کی بات تو تم اپنی آٹوگراف بک اپنے ڈیپارٹمنٹ کے اس "سپر ہیرو" کو دے دو ناں، جسکی شان میں قصیدے پڑھتے تم سمیت تمہارے پورے ڈیپارٹمنٹ کی زبان نہیں سوکھتی۔ ہونہہ!! جسے دیکھو، "شہروز یہ، شہروز وہ"۔ اور شہروز صاحب نکلے کیا۔؟ حسن جمال سے عاری اور بالکل کورے بندے۔ اونہہ!! تم بس چلو یہاں سے۔ میرا اب دم گھٹنے لگا ہے یہاں۔" اس انجان لڑکی کے منہ سے نکلنے والے الفاظ نے میرا وجود ایک دھماکے سے اڑا کر رکھ دیا تھا۔ میں بے اختیار اس کی طرف بڑھا تھا، مگر امجد نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے روک لیا۔ اور اشارے سے کچھ بھی کہنے سے منع کر دیا۔ میں شدید بے بسی کے عالم میں اپنی جگہ کلس کر رہ گیا۔ وہ دونوں لڑکیاں تو جانے کب کی وہاں سے جا چکی تھیں، مگر جاتے جاتے میرا سکون اور اطمینان بھی اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔

امجد میرا پکا اور سچا دوست تھا۔ وہ میری دلی کیفیت اچھی طرح سے سمجھ رہا تھا، اسی لیئے اس نے مجھے چھیڑا نہیں اور خود ہی ایک تنہا گوشہ دیکھ کر مجھے وہاں بٹھا، خود باقی کے امور نپٹانے چلا گیا۔ پھر میں بھی زیادہ دیر وہاں رک نہ سکا، اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ واپس گھر چلا آیا۔ اس وقت شام ہو رہی تھی اور امی ڈیڈی حسب معمول لان میں بیٹھے شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ مجھے اس وقت اور اس طرح اچانک اپنے سامنے دیکھ کر وہ دونوں ہی حیران رہ گیئے۔ کیونکہ یہ پہلی بار ہوا تھا کہ میں اپنا کوئی پروگرام، کوئی فنکشن اس طرح ادھورا چھوڑ کر آ گیا تھا۔ اور وہ بھی اس قدر اجڑی بکھری حالت میں۔ امی تو مجھے دیکھ کر دہل ہی گئیں۔ پریشان تو ڈیڈی بھی بہت ہو گیئے تھے، مگر انہوں نے خود پر ضبط کا پہرہ بٹھا لیا اور خاموش نگاہوں سے میرا جائزہ لینے لگے۔ میں دور سے ہی انہیں سلام کرتا، ان سے نگاہیں چراتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اور وہ دونوں بس مجھے دیکھتے ہی رہ گیئے ----------------

"جگر!! اٹھ، چل تیار ہو جا جلدی سے۔ پتا چل گیا ہے اس مغرور حسینہ کا، جس نے ہمارے شہزادے کا دل

دکھانے کا جرم کیا ہے۔ چل اٹھ، چل کر ذرا اس سے اپنا حساب تو چکتا کریں۔۔!!'' میں تکیوں میں منہ دیئے پڑا تھا کہ میرے کمرے کا دروازہ ایک دھماکے سے کھولتے ہوئے اسجد نے دبنگ انداز میں اینٹری دیتے ہوئے پر جوش انداز سے کہتے ہوئے اس نے میرے اوپر سے کمبل کھینچ کر دور پھینک دیا۔ میں ظاہر ہے کہ اس افتاد کے لیئے بالکل بھی تیار نہیں تھا اس لیئے گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

''او یار۔!! ذرا چھری تلے دم تو لو۔ اور تم کیا کہہ رہے ہو، ذرا سمجھ تو آنے دو مجھے پہلے۔!! ''

''اب چھری تلے دم نہیں لینا۔ اب ان کے جگر پر چھریاں چلانے کی باری ہماری ہے۔ تم اٹھو۔ ابھی اٹھو اور چلو میرے ساتھ۔'' اور پھر میرے لاکھ نہ نہ کے باوجود وہ مجھے تیار کروا کے یونی لے ہی گیا۔ اور اس دن میری سمجھ میں آیا کہ اس پری وش کو میرا کام اگر پسند نہیں آیا تھا تو بالکل ٹھیک ہی تھا۔ وہ اہم ہاسکی تھی۔ سبرینہ، جو ہمارے ہی ڈپارٹمنٹ کی تھی، پری وش گل اس کی بیسٹ فرینڈ تھی۔ اور فائن آرٹ ڈپارٹمنٹ کی ذہین ترین اسٹوڈنٹس تھی۔ وہ سبرینہ کے اصرار پر ہی اس روز سر اکرام کی الوداعی پارٹی میں شریک ہوئی تھی۔ میں بڑے خراب موڈ میں اسجد کے ہمراہ ان دونوں سے ''پوچھ پچھ'' کرنے گیا تھا۔ مگر جیسے ہی اس نے نگاہ اٹھا کر میری طرف دیکھا، میں سب کچھ بھول گیا۔ وہ تھی ہی اس قدر حسین کہ اس پر نگاہ ٹھہر ہی نہیں سکتی تھی۔ اور اس پر اس کا سنجیدہ اور پروقار انداز کہ دل خود بخود ہی اس کی تکریم میں جھک جھک جائے۔ وہ ہلکے گلابی اور آسمانی کنٹراس کے لباس میں ملبوس تھی۔ اسکا گلابی اور آسمانی دوپٹہ بڑے قرینے سے اسکے صبیح چہرے کے گرد ہالے کی صورت لپٹا اسکے تقدس میں اضافہ کر رہا تھا۔ اب یہ اسکا رعب حسن تھا یا سادگی کہ میں اسے ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکا بس چپ چاپ خاموشی سے اسے دیکھے چلا گیا۔

''سبرینہ۔!! مجھے افسوس ہے کہ آپکو اور آپکی دوست کو اس دن پارٹی میں مزہ نہیں آیا۔ ہماری وجہ سے آپکا ٹائم بھی ویسٹ ہوا اور آپ دونوں کو بوریت بھی اٹھانا پڑی۔ میں اس کے لیئے بہت شرمندہ ہوں اور آپ سے دلی معذرت چاہتا ہوں۔'' میرے منہ سے نکلنے والے ان الفاظ نے جہاں ان دونوں کو چونکایا تھا، وہیں اسجد بھی حیرت سے مجھے گھورنے لگا تھا۔ مگر میں جانے کیوں شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں دھنستا چلا جا رہا تھا۔ اور اپنی اس حالت کی تو خود مجھے بھی سمجھ نہیں آرہی تھی تو دوسروں کو بھلا کیا سمجھاتا۔

''ارے نہیں شہروز۔!! یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔؟ آپ جیسا سمجھ رہے ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ تو اس دن پری کی واقعی طبیعت بہت خراب تھی، اسی لیئے یہ جانے کیا اناپ شناپ بول گئی ورنہ سچ کہہ رہی ہوں، فنکشن اتنا بھی برا نہیں تھا جس قدر یہ واویلا مچا رہی تھی۔'' اب میری ظاہری حالت ایسی ہو رہی تھی یا واقعی میری شرمندگی سبرینہ کو بھی اس قدر شرمندہ کر گئی تھی کہ وہ بے ساختہ مجھے تسلی دینے والے انداز میں بولتی چلی گئی یہ سوچے بنا کہ وہ بول کیا رہی ہے۔ سبرینہ کی بات سن کر ہم سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ میری اور پری کی نگاہیں ملیں، اور پھر ہم دونوں کی ایکساتھ ہی ہنسی چھوٹ گئی۔ وہ پہلے تو حیرت سے ہمیں ہنستا دیکھتی رہی، پھر ناسمجھی سے شانے اچکاتے ہوئے اسجد کو دیکھنے لگی۔ مگر اسے بھی ہماری طرح ہنستا دیکھ کر پہلے تو حیران

ہوئی اور پھر خود بھی ہمارے ساتھ ہنسنے لگی۔ اور پھر اس دن کے بعد سے ہم چاروں کے درمیان دوستی کا ایک رشتہ سا بن گیا جو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ مضبوط ہوتا چلا گیا۔

میرا اور اسجد کا جیسے ہی ایم بی اے مکمل ہوا، ہم دونوں عملی زندگی میں کود پڑے۔ میں نے ایک ملٹی نیشنل کمپنی جوائن کر لی اور اسجد نے اپنے ابو اور بھائی کے ساتھ فیملی بزنس جوائن کر لیا۔ پری اور سبرینہ کا لاسٹ سمسٹر چل رہا تھا، اس لیئے ہم دونوں ان سے ملنے کبھی کبھار یونی چلے جاتے۔ مگر میں چاہ کر بھی اپنے دل کی بات کبھی اسے بتا نہیں پایا تھا۔ یہ اسکا گریز تھا یا اس کے وجود پر چھایا وقار کہ میرے دل کی بات کبھی زبان پر آ ہی نہیں پائی تھی۔ مگر اسجد اور سبرینہ کی گاڑی پوری رفتار سے پیار کی پٹری پر دوڑ رہی تھی۔ اور پھر انکی گاڑی کو منزل مل ہی گئی۔ اسجد اور سبرینہ کے گھر والوں نے ان کے رشتے کو منطقی انجام تک پہنچا ہی دیا۔ ان کے ساتھ چٹ منگنی اور پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا تھا۔ ان دونوں کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے اور ظاہر ہے کہ ہم بھی ان کی خوشی میں دل سے خوش تھے۔

"ہاں بھئی برخوردار۔!! تمہارا دوست تو ٹھکانے لگا۔ اب تم بتاؤ، تمہارے کیا ارادے ہیں۔؟ ہے کوئی حسینہ نظر میں یا پھر یہ کارنامہ بھی ہمیں ہی انجام دینا پڑے گا۔؟" اسجد اور سبرینہ کی شادی کا کارڈ دیکھتے ہوئے ڈیڈی نے اپنے نرم گرم انداز میں میری کھنچائی کی تو میں جھینپ کر رہ گیا۔ پہلے تو میرا دل چاہا کہ جھٹ سے پری کا نام ان کے سامنے رکھ دوں، مگر پھر مجھے اسکا گریز اور اس گریز کی وجہ یاد آ گئی۔

"سوری شہروز۔!! جو آپ چاہتے ہیں وہ ہو نہیں سکتا۔ میں اپنے علاقے، اپنے قبیلے کی پہلی لڑکی تو نہیں جو اس یونیورسٹی تک پہنچی ہوں، مگر ہاں، میں وہ پہلی لڑکی بھی نہیں بننا چاہتی جو اپنے والدین کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا کر انکا اونچا شملہ جھکا دے۔ اپنے علاقے کے رسم و رواج کے خلاف جانے کی مجھ میں واقعی ہمت نہیں ہے شہروز۔ اس لیئے پلیز، اپنے بڑھتے قدموں کو یہیں روک لیں۔ میں اس سفر میں آپکا ساتھ نہیں دے سکتی۔!!" یہ پری کے وہ الفاظ تھے جنہوں نے میرے سارے منہ زور جذبوں پر جیسے بندھ باندھ دیئے تھے۔ ظاہر ہے، وہ میری محبت تھی، اور میں اپنی محبت کی رسوائی کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ اس لیئے میں خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا۔

"ارے نہیں ڈیڈی۔!! ایسی کوئی بات نہیں۔ مجھے کوئی لڑکی پسند نہیں، بلکہ میں نے کبھی کسی کو اس نظر سے دیکھا ہی نہیں۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو میں امی سے ضرور شیئر کرتا کہ اگلے مراحل تو بہر حال آپ دونوں کو ہی انجام دینے تھے۔" میں نے خود پر بمشکل کنٹرول کرتے ہوئے بظاہر مسکراتے ہوئے کہا تو امی میری "فرمانبرداری" پر نہال ہی ہو گئیں۔

"دیکھا۔!! میں نہیں کہتی تھی کہ ہمارا بیٹا ایسا نہیں ہے۔ وہ ضرور ہمارا مان رکھے گا اور اپنی زندگی کے سب سے بڑے فیصلے کا اختیار ہمیں ہی دے گا۔ آپ تو ایسے ہی اس کی طرف سے شکوک و شبہات کا شکار ہو رہے تھے۔" امی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے بیگم صاحبہ۔!! آپ حالات بھی تو دیکھیں ناں۔

آجکل تو ہر طرف بس ایک ہی ہوا چل رہی ہے۔ آجکل کے نوجوانوں کو بس اپنی پسند پر ہی بھروسہ ہے۔ وہ کسی اور کی پسند پر اعتبار کرنے کے لیئے تیار ہی نہیں تو پھر ایسے میں ہم جیسے بزرگوں کا مشکوک ہونا تو بنتا ہی ہے ناں۔!!'' ڈیڈی نے اپنی انوکھی منطق کا اظہار کچھ اس انداز سے کیا کہ امی انہیں گھور کر رہ گئیں اور میری بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی۔ ڈیڈی بھی میرے ساتھ قہقہے لگانے لگے۔ امی کچھ دیر تو خشمگیں سے جارحانہ انداز سے ہمیں گھورتی رہیں، اور پھر خود بھی ہمارے ساتھ ہماری ہنسی میں شامل ہو گئیں۔ اسجد اور سبرینہ کی شادی بہت دھوم دھام سے ہو رہی تھی۔ وہ اپنے والدین کا سب سے چھوٹا اور لاڈلا بیٹا تھا تو سبرینہ بھی دو بھائیوں کی اکلوتی لاڈلی بہن اور اپنے والدین کی اکیلی بیٹی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں گھرانے اپنے پورے ارمان نکالنے کے چکر میں تھے۔ میری اور پری کی تو ساری ہی فیملی انوائیٹڈ تھی، اور اسکے ساتھ ساتھ یونی کے کافی دوست بھی انوائیٹڈ تھے۔ اسجد اور سبرینہ کی شادی میں پری اور میں سب سے آگے آگے تھے اور یہ ہمارے حق میں بہت اچھا ہوا، کیونکہ پری امی کے دل کو بھا گئی تھی۔ امی جان نے باتوں باتوں میں پری کی امو جان سے انکا پورا شجرہ اگلوا لیا۔ اسجد کے شادی کے فنکشنز جیسے ہی ختم ہوئے امی اور ڈیڈی ایک خاص مشن پر روانہ ہو گئیے۔ مجھے انہوں نے ہر معاملے سے انجان رکھا تھا۔ شائد انکا ارادہ مجھے سرپرائیز دینے کا تھا۔ بہر حال ان کی کاروائیوں کا مجھے اس وقت علم ہوا، جب پری کے بابا جان اور امو جان اپنی پوری فیملی سمیت ہمارے گھر ڈنر پر آئے تھے۔ میں ان سب سے اسجد کی شادی میں مل چکا تھا، اور کچھ وہ پری کے والدین اور بھائی بھابھی تھے اس لیئے بھی مجھے ایک خاص قسم کی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

''ہاں تو شہروز میاں۔!! اب آگے کا کیا ارادہ ہے۔؟ اپنا بزنس اسٹارٹ کرو گے یا پھر کہیں جاب وغیرہ کا پروگرام ہے۔؟'' اسفند بھائی نے گرین ٹی کا سپ لیتے ہوئے اچانک مجھ سے سوال کیا تو میں ایکدم گڑبڑا سا گیا کیونکہ اس سے پہلے بات سیاست کی ہو رہی تھی اور میری دلچسپی سیاست میں نہ ہونے کے برابر تھی۔ میں تو اس گتھی کو سلجھانے میں ہلکان ہوا جا رہا تھا کہ پری ان سب کے ساتھ کیوں نہیں آئی۔ بھیا نے اچانک اپنی توپوں کا رخ میری طرف موڑ دیا جس کی وجہ سے میں ہونق بن کر رہ گیا۔ میری حالت دیکھ کر سب ہی ہنسنے لگے۔ اور میں خواہ مخواہ ہی شرمندہ ہو کر رہ گیا۔

''جی وہ۔!! اپنا بزنس تو ابھی اسٹارٹ نہیں کرونگی۔ ابھی تو اچھی جاب چل رہی ہے، ویسے بھی میں نے کچھ اور اچھی ملٹی نیشنل کمپنیز میں اپلائی کر رکھا ہے۔ امید ہے جلد ہی کہیں اچھی سی جاب مل جائے گی۔!!'' میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے قدرے انکساری سے کہا تو بابا جان تائیدی انداز میں سر ہلاتے مجھے سراہنے لگے۔

''بھئی اسفند بیٹا۔!! آپ ہمارے بیٹے کو انڈر اسٹیمیٹ مت کریں۔ یہ جو بھی سوچتے ہیں، کر گذرتے ہیں۔ اور جو بھی ٹھان لیں، پھر اس سے پیچھے نہیں ہٹتے، کر کے دکھاتے ہیں۔ بہت فوکسڈ اور کمپوزڈ پرسنالٹی ہے ہمارے بیٹے کی۔ ماشاللہ'' امی نے محبتوں سے چور انداز میں میری تعریف کی تو میں کھل کر مسکرا دیا اور قریب بیٹھی امی کے شانوں پر بازو پھیلا کر انہیں ساتھ لگالیا۔ یہ شائد ہم ماں بیٹے

کی محبت کا اثر تھا، یا پھر قسمت مجھ پر مہربان تھی کہ بابا جان نے اسی وقت مجھے سند قبولیت بخش دی۔ بس، پھر سب کچھ وہ بخود ہی طے ہوتا چلا گیا۔ اور پھر صرف دو ماہ کے اندر اندر پری میری زندگی میں محبتوں اور خوشبوؤں کے رنگ بھرنے ہمیشہ کے لیئے چلی آئی۔

پری نے ہمارے گھر کو واقعی جنت نظیر بنا ڈالا تھا۔ ڈیڈی کو گارڈننگ کا بے حد شوق تھا اور ان کے اس شوق کو پری نے مہمیز کیا تھا۔ وہ تو خود بھی پھولوں کی دیوانی تھی، اب ڈیڈی کے ساتھ ملکر اس نے گھر کے لان کو جنت کے ٹکڑے میں بدل دیا تھا۔ امی کو کوکنگ اور ڈیکوریشن کا شوق تھا، اور پری یہاں بھی ایک ایکسپرٹ کی طرح ان کے ساتھ ساتھ تھی۔ سو، لان کی طرح ہماری ڈائننگ ٹیبل پر بھی خوب رونق اور بہار نظر آتی تھی۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ پری کا ساتھ ملنے کے بعد مجھے دنیا میں ہی جنت کے نظارے آنے لگے تھے۔ راوی ہر طرف چین ہی چین لکھ رہا تھا، مگر ہر وقت کا سکھ چین بھی بندے کو راستے سے بھٹکا دیتا ہے شائد۔ اور اسی لیئے اللہ پاک نے اس دنیا میں جنت کا تصور ہی رکھا ہے۔ جن جن لوگوں نے دنیا میں اپنی جنت کی تعمیر کی، وہ اسی دھوکے میں الجھ کر رہ گیئے، اور ویسے بھی کہتے ہیں کہ کشش کسی بھی چیز کی صرف اس وقت تک ہی رہتی ہے، جب تک وہ ہماری دسترس میں نہیں آجاتی۔ دسترس میں آجانے کے بعد تو شائد وہ نور بھی اپنی اہمیت کھو بیٹھتا ہے۔ اور یہ سب کچھ تو میرے ساتھ بھی ہوا تھا۔

ہماری شادی کو دس سال بیت چکے تھے۔ ڈیڈی اور امی اب اپنی ریٹائیرڈ لائف گذار رہے تھے۔ پری کی کشش اب بھی ویسے کی ویسی ہی تھی۔ حالانکہ ہمارے دو بچے ہو چکے تھے۔ آٹھ سالہ بہروز اور پانچ سالہ مہروز۔ ان دونوں میں دادا دادی کی جان تھی۔ پری کے ساتھ ساتھ وہ دونوں بھی اسکی تربیت میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ میں ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں بہت اچھی جاب پر تھا اور اب تو ترقی کرتے کرتے "جی ایم" کے عہدے پر فائز ہو چکا تھا۔ میری جاب اور امی ڈیڈی کا سوشل سٹیٹس ایسا نہیں تھا کہ ہم گمنامی کی زندگی گذارتے۔ ہماری پرسنل لائف بہت سوشل اور ایکٹیو تھی۔ ہر ہفتے ہی ہم کہیں نہ کہیں مدعو ہوتے تھے۔ اور ہم بھی مہینے میں ایک دو پارٹیز تو ضرور ارینج کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ ان پارٹیز کو پری ہی مینج کرتی تھی۔ اور اسکی ارینج کی گئیں پارٹیز کو دیکھ کر مجھے اپنی ارینج کی گئیں پارٹیز یاد آجاتیں تو میں بے ساختہ خجالت سے مسکرا دیتا کہ ان پارٹیز پر واقعی کسی جلسے کا ہی گمان ہوتا تھا۔ وہ ہر بار ایک نیا اور اچھوتا آئیڈیا لاتی اور ہماری ہر پارٹی پہلی سے زیادہ کامیاب اور شاندار ٹھہرائی جاتی۔ لیکن ایک بات تھی کہ اس سارے ہنگامے اور اس قدر شدید مصروفیات کے باوجود بھی ہم لوگ ایک پل کے لیئے بھی ایک دوسرے سے غافل نہیں رہتے تھے۔ یہ ہمارا آپس کا پیار تھا یا پھر شائد ہماری کیمسٹری ہی ایک دوسرے سے کچھ اس طرح مل چکی تھی کہ ہم بنا کہے ہی ایکدوسرے کے دل کی بات جان جایا کرتے۔

میں نے کہا ناں کہ وقت کبھی ایک سا نہیں رہتا۔ اور میرا وقت بھی آہستہ آہستہ بدلنے لگا تھا۔ ہماری برانچ میں کچھ نئے ایمپلائز ٹرانسفر ہو کر آئے۔ وہ سب اچھے عہدوں پر تھے اور

ملک کے گوشے گوشے سے پرموٹ ہو کر آئے تھے۔ میں ان سب کی کیس ہسٹری دیکھ رہا تھا۔ میرے لیئے یہ جاننا بہت ضروری تھا کہ نیئے آنے والوں میں، کون کس کیٹگری کا ہے۔ یہ سب میرے آفس کے ماحول اور میرے کام کے لیئے بہت ضروری تھا۔ ان نیئے آنے والوں میں سب ہی پرموشن پا کر آئے تھے سوائے ایک بندے کے۔ اور اس ایک بندے کے کوائف نے مجھے بری طرح چونکا دیا تھا۔ جنید کا تعلق پشاور برانچ سے تھا۔ وہ وہاں جس پوسٹ پر تھا، اسے یہاں بھی اسی پوسٹ پر ٹرانسفر کر دیا گیا تھا۔ کیوں...؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ کیونکہ اس سے پہلے کم از کم میرے آفس میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ مسٹر انور (میرے پی اے) نے سب نیئے آنے والوں سے تعارف کے لیئے فوری طور پر ایک میٹینگ ارینج کر دی تھی۔ میٹینگ میں سب نیئے آنے والوں سے مل کر ہمیشہ کی طرح اچھا ہی لگا تھا۔ ہمارا نیا سٹاف بھی پہلے اسٹاف کی طرح بہت قابل اور ذہین افراد پر مشتمل تھا۔ مجھے پوری امید تھی کہ ہم سب مل کر اپنی برانچ کو پہلے سے بھی زیادہ ترقی کی بلندیوں تک لے جائیں گے۔

میں اپنے نئے ساتھیوں سے مطمئین تھا، مگر جنید سے مل کر مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔ کچھ تھا اس بندے کی آنکھوں میں جو بار بار مجھے چونکا رہا تھا۔ کیا...؟ میں خود بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ جلد ہی سب نئے لاگ آفس کے ماحول سے ایڈجسٹ ہو گئے۔ اور ہم نے بھی انہیں اپنے آفس کا حصہ تصور کر لیا۔ جنید کا رویہ میرے ساتھ بہت نیاز مندانہ سا تھا۔ اس کے اس قدر عقیدت اور عاجزی بھرے خوشامدی انداز سے بعض اوقات مجھے سخت کوفت ہونے لگتی۔ لیکن پھر میں خواہ مخواہ ہی شرمندہ بھی ہو جاتا۔ یہ تو اس کی عادت تھی۔ وہ میرے علاوہ اپنے دوسرے سینئرز کے ساتھ بھی یہی رویہ اپنائے رکھتا تھا۔ بلکہ وہ سب کے آگے پیچھے پھرتا رہتا تھا۔ اسکا یہ خوشامدی بھرا، جی حضوری والا انداز، اس کی شاندار پرسنالٹی کے ساتھ بالکل بھی میل نہیں کھاتا تھا۔ وہ بلا کا وجیہہ و جمیل تھا۔ جانے اسے اپنی وجاہت کا احساس ہی نہیں تھا یا پھر وہ یہ احساس کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ بہر حال، اس کی یہی عادتیں اسے سب کے مذاق کا نشانہ بناتی تھیں۔ لیکن حیرت اس بات پر تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں کے کسی بھی مذاق کا برا نہیں مانتا تھا۔ میں اکثر اس کی شخصیت کے اس پہلو پر غور و فکر کرتا، مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آتا تھا۔

"شہروز بیٹا! آج تمہارے آفس سے کوئی مسٹر جنید اپنی مسز کے ساتھ آئے تھے۔" میں ڈنر کے بعد بہت ریلکس ہو کر لاونج کے صوفے پر نیم دراز، ٹی وی پر اپنا فیورٹ ٹاک شو دیکھ رہا تھا کہ پری نے میرے سامنے گرین ٹی کا کپ رکھتے ہوئے سرسری سے انداز میں اطلاع دی تھی۔

"کیا...؟ جنید، اور یہاں...؟ ہمارے گھر...؟ ارے، وہ آیا کیوں تھا، اور اسے اجازت کس نے دی یہاں آنے کی...؟" میں جنید کا نام سنتے ہی جھنجھلا گیا اور تیزی سے انداز نشست بدلتے ہوئے بہت تیز لہجے سے بولا تو پری کے ساتھ ساتھ امی اور ڈیڈی بھی میرا منہ دیکھنے لگے۔ جو دوسرے صوفے پر بیٹھے گرین ٹی اور ٹاک شو سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"شہروز...!! کیا ہوا ہے بیٹا...؟ اور یہ کونسا طریقہ ہے

بات کرنے کا۔؟'' امی نے اپنا کپ سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے سنجیدہ اور ٹھنڈے لہجے میں مجھ سے کہا تو میں فوراً سنبھل گیا۔

''سوری امی۔!! بس، وہ جنید کا نام سنتے ہی جانے کیوں مجھے غصہ آگیا اور میں ایکدم ہائپر ہوگیا۔ حالانکہ آپ جانتی ہیں کہ میرا ٹیمپرامنٹ ایسا نہیں ہے۔'' میں نے سب کے سنجیدہ اور خفگی بھرے تاثرات دیکھتے ہوئے خفت زدہ انداز سے کہا تو پری سنجیدگی اور غور سے میرا چہرہ دیکھنے لگی۔

''ایسا کیا ہے شہروز، کہ جنید صاحب کا نام سنتے ہی آپکو غصہ آگیا۔؟ حالانکہ آپ کے کولیگز اور اسٹاف ممبرز تو اکثر آتے ہی رہتے ہیں ہمارے ہاں۔ even کہ ہماری پارٹیز میں بھی آپ کے کولیگز کی شرکت معمول کی بات ہے، تو پھر اب ایسا کیا ہوگیا کہ آپ اپنے ایک ایمپلائی کی آمد کا سنتے ہی اس قدر بھڑک اٹھے کہ خود پر قابو ہی کھو بیٹھے۔؟'' پری کی سنجیدہ اور اندر تک اترتی نگاہوں نے تو مجھے پہلے ہی گڑبڑا کر رکھ دیا تھا، اب اس کے سنجیدگی سے پوچھے گئے سوال نے مجھے شرمندہ بھی کر دیا تھا۔ اور اس پر امی ڈیڈی کی سوالیہ نگاہیں۔

''ارے، نہیں پری۔!! ایسا کچھ بھی نہیں۔ بس میں تو بس ایسے ہی۔۔۔۔ !!''

''ہاں، تو وہی تو میں پوچھ رہی ہوں کہ ''ایسے ہی کیا۔؟'' ارے، آپ تو ان کی آمد کا ہی سن کر اس قدر ہائپر ہوگئے اور جب آپکو یہ پتہ چلے گا کہ وہ ہمیں ڈنر پر انوائٹ کر گئے ہیں تو۔۔۔!!''

''کیا۔؟؟ ڈنر۔؟؟ اور وہ بھی ہم دونوں کو۔؟ ارے، پری۔ کہیں تم نے انکا انویٹیشن قبول تو نہیں کر لیا۔؟ میں بتا رہا ہوں تمہیں کہ میں نہیں جا رہا کہیں۔۔۔!!

''شہروز۔!! enough is enough۔ بس، بہت ہو گئیں یہ تمہاری بیوقوفوں والی باتیں۔ اب اگر تم نے کوئی فضول بکواس کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ سمجھے تم۔'' ڈیڈی سے شائد میرا یہ بیوقوفوں والا بچگانہ رویہ برداشت نہیں ہو رہا تھا، اسی لیئے انہوں نے ایکدم میری بات سختی سے کاٹتے ہوئے اپنے مخصوص ''کھردرے اور جٹانہ'' انداز سے مجھے لتاڑا تو میں ایکدم جیسے ہوش میں آ گیا۔ ''اوہ، ڈیڈی۔!! سوری، مجھے لگتا ہے کہ آج واقعی میری طبیعت کچھ خراب ہے اسی لیئے۔۔۔!!''

''اور ہمیں لگتا ہے کہ آج تمہارا دماغ ہی خراب ہوگیا ہے، اسی لیئے ایسی الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہو۔ کیوں پری بیٹا، میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں۔'' امی نے بھی اپنے نرم شفیق انداز میں مسکراتے ہوئے میری بات کاٹی تو سب کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں میری جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ بھی شامل تھی۔۔۔۔۔۔۔۔

''شہروز۔!! میں نے مسٹر اور مسز جنید کا انویٹیشن ایکسپٹ کر لیا ہے۔ اس ہفتے کو ہم انکی طرف جا رہے ہیں۔ آپ یاد رکھیئے گا، اور پلیز اس روز کوئی مصروفیت مت نکال لیجیئے گا۔ مجھے آپکی نیت پر ابھی سے شک ہونے لگا ہے۔'' پری نے خالی کپ سمیٹتے ہوئے کچھ اس انداز سے کہا کہ میں صرف گہرا سانس بھر کر رہ گیا۔۔۔۔۔۔۔۔

ہفتے کی شام ہم دونوں جنید کے دیئے گئے ایڈریس پر جا پہنچے۔ جنید کا گھر ہمارے گھر کی مخالف سمت میں تھا، ایک تو لمبی ڈرائیو اور اس پر ایڈریس شائد درست نہیں تھا، سو ہمیں

گھر ڈھونڈنے میں ہی بہت وقت لگ گیا۔ راستے کی خواری اور دل نہ ماننے کی اوازاری نے میرا موڈ بہت خراب کر دیا تھا مگر میں پری کا جوش دیکھ کر خود پر جبر کر گیا تھا۔ وہ ایسی ہی تھی، نرم دل، پر خلوص اور کسی کا دل نہ توڑنے والی۔ جیسے ہی ہم مطلوبہ جگہ پر پہنچے، جنید اور اسکی مسز کو اپنا منتظر پایا۔ وہ دونوں گھر سے باہر نکل کر سڑک پر بے چینی سے ٹہلتے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ جیسے ہی ہماری گاڑی ان کے قریب رکی، انکے چہروں پر جیسے بہار آ گئی۔ جنید لپک کر آگے بڑھا اور پری کی سائیڈ والا دروازہ کھول کر کچھ اس عاجزانہ انداز سے ویلکم کرنے لگا کہ ایک لمحہ کو تو پری بھی گڑبڑا گئی۔ پری کے باہر قدم رکھتے ہی میں نے بھی برے موڈ کے ساتھ اپنا دروازہ کھولا اور جیسے ہی باہر قدم نکالا اپنے سامنے کھڑی اپسرا کو دیکھ کر بس دیکھتا ہی رہ گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

''آئیے ناں سر۔۔!! آپکے انتظار میں تو ہماری آنکھیں بھی پتھرا گئی تھیں۔ سچ، بہت انتظار کروایا آپ نے۔۔!!'' اس حسین ترین لڑکی کے بولنے کا انداز بھی بے حد حسین تھا۔ اس کی آواز، اس کا انداز اس قدر دلنشیں تھا کہ ایک لمحے کو تو میرا سانس ہی بند ہو گیا۔ میں آنکھیں کھولے، منہ پھاڑے ہونقوں کی طرح اس مہ جبیں کو بس دیکھتا ہی رہ گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

''شہروز۔۔!! چلیں ناں۔ کیا ہوا آپکو۔؟ آپ رک کیوں گئے۔؟'' پری جنید کے قریب کھڑی میرے باہر نکلنے کا انتظار کر رہی تھی، اور جب اس نے مجھے اس طرح آدھا گاڑی کے اندر اور آدھا باہر، بت کی طرح ایستادہ دیکھا تو ٹوکے بنا نہ رہ سکی۔

''جی سر۔۔!! آئیے ناں پلیز۔۔!!'' اس حسینہ نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس ادا سے کہا کہ میں ایکبار پھر گڑبڑا سا گیا اور فوراً گاڑی سے باہر نکل آیا۔ پری کچھ فاصلے پر کھڑی ہمیں سرسری سے انداز سے دیکھ رہی تھی۔ اب وہ حسینہ پری سے مل رہی تھی۔ اس کے انداز میں بہت گرم جوشی اور محبت بھری تھی۔ پری بھی اس سے مل کر بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔ اگلے چند لمحوں میں ہم ان کے ڈرائینگ روم میں بیٹھے تھے۔ جنید نے اس حسینہ کا تعارف ''خوشبو'' کے نام سے کروایا۔ وہ واقعی مہکتی ہوئی خوشبو ہی تھی۔ میں جتنے برے دل اور خراب موڈ کے ساتھ وہاں آیا تھا، اب اسی قدر خوش اور شاد دکھائی دے رہا تھا۔ خوشبو کسی پروانے کی طرح میرے ہی ارد گرد منڈلا رہی تھی۔ جنید اگر پری کو فل پروٹوکول دے رہا تھا تو خوشبو بھی مجھے ہاتھوں ہاتھ لے رہی تھی۔ ہم نے وہاں بہت اچھا وقت گذارا۔ اس روز جنید کی چند اور خوبیاں مجھ پر کھلیں تھیں۔ وہ بہت خوش مزاج اور ملنسار انسان تھا۔ بہت ذہین بھی تھا اور شائد محنتی بھی۔ مگر اس کے باوجود اسے ابھی تک پروموشن کیوں نہیں مل سکا تھا۔؟ اس کی وجہ ابھی بھی میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ہم رات گئے تک وہاں بیٹھے رہے۔ کھانے اور گرین ٹی کے بعد خوشبو، جنید کے کہنے پر اپنا ستار اٹھا لائی۔ اس کی آواز بھی اسکی طرح بے پناہ دلکش تھی۔ پری بھی اسکی آواز کے سحر میں جیسے کھو سی گئی تھی۔ اب ان دونوں میں بہت اچھی دوستی ہو چکی تھی اور مجھے بھی اپنے گزشتہ رویئے پر دل ہی دل میں پشیمانی ہونے لگی تھی۔

جنید کا اور میرا رشتہ اب باس اور امپلائی سے بڑھ کر دوستی تک

جا پہنچا تھا۔ اب وہ اکثر ہی لنچ ٹائم میں میرے کیبن میں آ جاتا۔ اس کے ساتھ خوشبو کے ہاتھوں سے بنے مزیدار اور خوشبودار کھانے بھی ہوتے، جو بقول جنید کے خوشبو خاص طور سے میرے لیئے بنا کر بھیجتی تھی۔ پہلے پہل تو جنید کی اس طرح کی باتیں مجھے عجیب سے احساس میں مبتلا کر جاتیں، مگر پھر آہستہ آہستہ میں ان کا عادی ہوتا چلا گیا۔ بھئی، ظاہر ہے، میں کوئی ''زاہد خشک'' قسم کا انسان تو نہیں تھا، کہ اتنی حسین و جمیل ہستی میرے آگے پیچھے پھرے، میرے لیئے اپنے حسین ہاتھوں سے کھانے بنا بنا کر بھیجے اور میں پھر بھی اسے اگنور کرتا چلا جاؤں۔ سو، میں نے بھی اس ''خصوصی پروٹوکول'' کو خوب انجوائے کرنا شروع کر دیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے میں ان دونوں کے اس قدر نزدیک آ گیا کہ اب اگر چند دن بھی انکے گھر کا چکر نہ لگا پاتا تو خود کو ادھورا محسوس کرتا۔ میرے من کے اندر دور دور تک ایک انجانی سی پیاس پھیلتی چلی جاتی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔ ''شہروز جی۔!! کیا آپ آج لنچ میرے ساتھ کر سکتے ہیں۔؟ پلیز ۔'' میں اپنے آفس میں بیٹھا بہت ضروری فائلز کے ساتھ الجھ رہا تھا کہ خوشبو کی کال آ گئی۔ ایک لمحے کو تو میرا دل کیا کہ اسے منع کر دوں، کیونکہ کام کا بوجھ بہت زیادہ تھا۔ آفس میں ان دنوں کلوزنگ سیزن چل رہا تھا اور ایسے وقت میں اس قسم کی عیاشی کے بارے میں تو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ مگر کیا کریں۔ اس کی انداز میں اس قدر مان، اتنی محبت اور ایسی التجا تھی کہ میں چاہتے ہوئے بھی اسے انکار نہ کر سکا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔ ''ہوں۔!! ٹھیک ہے خوشبو۔ میں تمہاری خوشی کے لیئے آ جاؤں گا۔ مگر یاد رکھنا، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اس لیئے میں تمہارے پاس زیادہ دیر رک نہیں پاؤں گا۔'' میں نے اس سے وعدہ کرتے ہوئے اپنی مجبوریوں کو بھی مدِ نظر رکھنا ضروری سمجھا تھا۔

''جی جی شہروز۔!! آپ چاہیں تو تھوڑی دیر بعد ہی واپس لے جایئے گا۔ مجھے تو بس آپ سے ملنا، آپکو دیکھنا ہی ہے۔ آپ کتنے دنوں سے آئے ہی نہیں مجھ سے ملنے۔ میرا بہت دل چاہ رہا ہے آپکو دیکھنے، آپکے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے کو۔ آپ بس تھوڑا سا وقت میرے ساتھ گذار لیں تو میں مطمئین ہو جاؤں گی۔!!'' اسکی باتیں میرے دل کی کلی کھلا رہی تھیں۔ میرا اب آفس میں بیٹھنا بھی محال ہو رہا تھا، سو میں وقت سے پہلے ہی وہاں سے اٹھ آیا۔۔۔۔۔۔۔

۔ ''خوشبو۔!! جنید کہاں ہے۔؟ وہ آج آفس بھی نہیں آیا اور اس وقت بھی وہ ہمارے ساتھ نہیں ہے۔؟ اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔؟'' مجھے اس کے پاس بیٹھے آدھا گھنٹہ گذر چکا تھا، اور اس دوران وہ ایکبار بھی دکھائی نہیں دیا تھا۔ ویسے بھی جب سے میرا خوشبو کے ساتھ ربط زیادہ بڑھا تھا، جنید کے رویئے میں ایک خاص قسم کا استحقاق آتا جا رہا تھا۔ اب وہ جب دل چاہتا آفس سے چھٹی مار لیتا۔ اور جب دل چاہتا اپنا کام آدھا ادھورا چھوڑ کر غائب ہو جاتا۔ اس کے آفس ٹیبل پر اکثر فائلوں کا انبار لگا رہتا، مگر اسے اس کی کوئی پرواہ ہی نہ ہوتی۔ ایسے وقتوں میں اس کے پاس سب سے آسان حل یہ ہی رہ جاتا کہ وہ خوشبو کے ذریعے اپنا اُلو سیدھا کرنے کی کوشش کرتا۔ خوشبو کا ایک فون آتے ہی میں جنید کو اس گرداب سے نکالنے کے لیئے فوراً آگے بڑھتا اور

اسکے حصے کا کام سارے اسٹاف میں اس طرح بانٹ دیتا کہ کسی کو شک بھی نہ ہوا اور اس کام بھی ہو جائے۔ میں سمجھتا تھا کہ میرے اس عمل کی شائد کسی کو بھی خبر نہیں ہو پائے گی، مگر میں غلط تھا۔ میں جس پوسٹ پر بیٹھا تھا، وہاں اس قسم کی ہیرا پھیریوں کی نہ تو گنجائش تھی اور نہ ہی ضرورت۔ مگر میں اپنے دل کا کیا کرتا کہ خوشبو کی ایک ملتجیانہ کال پر میں شاید اپنا منصب بھی بھول جاتا تھا۔ مگر میرا اسٹاف سب سمجھتا تھا۔ سب جانتا تھا۔ انہیں جب اپنے کام کے ساتھ ساتھ جنید کے حصے کا بھی کام کرنا پڑتا تو وہ خوب ناک بھوں چڑھاتے۔ مگر میرے رعب کی وجہ سے کچھ کہہ نہیں پاتے تھے۔ اور اب تو ویسے بھی ہمارے آفس کا ماحول بہت بدل چکا تھا۔ جنید کی دیکھا دیکھی سب کو آپودھاپ پڑ چکی تھی۔ اور اس پر آج کل ہیڈ آفس سے بھی نت نئے احکامات جاری ہو رہے تھے، اور اس لیئے بھی دفتر میں ایک سراسیمگی کا عالم پھیلا ہوا تھا۔ لیکن جنید صاحب کا وہی حال تھا۔ دل کیا تو کام کر لیا، ورنہ "خوشبو" یا "پری بھابھی" سے ایک فون کروایا اور اللہ اللہ خیر صلی۔ اور یہی وجہ تھی کہ مجھے اچانک ہی اس کی غیر موجودگی کا احساس ہوا تو میں اس کے بارے میں پوچھ بیٹھا۔

۔ "وہ تو پشاور گئے ہوئے ہیں۔ ان کی امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیئے انہیں جانا پڑ گیا۔ بس، ایک دو دن تک آجائیں گے واپس۔!!" میرے سامنے حلاوہ کی پلیٹ رکھتے ہوئے اس نے بڑی ادا سے کہا تو میں بس اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ اس وقت سیاہ شیفون کی باریک اور نفیس سی ساڑھی باندھے ہوئے تھی۔ جس پر ننھے منے سلور اسٹونز ہیروں کی طرح جگمگا رہے تھے۔ اس کے لمبے سیاہ لہراتے بال اس کی پشت پر آبشار کی طرح پھیلے تھے۔ بے حد خوبصورتی سے کیا گیا نفیس سا میک اپ اس کے حسن کو دو آتشہ کر رہا تھا۔ میری نگاہیں بار بار اس کے مرمریں جسم پر پھسل رہی تھیں۔ وہ لہراتی بل کھاتی جس طرف بھی جاتی، میری نگاہیں بے تابی سے اسکا تعاقب میں اسکے پیچھے پیچھے جا رہی تھیں۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ اپنے بھٹکتے دل اور الجھتے دماغ کو قابو میں کرنے کے لیئے ہی میں نے اس سے جنید کا پوچھا تھا، مگر اس کے جواب نے ایک لمحے کے لیئے تو مجھے حیران ہی کر دیا تھا۔

"کیا مطلب۔؟ جنید پشاور گیا ہے۔؟ اور وہ بھی آفس میں بتائے بغیر۔؟ اور تم، تم یہاں اکیلی۔؟ وہ کس کے سہارے چھوڑ کر گیا ہے تمہیں۔؟ عجیب لاپرواہ بندہ ہے۔ آلے ہزارا، اس کی تو اچھی خاصی کلاس لینی پڑے گی مجھے۔!!" میں ایک دم غصے میں آیا تھا۔ بھئی، ظاہر ہے، میں اپنے آفس کا باس تھا اور جنید میرا جونیئر ترین ایمپلائی۔ اور اس پر اس کے انداز۔ غصہ تو مجھے آنا ہی تھا۔

۔ "آپ۔ آپ ہیں ناں، میرا خیال رکھنے کے لیئے۔ وہ مجھے آپ کے سہارے ہی تو چھوڑ گیا ہے شہروز جی۔!!" وہ اک ادا سے لہراتی، بل کھاتی آئی اور میرے بالکل قریب بیٹھتے ہوئے، اس نے میری آنکھوں میں اپنی نشیلی آنکھیں ڈالتے ہوئے کچھ اس ادا سے کہا کہ میری بولتی ہی بند ہو گئی۔

۔ "وہ تو ٹھیک ہے خوشبو۔ مگر تم خود سوچو کہ تمہیں اس طرح اجنبی شہر اور اجنبی جگہ پر اکیلا دیکھ کر اگر کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو۔۔۔!!"

۔ ''نہیں شہروز جی ۔!! آپ کے ہوتے ہوئے میرے لیئے نہ تو یہ شہر اجنبی ہے اور نہ ہی یہ جگہ۔ اور پھر مجھے کوئی مقصان کیسے پہنچ سکتا ہے، جب میں اپنے گھر اور دل کے دروازے صرف آپ کے لیئے ہی کھولتی ہوں ۔!! '' اور ایکبار پھر اس کے جواب نے مجھے لاجواب کر دیا تھا۔ میں اس کی طرف دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ ناز بھرے انداز سے اٹھی اور کچن کی سمت چلی گئی۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں اس نے ٹیبل پر کھانا لگا دیا، پھر وہ مجھے ہاتھ پکڑ کر ٹیبل تک لے آئی اور بڑے محبت بھرے انداز سے مجھے سرو کرنے لگی۔ میں بھی اسے خوش کرنے کے لیئے بڑھ چڑھ کر اسکی تعریفیں کرتا چلا گیا اور اسکے ہاتھوں سے نوالے کھاتا چلا گیا۔ آج شاید کوئی خاص دن تھا یا پھر شاید میرے دماغ میں شیطان نے یہ خیال ڈال دیا تھا کہ اس وقت ہم دونوں کے سوا یہاں کوئی بھی نہیں، اور میں جو چاہوں اس حسینہ کے ساتھ کر سکتا ہوں۔ مجھ پر تو یوں بھی کوئی الزام نہیں آئے گا کہ مجھے خود فون کر کے بلانے والی یہ ''قیامت'' بھی خود ہی تھی۔ مگر میں شاید یہ بھول گیا تھا کہ ایک ایسی ہستی ہر وقت میرے ساتھ موجود رہتی ہے جو میری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور وہ میرے دل کا حال تو جانتی ہی ہے، وہ میرے خیالوں اور ارادوں سے بھی اچھی طرح واقف ہے۔ اور اسی ہستی نے میری نگاہوں پر پڑے غفلت کے پردے کو چاک کرنا تھا جو یہ سارا کھیل رچایا گیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ میری فرمائش پر پشاوری قہوہ بنا لائی۔ میں اس کے ہاتھ سے پیالی ٹھیک طرح سے پکڑ بھی نہیں پایا تھا کہ اس کا ہاتھ کانپا اور گرم گرم قہوہ میرے ہاتھ اور ٹانگ پر گرتا چلا گیا۔ اس افتاد کے لیئے میں تو بالکل بھی تیار نہیں تھا، سو ایک دم گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ خود شاید وہ بھی تیار نہیں تھی اس لیئے میرے سے زیادہ وہ بوکھلا گئی۔

۔ ''اوہ۔!! اوہو، شہروز جی۔ یہ کیا ہو گیا۔؟ آپ۔۔ آپ پلیز میرے ساتھ آئیں۔ میں کچھ کرتی ہوں۔!!'' میرے سے زیادہ گھبرائی ہوئی وہ لگ رہی تھی، اس لیئے صرف اس کی تسلی کے لیئے میں اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑا، ورنہ نہ تو قہوہ اتنا گرم تھا کہ مجھے جلا پاتا اور نہ ہی میں اتنا نازک مزاج تھا کہ ذرا سی جلن نہ برداشت کر پاتا۔ وہ مجھے لیئے ہوئے سیدھا اپنے بیڈروم میں چلی آئی۔ ہمارے آپس کے روابط کو ڈھائی، تین سال ہونے کو آئے تھے، مگر آج پہلی بار میں اس کے بیڈروم میں آیا تھا۔ اور اب عجیب قسم کے احساسات کا شکار ہو رہا تھا۔

۔ ''شہروز ۔!! آپ یہاں لیٹ جائیں۔ میں آپکے ہاتھ اور ٹانگ پر برنال لگا دیتی ہوں۔!!'' اس نے بیڈ پر ترتیب اور نفاست سے رکھے تکیئے اور کشن ٹھیک کرتے ہوئے کہا اور پھر میرا جواب سنے بغیر ہی مجھے زبردستی لٹانے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کے ہاتھوں میں ہلکی ہلکی سی لرزش تھی اور کانپتی لرزتی پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔ مجھے لٹاتے ہوئے اس کی ساڑھی کا پلو اسکے شانے سے ڈھلکتا ہوا میرے سینے پر گرتا چلا گیا۔ ایک لمحہ لگا تھا۔۔ بس ایک لمحہ۔ اور شیطان میرے حواسوں پر پوری طرح قابض ہوتا چلا گیا۔ خوشبو کے مہکتے وجود سے اٹھنے والی دلنواز مہک مجھے دیوانہ کیئے دے رہی تھی۔ میں نے بے اختیار اسے شانوں سے تھام لیا، اور پھر ایک ہلکا سا جھٹکا دینے کی دیر تھی کہ وہ کٹی شاخ کی طرح میرے اوپر ڈھیر ہو چکی تھی۔ میرے ہاتھ سرسراتے ہوئے

اس کے بالوں کے ریشم سے الجھ رہے تھے تو سانسیں اس کی قربت کی وجہ سے دھونکنی کی طرح چلنے لگی تھیں۔ وہ ذرا سا کسمسائی، اور اپنا آپ مجھ سے چھڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے میرے اور بھی زیادہ نزدیک آ گئی۔ اس کی اس درجہ قربت سے میرے حواسوں پر ایک عجیب سا نشہ چھا رہا تھا۔

"شہروز صاحب۔!! آپ نے کبھی کنول کا پھول دیکھا ہے۔؟" ایکدم اس کی سرسراتی، کانپتی لرزتی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی تو میں ایک دم چونک سا گیا۔

"کنول کا پھول۔؟ تم کہنا کیا چاہتی ہو خوشبو۔ کھل کر کہو ناں جو بھی تمہارے دل میں ہے۔" میرے حواسوں پر چھایا نشہ تو اس کی کانپتی لرزتی آواز سن کر ہی اترنے لگا تھا۔ پھر جیسے ہی میری نظر اسکے بجھے بجھے افسردہ سے چہرے پر پڑی تو میرے حواس بھی اپنے ٹھکانے پر آ گئے۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں شہروز صاحب۔!! کنول کے نصیب میں ہمیشہ کیچڑ ہی کیوں ہوتی ہے۔ دلدلی کیچڑ، گندے پانیوں کے جوہڑ اور غلاظت کے انبار ہی کیوں ہمیشہ کنول کا مقدر بنتے ہیں۔ حالانکہ پھول تو پھول ہی ہوتا ہے، چاہے گلاب کا ہو یا کنول۔ پھر ایک کے نصیب میں حسین باغ، باغیچے اور کیاریاں تو دوسرے کے نصیب میں کیچڑ، دلدل اور گندے جوہڑ ہی کیوں ہوتے ہیں۔؟ آپ اس کی وجہ بتا سکتے ہیں شہروز صاحب۔!!" یہ چہرہ اس خوشبو کا تو نہیں تھا، جس کے ساتھ کچھ دیر پہلے میں شیطان کے دکھائے راستے پر چلنے کی تیاری کر رہا تھا۔ یہ چہرہ تو ایک بے بس، بے بس اور مظلوم لڑکی کا تھا۔ میرے ضمیر نے میرے منہ پر اس زور کا تھپڑ مارا کہ میرا منہ ہی دوسری طرف جا لگا۔ میں اسے ایک جھٹکے سے پیچھے پھینکتا اس تیزی کے ساتھ بیڈ سے اٹھا جیسے میرے نیچے نرم مخملیں بستر نہیں، بلکہ کانٹوں سے بھرا ایسا بستر تھا جس کے زہریلے، نوکیلے کانٹے میری روح تک کو چھید گئے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"تم۔۔ تم کہنا کیا چاہتی ہو خوشبو۔؟ اور، تمہارا مقصد کیا تھا مجھے اس طرح تنہائی میں بلانے کا۔؟" میرے دماغ کی رگیں جیسے پھٹ رہی تھیں۔ میں جھنجلا کر اس پر ہی الٹ پڑا تھا۔ مگر وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی اور اس کا اس طرح رونا میرے لیئے مزید پریشانی کا باعث بن رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔

"خوشبو۔!! بولو، کچھ تو بتاؤ مجھے۔ آخر تمہاری اس بے تکلفی اور جنید کی اس لاپرواہی کے پیچھے اصل راز کیا ہے۔؟ تم مجھے کچھ تو بتاؤ۔ دیکھو، اس طرح رونے سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا تمہیں۔ اس لیئے بہتر یہی ہے کہ مجھے کھل بتاؤ کہ تم لوگوں کا پرابلم کیا ہے۔؟" میں نے اسے بازو سے پکڑ کر بیڈ سے نیچے کھینچ لیا، اور اسکے دونوں بازوؤں کو مضبوطی سے جکڑتے ہوئے اسے جیسے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ وہ نازک سی لڑکی، میری اس وحشیانہ حرکت سے اور زیادہ پریشان ہو گئی اور پہلے سے زیادہ زور شور سے رونے لگی۔

"وہ۔۔ وہ۔۔ سر جنید کو پرموشن۔۔ بس کسی بھی طرح، کسی بھی قیمت پر۔۔ کیسے بھی کر کے، صرف ایکبار پرموشن۔۔!!" اور اس کی ان ٹوٹی پھوٹی باتوں نے ایکبار تو میرا دماغ بھک سے اڑا کر رکھ دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"کیا۔؟ پرموشن۔؟ صرف ایک پرموشن کے

لیئے۔؟ اُف۔۔توبہ۔!!" اور پھر میرا اس چھت کے نیچے جیسے دم گھٹنے لگا۔ میں تیزی سے اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے بھاگتے قدموں سے باہر نکلا، اور پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر بس بھاگتا ہی چلا گیا۔ واپسی کے راستے میں میرے دماغ کی بند گرہیں کھلتی چلیں گئیں۔ جنید کا سارا منصوبہ میری سمجھ میں آ رہا تھا۔اس کا پرموشن پانے کا جنون۔ اسکی خواہشیں۔اس کے خواب اس حد تک بڑھ گیئے تھے اس نے ان کے حصول کو ہی اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا اور اس راستے پر چلتے ہوئے اس نے اپنی غیرت کو بھی داؤ پر لگانے میں کوئی عار نہیں سمجھی تھی۔اب مجھے رہ رہ کر پری کی باتیں بھی یاد آ رہی تھیں۔ میرے بدلتے رویوں نے ظاہر ہے اسے بھی بہت پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔وہ پہلے تو کھٹکی تھی، پھر میرے دل کے چور سے خود بخود ہی واقف ہوتی چلی گئی تھی۔ ویسے بھی کہنے والے کہتے ہیں کہ بیوی کی نظر سے شوہر کی کوئی چوری چھپی نہیں رہ سکتی۔ شوہر کے دل کے دروازے جیسے ہی کسی دوسری عورت کے لیئے کھلنے لگتے ہیں، بیوی کے اندر موجود خطرے کی گھنٹی پورے زور و شور سے بجنے لگتی ہے۔شاید اسی لیئے پری بھی میری اس بدلتی کیفیت سے الرٹ ہوگئی تھی اور پھر اس پر جیند کا اس پر بڑھتا ہوا پریشر۔وہ اپنی پرموشن کے لیئے اسے بھی مہرہ بنانے کے چکروں میں تھا۔ اٹھتے بیٹھتے اسے میرے سامنے اپنی سفارش کرنے کو کہتا رہتا تھا اور اس چیز نے پری کو بری طرح سے اریٹیٹ کر دیا تھا۔ اس لیئے اب پچھلے کچھ عرصے سے وہ بھی مجھ پر اس حوالے سے دباؤ ڈال رہی تھی کہ میں جنید کو پرموشن دے کر اس قصے کو ہمیشہ کے لیئے ختم کر دوں اور اس پر اور اپنے بچوں اور گھر پر پہلے کی طرح بھرپور توجہ دینے لگوں۔ میں جتنا سوچتا جا رہا تھا، میرے دماغ کی رگیں اتنی ہی پھٹتی جا رہی تھیں۔ پہلے تو مجھے شدید قسم کا غصہ آیا تھا، مگر پھر آہستہ آہستہ میرا غصہ ملال میں ڈھلنے لگا۔ میں دل ہی دل میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کر رہا تھا کہ جس نے عین وقت پر مجھے گناہ کی دلدل میں گرنے سے بچا لیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔ "انور صاحب۔!! آپکا کیا خیال ہے۔؟ مسٹر جنید کی فائل بھی تو بہت عرصے سے پرموشن کے انتظار میں پڑی ہے۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔ is he diserve this prmostion? " میں نے انور صاحب سے جنید کا مسئلہ ڈسکس کرتے ہوئے ان کی رائے طلب کی تو وہ مدبرانہ انداز سے سر ہلاتے مسکرانے لگے۔

۔ "جی سر!! جنید کے جنون سے تو اب سب ہی اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں اور اس کی یہ خواہش، اس کے یہ خواب ہی تو اسے در در بھٹکاتے چلے جا رہے ہیں۔اسی لیئے تو اس نے آج تک کسی ایک جگہ بھی ٹک کر کام نہیں کیا۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس کا پیشن صرف اور صرف پرموشن ہی رہ گیا ہے۔اور اب بھی میرا یہ ہی خیال ہے اگر اب بھی اس کی یہ خواہش، یہ خواب پورا نہ ہوا تو شاید وہ سچ مچ پاگل ہی ہو جائے گا۔اور ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو کوئی نقصان ہی پہنچا بیٹھے۔کیونکہ یہ برانچ ہی اب اس کی لاسٹ ہوپ ہے۔اور اسی لیئے اس نے اپنی ساری کشتیاں یہیں جلا ڈالی ہیں۔اور میرے خیال میں اب بھی اگر اسے اس کی منزل نہ ملی تو شاید پھر جنید ہمیں کہیں نہ ملے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم اسے ہمیشہ کے لیئے کھو دیں۔!!" انور صاحب کی باتیں میرے رونگٹے

کھڑے کرنے کے لیئے کافی تھیں۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر فائل اپنے سامنے کی اور اس پر "پرموٹڈ" کی مہر لگا کر سائن کیئے اور فائل انور صاحب کی طرف بڑھا دی۔
۔ "شہروز۔!! آپ نے پھر کیا فیصلہ کیا جنید کی پرموشن کے بارے میں۔؟ اس کا آج بھی فون آیا تھا۔ بہت پریشان تھا بے چارہ۔ آپ پلیز، اس کی فائل پر سائن کر دیں اور ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
۔ "ہاں، ہاں کر دیئے ہیں سائن اس "بیچارے" کی فائل پر۔ اور بھیج دی ہے اس کی فائل ہیڈ آفس۔ تم اب اسکی فکر چھوڑ کر میری کچھ فکر کر لو۔!!" میں، جو بڑے عرصے کے بعد خود کو ذہنی طور پر اپنے کمرے میں موجود محسوس کر رہا تھا، اور ایک عجیب طرح کی خوشی اور سرشاری محسوس کر رہا تھا کہ اچانک پری کے منہ سے ایکبار پھر جنید اور اس کی ترقی کا قصہ سن کر بری طرح سے بیزار ہو گیا اور اسکی بات تیزی سے کاٹتے ہوئے اندازِ نشست بدلتے ہوئے اسکی گود میں سر رکھ دیا۔ مجھے شروع سے ہی اس طرح پری کی گود میں سر رکھ کر لیٹنا بہت پسند تھا۔ پری کی نرم ملائم انگلیاں جیسے ہی میرے بالوں میں سرسراتیں، میں دنیا مافیہا سے جیسے بے خبر ہو جاتا۔ لیکن جب سے ہماری زندگی میں "جنید اور خوشبو" آئے تھے، یہ سکون بھرے لمحات جیسے خواب و خیال ہی ہو گیئے تھے۔ اور اب جو ایک عرصے کے بعد میں نے اپنی محبت کا پرانا انداز اپنایا تو پری بھی کھل کر مسکرا دی۔ اس کی نرم ملائم انگلیاں بڑی نرمی سے میرے بالوں میں گردش کرنے لگیں۔ اور میں آنکھیں موندتے ہوئے اس کے پیار کے ساغر میں ڈبکیاں لگانے لگا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔ آپ سوچ رہے ہونگے کہ اتنا سب کچھ ہو جانے کے باوجود بھی میں نے جنید کے خلاف کوئی ایکشن کیوں نہیں لیا۔؟ اسے اور خوشبو کو ایسے ہی کیوں چھوڑ دیا۔؟ انہیں اپنی زندگی سے کھیل کر اتنی آسانی سے کیوں چلا جانے دیا۔؟ لیکن نہیں۔ آپ غلط سوچ رہے ہیں۔ بالکل غلط۔ میں نے جنید کو ایسے ہی پرموشن نہیں دے دی تھی۔ انور صاحب نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ جنید کی یہ خواہش، اس کا جنون بن چکی تھی۔ اور وہ اپنے جنون میں کوئی بھی حد پار کر سکتا تھا۔ میں نے اسے علیحدگی میں بلایا اور اسے اپنے چھوٹے بھائی کی طرح سمجھایا تھا۔ ٹھیک ہے، اس کا انداز بہت غلط تھا، مگر اس کی خواہش جائز تھی۔ اور میں کیا، میری جگہ کوئی بھی ذی روح انسان ہوتا تو شاید وہی کرتا جو میں نے کیا۔ ویسے بھی ڈیڈی ہمیشہ کہتے ہیں کہ اپنے پیروں پر چلنے والوں کے ساتھ تو ہر کوئی چل لیتا ہے، مزہ تو جب ہے کہ کسی گرنے والے کو اپنے شانوں پر سوار کروا کے چلا جائے۔ اور یہی اصل مردانگی ہے کہ گرتے ہوؤں کو سہارا دیا جائے، نہ کہ آخری دھکا دے کر زمین بوس کر دیا جائے۔ بس، اسی لیئے میں نے جنید کو ایک بھائی کی طرح پاس بلا کر بڑے پیار سے سمجھایا اور شکر خدا کا کہ اس کی سمجھ میں یہ بات آ بھی گئی۔ اس نے مجھ سے تو معافی مانگی ہی، خوشبو کے پندارِ نسوانیت کو ٹھیس پہنچانے کے جرم کی اس سے بھی معافی مانگی تھی۔ کہ جنید کی خواہش کی تکمیل کے لیئے سب سے زیادہ چوٹ کھائی بھی تو اس نے ہی تھی۔ جنید اور خوشبو کا آج بھی ہمارے ساتھ ملنا جلنا ہے۔ وہ آج بھی ہم سے اسی طرح ملتے ہیں۔ مگر اب اس میل ملاپ میں واضح قسم کی تبدیلی آ چکی ہے۔ میں خوشبو کا بھائی کہتا ہوں

اور وہ مجھے بڑے بھائی کی طرح سمجھتی ہے۔اور ہم لوگ یہ صرف زبانی کلامی نہیں کہتے، بلکہ دل سے ان رشتوں کو مانتے بھی ہیں۔کہ اگر کسی رشتے میں حرمت نہ ہوتو، پھر کسی بھی رشتے کی کوئی اساس باقی نہیں رہتی۔اب آپ ہی بتائے کہ میں نے غلط کیا یا درست۔میں آپکی رائے کا شدت سے منتظر ہوں

☆......☆......☆......☆

غزل

بتا رہا ہے جھٹکنا تری کلائی کا
ذرا بھی رنج نہیں ہے تجھے جدائی کا
میں زندگی کو کھلے دل سے خرچ کرتا تھا
حساب دینا پڑا مجھ کو پائی پائی کا
اور ایک ہم ہیں کہ ہموار کر رہے ہیں زمیں
زمانہ آ بھی چکا فصل کی کٹائی کا
تری طلب کے قرینے وہ داد دیتا ہوں
گماں میری سخاوت پہ ہے گدائی کا
تجھے بھلانے کی کوشش رہی دھری کی دھری
زباں کو لگ گیا چسکا تری برائی کا
کسی کے گھر میں گرے گیند کی طرح
عطا ہوا ہے ہمیں سلسلہ رسائی کا

اظہر فراغ بہاولپور

جنید جمشید کے نام.........

اج بھی پھول ہر رنگ کے ہیں
ان کی خوشبو بھی بلکل ویسی ہے
لیکن یہ گلشن پھر بھی اجڑا اجڑا سا ہے
نا جانے کیوں بہاروں میں وہ پہلے سی بات نہی
پھولوں کی خوشبو میں وہ مٹھاس نہی
کوئی بھی رنگ آنکھوں کو بھاتا نہی
خوبصورتی کا ان سے کوئی ناتا نہی..
پہلے سی تازگی پھولوں میں اب اتی نہی
خزاں کی رت اب گلشن سے جاتی نہی
پرندے اب بھی گلشن میں اتے ہیں..
پہلے کی طرح ہی روز چہچہاتے ہیں..
مگر اس چہچہاہٹ میں زندگی کے ساز نہی
کوئل کی کوک میں وہ پہلے سی چھنکار نہی
ہر سو بس خاموشیوں کا ہی راج ہے...
سب کچھ مکمل ہے مگر پھر بھی ہر شے اداس ہے
آخر یہ کون ایا تھا اس دنیا کے گلشن میں
کہ اس کے جانے کے بعد یہ حال ہے...
جانے والے چلے جاتے ہیں
اور نا کبھی لوٹ کر اتے ہیں
مگر سارا گلشن اجاڑ جاتے ہیں
ہزاروں پھول اس کے بعد گلشن میں اتے ہیں
مگر اس پھول کی کمی کو کبھی پورا نہی کر پاتے
شاید تقدیر اسی چیز کا نام ہے
اج اس کی کل کسی اور کی زندگی کی شام ہے

از قلم ربیعہ امجد......نارووال

ہیلو ہیلو۔۔۔۔۔۔

کون؟

آیان بول رہا ہوں رالی کیسی ہو تم

تم۔تم نے کیوں فون کیا کتنی دفع منع کیا ہے تمھیں سمجھ کیوں نہیں آتی آخر کیا بگاڑا ہے میں نے تمھارا کچھ تو خیال کرو

رالی میں تم سے محبت کرتا ہو پلیز تھوڑی دیر بات کرلو

آیان تمھیں سب پتا ہے میرے بارے میں میرا شوہر کتنا شکی ہے اس نے یوں تم سے بات کرتا دیکھ لیا تو ابھی گھر بیٹھے گھر سے نکال دے گا مجھے اور وہ تو ان چھوٹے چھوٹے بچوں کا بھی خیال نہی کرے گا وہ تو ویسے ہی غصے کا بڑا تیز ہے

پتا ہے مجھے جانتا ہوں بچپن سے اس کے غصے سے ڈرائے نہ دو مجھے اور میں کب کہہ رہا ہوں تم روز گپیں مارا کرو مجھ سے بس ہفتے میں ایک بار پیار سے بات کرلیا کرو اور جب بھی تمھارے گھر آں تو اپنی کچھ اداں یں میرے نام بھی کر دیا کرو 2 لفظ محبت کے میرے نام کرو دو گی تو تمھارا کیا جاں ے گا؟ اس گھومڑ سے زیادہ چاہتا ہوں میں تمھیں

بس کرو آیان کیوں میرے گھر کے ساتھ ساتھ میرا ایمان بھی ضائع کرنا چاہتے ہو

تمھاری یہ ابھی ابھی باتیں اور کاٹ دار لہجہ بھی بہت پیارا لگتا ہے تم جب جب مجھے ڈانتی ہو ناں رالی تو مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں چھوٹا سا ایک بچہ اور تم۔۔۔

اوہ آیان تم بات کو گھوما پھرا کر کہاں سے کہاں لے جاتے ہو۔ میں کیا کہہ رہی ہوں تم سمجھ ہی نہیں رہے یا سمجھنا ہی نہی چاہتے؟؟؟؟

ہاں نہیں سمجھنا ہی نہی چاہتا کیا قصور ہے میرا اتنا ہی پیار کرتا ہوں تم سے صرف تمھاری آواز سننے کیلیے ایک سال سے تمھیں منانے کی کوشش کر رہا ہوں آخر تم کیا چیز ہو مان کیوں نہیں جاتی کتنی منتیں کراو گی؟

میں منتیں نہیں کروا رہی تم کزن ہو میرے شوہر کے اس لیے بہت آرام سے شرافت سے سمجھا رہی ہوں یہ پیار ویار سب فضول قسم کی باتیں ہیں ان سب میں اپنا وقت نہ برباد کرو

اوہ میری شونی اس وقت تو بلکل میری اماں کی طرح ڈانٹ رہی ہو مجھے اگر اس وقت تمھارے پاس ہوتا ناں تو اپنی انگلی تمھاری خوبصورت ہونٹوں پر رکھ کر چپ کرا دیتا بس کرو آیان آئندہ ایسی فضول گفتگو کی تو میں اپنے شوہر کو بتا دوں گی

......ھا ھا ھا ھا۔۔۔۔۔۔۔

اپنے شوہر اس کمینے کو جو تمہیں جوتے کی نوک پہ رکھتا ہے اس
کو بتاؤں گی ھاھاھاھا
مجھے پتہ ہے تم ایسا نہیں کر سکتی
ہاں میں ایسا نہی کر سکتی ناں یہ سب تمہیں معلوم ہے اتی بات
کا تو تم فائیدہ اٹھا رہے ہو
سنو رابی ابھی پچھلی بار کی تو بات ہے جب میں تمھارے گھر
آیا تھا اور تایا جان بھی تو ساتھ بیٹھے تھے تم نے اتنا ہی تو کہا تھا
کے جان ے کی پتی ختم ہو گئی ہے وہ لا دیں کیسے بری طرح
ڈانٹا تھا تمہیں اور ہماری موجودگی کی بھی پرواہ نہیں کی بات
بات پر اتنا حقیر رویہ کیسے برداشت کر پاتی ہو تم سچ پوچھو تو میرا
دل چاہ رہا تھا ایک گھونسا اسکے ناک پہ مار کے چپ کرا دوں
بکواس نہ کرو شوہر ہیں وہ میرے قابل احترام ہیں وہ میرے
لیے اچھا غصہ کیوں کر رہی ہو یار معاف کرو کبھی کبھی جذبات
پہ کنٹرول نہی رہتا تمہیں تو پتا ہے ناں میری عادت کا
تمھارے معاملے میں میں کتنا بیر لیس ہوں
بیپ بیپ بیپ۔۔۔۔۔۔۔۔
اوہ گاڑی کے ہارن کی آواز آ رہی ہے مجھے لگتا ہے یاسر آ
گئے ہے اب پلیز فون بند کرو ورنہ۔۔۔۔۔۔۔
اچھا اچھا ٹھیک ہے ایک آخری بات سن لو میں ابھی کچھ دیر
میں آ رہا تمھارے گھر بہت اچھا سا تیار ہونا میرے لیے
اچھا ٹھیک ہے او کے بائے
بیل پہ بیل دیے جا رہا ہوں لیکن تم ہو کے فرصت ہی نہیں آ
کے دروازہ کھول دو پانی پلا مجھے جی لائی شام ہونے کو ہے
جاہل عورت اتنا بھی نہیں معلوم کے شوہر کے آنے کا وقت
ہے پانی ٹھنڈا کر کے میز پہ رکھ دوں اور نہیں تو کم از کم خود ہی
کون سی ڈھنگ کے کپڑے پہن لوں
آپ فریش ہو کر آئیں میں چائے بناتی ہوں
اف کتنا کاٹ دار لہجہ ہے اس شخص کا اور ایک آیان ہے کتنا
میٹھا بولتا ہے ایک دم سے دھڑکنوں کو بے ترتیب کر دیتا ہے
اکثر تو خود کو سنبھالنا بھی مشکل ہو جاتا ہے اسکے سامنے اب تو ایسا
لگتا ہے جیسے اسکی محبت بھری باتوں کی لے میں بہتی چلی جا
رہی ہوں اوہ خدا یہ کیا ہوتا جا رہا مجھے میری مدد کر میرے
مولا یہ کیا اوٹ پٹانگ سوچے جا رہی ہوں
رابی رابی آیان آیا ہے اسکے لیے بھی چائے لیتی آنا رابی
ترتیب سے ٹرے میں چائے سے بھرے کپ رکھ کر سر پہ
دوپٹے کو ٹکاتی ہوں کی یہ لیں چائے پھوہڑ عورت گھر میں
کون سی مہمان آئی ہے تو چائے کے ساتھ کچھ لے آتا ہے
لیکن تمہیں تو ہر بات سمجھانی پڑتی ہے آیان کے سامنے
تذلیل بھرا لہجہ شرم سے سر جھک گیا
ارے نہیں یاسر بھائی بس چائے ہی کافی ہے میں تو ایک
کام سے آیا تھا
رابی فق ہوتے چہرے سے آیان کو رحم طلب نظروں سے
دیکھتی ہے
آپ کیوں پریشان ہیں بھابی غلطی تو ہر انسان سے ہوتی ہے
کیسی غلطی آیان؟
آپ بیٹھ جائیں بھابھی میں نے ضروری بات کرنی ہے جس
کیلیے آپ دونوں کی موجودگی بے حد ضروری ہے
ہاں بولو بھائی کی ہو تم میرے کون سی مسلہ ہے تو مجھے بتا
کیا بولوں کیسے بات کروں کچھ سمجھ نہیں آ رہا چھوٹا منہ بڑی
بات والی بات ہے سب خاندان والے جانتے ہیں آپ

کتنے اچھے ہیں لیکن۔۔

تمہید مت باندھو کھل کے بات کرو کیا بات ہے آیان

وہ دراصل بات یہ ہے کے رابی میرا مطلب ہے بھابھی نے مجھے بلایا تھا گھر پہ۔ میں نے صبح کال کی تھی آپ سے بات کرنے کیلیے اف کیسے بتاں یاسر بھاں ی مجھے تو شرم آ رہی ہے یہ کہتے ہوے بھی میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا آپ کو کیسے بتاں کے پچھلے ایک سال سے مجھے ورغلانے کیلیے اپنے داو پیچ استعمال کر رہی ہے یہ عورت جب جب آپ آفس ہوتے اس ٹائم کی کال ہسٹری چیک کر سکتے یہ لمبی لمبی کالیں میرے نمبر پر رابی حیرت سے آنکھیں پھاڑے کبھی آیان اور کبھی اپنے شوہر کے چہرے کی طرف دیکھتی جس کے ہر پل بدلتے تاثرات طوفان کا پیش خیمہ لگ رہے تھے

دفع ہو جا یہاں سے میں کہتا ہوں اٹھو اور اسی وقت نکل جا یہاں سے کیا میں جانتا نہیں ہوں تمہیں آوارہ بدچلن

میری بات تو سنیں بھائی۔۔۔بس کرو مت کہو مجھے بھائی ایک سال پہلے تمہاری شکایت لگائی تھی نہ تمہارے ابا کو اس کا بدلہ لے رہے ہو تم میں نے سوچا چچا زاد بھائی ہے غلط رستے میں نہ پڑے اور تم میرے ہی گھر ڈاکا ڈالنے چلے۔ میرے لہجے کی سختی میری مردانگی کا غرور ہے لیکن اسکا یہ مطلب ہر گز نہیں مجھے اپنی بیوی کے کردار پر شک ہے

روتی آنکھوں اور تشکر کے آنسو سے لبریز رابی نے اپنے شوہر کو دیکھ کر کہا آپ میری ذات کے تحفظ کا مضبوط حصار ہیں.........☆......☆......☆......☆......☆

نظم

تجھ سے مل کر تو ایسا لگتا ہے

جیسے

میں کٹ کے رہ گئی خود سے

کیا خبر تجھ کو میرے ہمراہی

کتنی محدود ہو گئی ہوں میں

تجھ سے پہلے بھی سے ملتی تھی

سبھی سے دور ہو گئی ہوں میں

ماند دکھتے ہیں چاند تارے مجھے

دل لبھاتے نہیں نظارے مجھے

ہر شے بے نور مجھ کو لگتی ہے

کوئی چہرہ مجھے نہیں بھاتا

یہ حقیقت ہے اب سوا تیرے

کوئی اچھا مجھے نہیں لگتا

ناخدا، رہنما، مسیحا بھی

تجھ میں ہر رشتہ ہی سمٹ آیا

زندگی تجھ سے اب تجھی تک ہے

اب

تری ذات کے سوا مجھ کو

اور کچھ بھی نظر نہیں آتا

آخری میری نظم ہو جیسے

زندگی تجھ پہ ختم ہو جیسے

شاعرہ۔ نوشین اقبال نوشی ۔ گادں بدر مرجان

☆......☆......☆......☆

مستقبل کے معمار

ازقلم... نورالصباء

صبح سویرے چڑیوں کی چہکار، شہر کی مصروف سڑک پر گزرتی گاڑیوں کے پہیوں کی چرچراہٹ اور تیز، سماعتوں کو چیرتے ہارن اس کی نیند میں خلل ڈالنے کا موجب بنے تو وہ قدرے تساہل سے آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ اس نے اپنی میلی سی چادر کو) جو اس کا واحد بچھونا تھی (فٹ پاتھ سے اٹھا کر سمیٹا اور اپنے پھٹے پرانے بستے میں رکھ لیا۔

وہ آج بہت خوش تھا کیونکہ آج نئے سال کا پہلا دن تھا۔ وہ ماں سے ضد کر کے رات جھگی میں سونے کے بجائے فٹ پاتھ پر ہی سو گیا تھا۔ وہ اتنا خوش تھا جیسے صبح سویرے اس کے ہاتھ کوئی خزانہ لگنے والا ہو۔

صبح کی سرد، تر و تازہ ہواؤں نے اس کے دھول میں اٹے گالوں کو چھوا تو اس کے معصوم دل میں نئی نئی امنگیں جاگنے لگیں۔ اسے امید تھی کہ آج اسے بہت سارے تحفے ملیں گے۔ ہر نئے سال کے پہلے روز صاحب لوگ فٹ پاتھ پر بیٹھے جوتے چمکانے والے اس جیسے کئی بچوں میں ڈھیر سارے تحائف بانٹتے تھے۔ وہ بھی ذہن میں مچلنے والی ڈھیر ساری خواہشوں کا تصور کرتا فٹ پاتھ سے نزدیک اس سپر سٹور کے دروازے پر بچوں کی قطار میں لگ گیا جہاں اب سے تھوڑی دیر بعد بچوں میں پیسے اور تحائف بانٹنے کی غرض سے سپر سٹور کے مالک کی آمد ہونے والی تھی۔

قطار میں اس کے پیچھے کھڑے چند بچے خیرات ملنے سے پہلے ہی اپنی اپنی پسند کی چیزیں خریدنے کے منصوبے بنا چکے تھے۔ وہ بیچارہ جو ساری رات پیسے ملنے کی خوشی کے مارے دیر تک جاگتا رہا تھا، اب کھڑے کھڑے اونگھ رہا تھا۔

"گلباز۔ جاگو!"

اسے قطار میں لگے ایک بچے نے نیند کی جھونک سے جگایا تو اس نے چونک کر ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔

اسٹور کا مالک آ چکا تھا اور بچوں میں پیسے بانٹنا شروع کر چکا تھا۔ اس کے ساتھ گلباز کا ہم عمر بچہ بھی تھا۔ تھوڑی دور اس کی لشکارے مارتی گاڑی میں اس کی بیوی بھی بیٹھی تھی اور سن گلاسز کے پیچھے سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ مالک کے ہاتھوں میں نئے نئے نوٹ دیکھ کر گلباز کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس کی باری آنے ہی والی تھی۔ وہ دل ہی دل میں زیادہ پیسے ملنے کی دعا کرتا جا رہا تھا۔

آخر کار گلباز کی باری بھی آ ہی گئی۔ اس نے پیسے لینے کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا۔ اسی لمحے اس کے پیچھے کھڑے شرارتی

لڑکوں کی جانب سے پوری قوت سے ایک ریلا اس کی سمت آیا۔

وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور مالک کے ساتھ کھڑے اس کے چھوٹے بچے کے اوپر ہی گر پڑا۔ بچہ گرنے سے زخمی ہو گیا اور اس کی کہنی اور ہاتھ سے خون رسنے لگا۔ یکدم مالک کو غصہ آ گیا اور اس نے گلباز کے گالوں پر دو

تھپڑ جڑ دیے۔

"جاہل۔۔۔۔لائن میں کھڑے ہونے کی تمیز نہیں۔" مالک نے تنفر سے کہا۔ گلباز حواس باختہ ہو گیا۔ اسی اثنا میں بیگم صاحبہ بھی تن فن کرتی گاڑی سے اتر آئیں اور گلباز کے منہ پر دو،

تین تھپڑ اور لگا کر اپنا فریضہ پورا کر دیا۔

"میرے بابر کو گرا دیا۔۔۔۔

۔ تمیز کہاں سے سیکھے گا۔ کبھی اچھے اسکول کی شکل دیکھی ہو گی تو تمیز سیکھے گا نا۔۔۔" بیگم صاحبہ بھی اس پر غرا رہی تھیں۔ گلباز حیران پریشان سا دونوں کے چہرے تکنے لگا۔ جو کچھ بھی ہوا تھا اس میں گلباز کی قطعاً کوئی غلطی نہیں تھی۔ "اب منہ کیا دیکھ رہے ہو؟ دفع ہو۔۔۔" مالک زور سے گرجا تو گلباز سہم کر قطار سے الگ ہو گیا۔ اس نے شرمندگی سے اپنی مٹھیاں اس طرح بھینچ لیں گویا ان میں اپنے معصوم خواب مسل ڈالے ہوں۔ نئے سال کے پہلے دن تھپڑوں کا تحفہ اس کے حصے میں آیا تھا۔ وہ مرے مرے قدموں سے واپس فٹ پاتھ کی طرف چل پڑا۔ پیسے بٹنے کا عمل پھر سے شروع ہو چکا تھا۔ گلباز حسرت سے دور بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ہر سال اس کے پیوند زدہ کپڑوں میں دو چار اضافی پیوند لگ جایا

کرتے تھے۔ ہر سال اس کی ماں اس کی کمائی سے اس کے نئے سال کے کپڑے بنانے کے لئے کچھ رقم پس انداز کرتی اور وہ پیسے کسی نہ کسی اور ضرورت کی نذر ہو جایا کرتے۔ وہ ہر سال پچھلے سال سے زیادہ محنت کرتا مگر ہر سال مہنگائی کا اژدھا اس کے معصوم ہاتھوں کی قلیل کمائی کھا جایا کرتا۔

وہ مرے مرے قدموں سے اپنی ماں کے پاس چلا آیا۔

آ گیا بیٹا؟ ماں نے اسے پکارا تھا۔

وہ کوئی جواب نہ دے پایا تھا۔ اس کی ماں نے اس کے خالی ہاتھ اور آنسوؤں سے تر چہرہ دیکھا تو ڈر گئی۔

کیا ہوا ہے میرے لال کو؟ "ماں نے نحیف ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے استفسار کیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا اور روتے روتے ساری روداد سنا بیٹھا۔

بیچاری ماں کا دل بھینچ گیا۔ ابھی گلباز کی عمر کھیلنے کودنے اور اسکول جانے کی تھی۔ جبکہ وہ بچپن ہی میں اپنی ہمت سے بہت زیادہ بڑے بڑے کام کرنے لگا تھا۔ اس نے دلار سے بیٹے کا معصوم چہرہ ہاتھوں میں لے کر کہا۔

"تو نا رو۔۔۔ کل تیرا داخلہ اسکول میں کرا دوں گی۔ تو بھی اسکول جایا کرے گا۔" ماں نے اسے ڈھارس تو دلائی تھی مگر وہ کشمکش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ وہ اگر اسکول چلا جاتا تو اس کے حصے کی کمائی کون گھر لاتا؟

"اماں۔۔۔۔ میں کام کب کروں گا؟" اس نے بے چین ہو کر سوال کیا تو ماں بولی۔

"جب تک تو اسکول سے نہیں آ جایا کرے گا، تب تک کام میں کیا کروں گی۔" ماں کے لہجے میں استقلال تھا۔

"پر۔۔۔۔ اماں؟" وہ الجھا مگر ماں نے اسے خاموش کرا

دیا۔ "اب کچھ مت سوچ۔ ناشتہ کر لے۔ کل رات سے کچھ کھایا نہیں ہوگا۔" ماں پیار سے اس کا سر تھپکتے ہوئے اسے ناشتہ کروانے لگی۔

دو افراد پر مشتمل یہ فقر و فاقہ کا شکار گھرانہ ننھے گلباز کی آمدنی پر انحصار کرتا تھا۔ گلباز یتیم تھا۔ اور بچپن سے ہی فٹ پاتھ پر بیٹھ کر جوتے پالش کیا کرتا تھا۔ ان حالات میں ان دونوں کو تین وقت کا کھانا ہی بمشکل نصیب ہوتا تھا۔ اسکول جانا تو گویا گلباز کے لئے دیوانے کا خواب تھا۔ جوں جوں وہ بڑا ہو رہا تھا، ہر گزرتا لمحہ اسے احساس محرومی میں مبتلا کرتا جا رہا تھا۔ وہ روز اپنے سامنے اسکول کے بچوں کو اجلے اجلے یونیفارم پہنے اسکول وین میں گزرتے دیکھتا تو سوچتا کہ یہ بچے ایسا کیا سیکھتے ہیں جس کا اسے ادراک نہیں۔

پرنسپل صاحبہ بابر کو دفتر سے اکیڈمک ریکارڈ بدلنے پر بری طرح ڈانٹ رہی تھیں اور وہ جواباً ہر خند نظروں سے انہیں گھور رہا تھا۔ اس کے چہرے پر شرمندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

"تم فیل ہو جانے والے تھے اور اس بات کا تمہیں یقین تھا۔ اسی لئے تم نے ریکارڈز چوری کئے۔ میں تمہیں اس چوری پر سخت سزا دے سکتی ہوں۔" پرنسپل نے غصے سے کہا۔

"کون سی چوری؟ کوئی پروف نہیں ہے آپ کے پاس اس چوری کا۔" بابر استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

"کس طرح بات کر رہے ہو مجھ سے۔۔۔؟ تمیز سیکھو۔" ادھیڑ عمر پرنسپل صاحبہ نے اپنی غصے میں پھولتی سانس بحال کر کے کہا۔

"اسی طرح بات کر رہا ہوں جیسی آپ کی اوقات ہے۔۔۔۔۔ آپ اور آپ کا یہ اسکول ہم جیسے سٹوڈنٹس کی فیس پر پلتا ہے۔ لاکھوں خرچ کرتے ہیں میرے پاپا۔ آپ کے اسکول کو ڈونیشنز الگ دیتے ہیں۔ ایک بار ہاتھ تو لگا کر دکھائیں۔۔۔ ہاتھ توڑ کر نہ رکھ دوں تو۔۔۔۔" بابر کے لہجے میں تنفر تھا۔

"بدتمیز" پرنسپل صاحبہ نے اس کے گال پر طمانچہ رسید کر دیا۔ گلباز یہ سب دیکھ کر گھبرا گیا۔ عین اسی لمحے دوسرا طمانچہ پرنسپل صاحبہ کے منہ پر پڑا تھا۔ وہ بے یقینی سے بابر کی جانب دیکھنے لگیں جس نے انہیں یہ تھپڑ رسید کر کے فوراً "بدلہ برابر" کر دیا تھا۔ گلباز یہ منظر دیکھنے کے بعد وہاں نہ ٹھہر سکا۔ اس کا تجسس ختم ہو چکا تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ جہاں تعلیمی اداروں میں علم مہنگے داموں فروخت ہوتا ہے وہاں تربیت اپنا بوریا بستر سمیٹ کر رخصت ہو جاتی ہے۔

گلباز نے پھر کبھی کسی اسکول کا رخ نہ کیا۔ زندگی کے تیرہ سال مزید گزر گئے۔ گلباز اب ایک کامیاب تاجر بن چکا تھا۔ اس نے اپنے حالات بہتر ہو جانے کے بعد خیرات دینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ وہ اپنے بچپن میں رہ جانے والی کمی کو دوسرے غریب خاندانوں کی مدد کر کے پورا کرنے لگا۔ زندگی میں سکون ٹھہر گیا تھا مگر بچپن کا وہ اسکول والا واقعہ اس کے ذہن سے محو نہ ہو سکا۔

ایک روز وہ اپنی دکان پر بیٹھا اپنی زندگی کے گزرے سالوں کو یاد کر رہا تھا۔ زندگی اس کے لئے کبھی بھی آسان نہیں رہی تھی مگر اس نے محنت سے اپنے حالات بدل لئے تھے۔ وہ اپنی سوچوں میں گم تھا جب وہاں اس سے ملنے چند اجنبی آئے۔ ان کے ہاتھوں میں کسی

فلاحی ادارے کے کارڈز اور پمفلیٹ تھے۔

ہم ایک فلاحی ادارے کے ممبران ہیں۔ ہمیں آپ سے اور مارکیٹ کے دوسرے افراد سے اپنا ادارہ چلانے کے لیئے مالی تعاون درکار ہے۔

ان میں سے ایک شخص نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔

مگر۔۔۔ میں۔۔۔

وہ الجھا۔ ابھی پچھلے ہفتے ہی تو اس نے ایک یتیم خانے میں بڑی رقم خیرات کی تھی۔

کیا سوچ رہے ہیں جناب؟

ان میں سے ایک دوسرے شخص نے کہا۔ نیکیاں جمع کیجئے۔ یتیم بچوں کے تعلیمی اخراجات پورے کرنے میں ہماری مدد کریں۔ آپ لوگ مدرسہ وغیرہ چلاتے ہیں؟ گلباز کو ایک دم ہی ان لوگوں کی باتوں میں دلچسپی پیدا ہوگئی۔

جی۔ ہمارا اسکول غریب بچوں کو مفت تعلیم فراہم کرتا ہے۔

ٹھیک ہے۔۔۔ مگر میں پہلے آپ کا اسکول دیکھنا چاہتا ہوں۔ گلباز نے فوراً ہی فیصلہ کر لیا اور کچھ دنوں کے بعد اسکول کی انتظامیہ سے ملنے چلا گیا۔

چند کمروں پر مشتمل چھوٹی سی اسکول کی عمارت میں طلبا کے لیئے کچھ زیادہ سہولیات موجود نہیں تھیں۔ مگر اس اسکول کا ماحول باقی اسکولوں سے قدرے مختلف تھا۔ طالبعلم فر فر انگریزی تو نہیں بول رہے تھے مگر ان میں نظم و ضبط تھا۔ اس اسکول میں تعلیم کے ساتھ ساتھ اچھی تربیت بھی کی جاتی تھی۔ گلباز کو وہاں کا ماحول بہت اچھا لگا۔ پرنسپل صاحب کے دفتر میں بیٹھ کر ان سے گفتگو کے دوران گلباز کو احساس ہوا کہ انتظامیہ اسکول کے مستقبل کے بارے میں اندیشوں میں مبتلا تھی۔

ہمارا اسکول طالبعلموں سے کسی قسم کی فیس کا مطالبہ نہیں کرتا۔ ہم سارے اخراجات ڈونیشن سے پورے کرتے ہیں۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں ایسے اسکولوں کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی۔

یہاں تعلیم فروخت نہیں ہوتی بلکہ یہاں بچوں کو مفت تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت کے لیئے اچھا ماحول بھی فراہم کیا جاتا ہے۔ اسی لیئے ہم اپنے طالبعلموں کو محض اعلیٰ تعلیم سے آراستہ نہیں کرتے بلکہ ہم انہیں اچھا شہری بننے کی تربیت بھی دیتے ہیں۔

لوگ مساجد کی تعمیر میں، لنگر عام میں، اور دیگر نیک کاموں میں پیسے خرچ کرنا ثواب کا کام سمجھتے ہیں لیکن تعلیم کو ایک غیر ضروری خرچہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اگر ہمارے اسکول کو مناسب فنڈز ملتے رہیں گے تو ہم بہت سارے بچوں کو تعلیم فراہم کر سکیں گے اور اس طرح بہت سارے گھرانوں میں علم کی روشنی پھیل جائے گی۔

پرنسپل صاحب کی باتوں نے گلباز کی سوچ کو ایک نئی سمت دے دی۔ وہ جگہ غریب و نادار طالبعلموں کی جنت تھی۔ وہاں علم مہنگے داموں فروخت نہیں ہوتا تھا بلکہ ہر طالبعلم کی تعلیم و تربیت کو یکساں اہمیت دی جاتی تھی۔ اس نے فوراً اسکول کے لیئے ایک خطیر رقم کا انتظام کیا اور آئندہ بھی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ اور پھر اس نے اسکول کے لیئے اپنے کئی کاروباری دوستوں سے چندہ اکٹھا کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ اس کی وجہ سے اسکول میں طالبعلموں کو بہت ساری سہولیات میسر آ گئیں۔

گلباز اپنی اس چھوٹی سی کاوش کے سبب اسکول کے

طالبعلموں اور انتظامیہ کے لئے ایک معتبر ہستی بن گیا۔ وہ ایک سادہ ورق جس پر کسی معلم کا سایہ تک نہ پڑا تھا، ڈھیر سارے مستقبل کے معماروں کی تعلیم و تربیت کے انتظام کا وسیلہ بن گیا۔ گلباز پچھلے تمام سالوں سے زیادہ خوش رہنے لگا اور اس کا ہر نیا سال پچھلے سال سے زیادہ اچھا ثابت ہوا۔

زندگی میں اپنے لئے محنت کرنے والے، اپنے حالات سنوارنے والے تو بہت سے لوگ ہوتے ہیں، مگر دوسروں کے حالات بدلنے والے بہت عظیم ہوتے ہیں۔

☆......☆......☆......☆......☆

ضرورت کس امر کی ہے؟ ضرورت صرف اس امر کی ہے اے ابن آدم کہ جس سے بھی تجھے الفت ہے اس کی قدر کرنا سیکھو، اس سے اظہار یہ ہے کہ اس کے گھر نکاح بھیجو نا کہ اسے ساری دنیا کے سامنے ذلیل و خوار کرو، یہی آپ کا مخلص پن ہے، آپ کی محبت آپ کی الفت کبھی بھی اظہار نہیں مانگتی اس لیے کبھی بھی ہوا کو رسوا مت کرنا، اسے ہمیشہ عزت دو اسکی قدر کرنا سیکھو۔

☆......☆......☆......☆......☆

افسانہ

مسیحا

از قلم..... مہک ماہیمان خان

آخری وقت میں اٹھ کے تیار ہو" ..

عروسہ نے حسب معمول مصفرا کے کمرے کی کھڑکی کا پردہ ہٹاتے ہوئے کہا ..

عروسہ ایک بڑی بہن ہونے کے ناتے یہ فرض روزانہ بخوبی ادا کرتی تھی، ورنہ شاید نیند کے بہانے مصفرا روزانہ ہی کالج کی چھٹی کر لے ..

"آپی آج بلکل ہمت نہیں ہے، عجیب کیفیت ہے دل گھبرا رہا ہے .. بابا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ان کو وقت دونگی آپ جا آج کالج" ..

مصفرا جو بابا کے پچھلے کئی دنوں سے شدید بیمار ہونے کی وجہ سے مستقل پریشان تھی، اور رات رات بھر ان کے پاس بیٹھی رہتی تھی، اس صبح کچھ غیر روایتی اور کشمکش کی حالت میں اٹھی تو عروسہ حیران ہوئی آخر ایک چلبلی اور تلملاتی اور بلند حوصلہ لڑکی کے چہرے پر ایسی نا امیدی کیسے دیکھی جا سکتی تھی ..

"بابا کو کچھ نہیں ہوا ہے اٹھ جا فورا، یہ روز روز کے بہانے کسی دن کالج سے ہی نکلوا دیں گے تمہیں .. اٹھو ناشتہ کرو شاباش اور تیار ہو" ..

دونوں بہنوں کی اپنے بابا کے ساتھ برابر کی محبت اور انسیت تھی، عروسہ نے کمزور دل ہونے کے باوجود تھوڑا سخت لہجے میں بول کے اپنا اور مصفرا کا بابا کی بیماری سے دھیان ہٹانے کی کوشش کی ...

"آپی، بابا کو کچھ ہو گیا تو ؟؟؟

آپی میرا دل کہہ رہا بابا ٹھیک نہیں ہیں، مجھے آج بابا کے پاس رکنے دو" ..

مصفرا کے چہرے پر زندگی میں پہلی دفعہ مایوسی دیکھ کر عروسہ کی آنکھوں سے آنسو گرنے ہی والے تھے کہ مصفرا اٹھ کھڑی ہوئی، اور عروسہ کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی ..

"آپی کچھ نہیں ہوگا بابا کو ان شاء اللہ، میں تیار ہو کر آتی ہوں " ..

دونوں بہنیں تیار ہو کر ناشتے کی ٹیبل پر پہنچی تو ماں ناشتہ لگا چکی تھی، عروسہ نے نظر دوڑائی تو ماں بابا کے پاس بیٹھی بابا کا سر سہلا رہی تھی ..

اس گھر جیتے جاگتے گھر میں ایسا ماحول پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا

تھا .. ہر کوئی اندر ہی اندر گھٹ رہا تھا .. جیسے خامشی کسی طوفان کی علامت ہوتی ہے ..

حسب معمول گھر سے نکلتے ہوئے عروسہ اور مصفرا بابا کے پاس پہنچیں .. لیکن شاید یہ صبح کچھ اور تھی .. روزانہ کالج جاتے ہوئے بیٹیوں کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دینے والا باپ آج ہاتھ اٹھانے کی بھی سکت نہیں رکھتا تھا ..

"جا بیٹا دیر ہو رہی ہے، بابا کی فکر نہ کرو میں ہوں ان کے پاس" ..

بے بسی کی اس فضا میں ماں نے بیٹیوں کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا ..

گھر سے نکلی تو مصفرا کا چہرہ سفید پڑتا جا رہا تھا، کوئی بات تھی جو آج اس کو اندر ہی اندر پریشان کر رہی تھی .. لیکن ساتھ ساتھ عروسہ اپنے بڑے ہونے کا بخوبی فرض ادا کر رہی تھی ..

ابھی آدھا راستہ ہی طے ہوا تھا کہ مصفرا لبریز داشتہ ہو گئی ..

"آپی میں جا رہی ہوں گھر، مجھے نہیں جانا کالج .. میں گھر جا رہی ہوں واپس" ..

"مصفرا پاگل مت بنو، یہاں سے اکیلی کیسے جاؤ گی واپس .. عروسہ نے مصفرا کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا ..

مصفرا شاید بابا کی تکلیف کو آج ضبط نہیں کر پا رہی تھی، اور اس کی اس کیفیت کو شاید اسوقت عروسہ بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی ..

"آپی تم بھی چلو واپس، کل چل لیں گے کالج .. بابا کے پاس چلتے ہیں آپی مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے" ..

"مصفرا، ہمت سے کام لو کیا ہو گیا ہے تمہیں .. کچھ دیر کی بات ہے پھر واپس گھر ہی جانا ہے" ..

عروسہ نے مصفرا کو کالج لے جانے کی آخری کوشش کی ..

"آپی پلیز زز" ......

اب مصفرا کے اندر مزید برداشت نہیں تھی ...

عروسہ اب مصفرا کو مزید نہیں سمبھال سکتی تھی ..

"اچھا سنو، ایک کام کرتے ہیں" .....

عروسہ نے ابھی بات شروع ہی کی تھی کہ فون کی بیل بجی ..

"ہیلو؟؟ "

"بیٹا واپس گھر آ جا" ..

"ماں؟؟ "

"بیٹا آ جا واپس گھر بس" ..

ماں کی سسکیوں کی آواز عروسہ کو بہت کچھ سمجھا چکی تھیں .. عروسہ کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا، آنکھیں سرخیوں میں ڈھلتی جا رہی تھیں ...

"آپی کیا ہوا؟؟؟"

مصفرا کی پریشانی اب تجسس میں بدل چکی تھی ..

"چلو مصفرا، گھر جانے کا وقت ہو گیا ہے" ..

عروسہ بری طرح بکھر چکی تھی ..

ماں کی ہچکیوں کی آواز، بہن کی پریشانی کا عالم، بابا کی فکر نے عروسہ کو اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا .. اللہ ہی جانتا تھا کہ ایک نرم دل لڑکی ان حالات سے کیسے لڑ رہی ہے .. اور وہ یہ بات جان چکی تھی کہ جہاں ساری تدبیریں ختم ہو جاتی ہیں وہاں "انسان کے لئے صرف ایک شخص مسیحا ہوتا ہے، اور وہ مسیحا وہ خود ہوتا ہے" ..

دبے پاں واپسی کا رخ کرتے ہوئے مصفرا کے ان گنت

سوالات ایسے تھے جن کا عروسہ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ عرعادہ کے اوپر بالکل سکتا طاری تھا .. بابا کا ایک ایک لفظ اس کے کانوں میں تیر بن کر گھس رہا تھا .. اس کی آنکھیں خون رو رہی تھیں کہ کاش، کاش آج واقعی بابا کے پاس رک جاتے۔

واپسی کا راستہ رفتار تیز ہونے کی وجہ سے بقدر کم تھا ..

عروسہ اپنی ماں کی لڑکھڑاتی ہوئی آواز کا سبب تو پہلے ہی جان چکی تھی، لیکن سب سے مشکل مرحلہ اسوقت اس کے لئے مصفرا کو سمبھالنا تھا ..

گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دی تو استقبال کے لئے ماں کی جگہ کسی اور نے دروازہ کھولا ..

گھر کے باہر محلے کے کچھ افراد اکٹھا دیکھ کر مصفرا پہلے ہی پریشان تھی، پھر غیر چہرہ دیکھ کر اس کی حیرانگی مزید بڑھ گئی، .. البتہ مصفرا ان سب باتوں کو کچھ کچھ سمجھ رہی تھی ..

"ماااااں؟؟"

مصفرا نے دروازے سے داخل ہوتے ہوئے زوردار آواز لگائی ..

"مااااااں" ...

تیز رفتاری سے بابا کے کمرے کی طرف لپکتے ہوئے مصفرا نے پھر ماں کو پکارا ..

عروسہ زاروقطار روتے روتے مصفرا کا تعاقب کرتی رہی ..

اس سے پہلے کے کوئی مصفرا کی آواز کا جواب دیتا .. مصفرا بابا کے کمرے تک پہنچ چکی تھی ..

ماں تو خیر اس قابل ہی نہیں تھی کے اٹھتی اور مصفرا کو تھامتی۔ کمرے میں محلے کی اکثر خواتین کو جمع دیکھ کر مصفرا معاملہ سمجھ چکی تھی .. لیکن شاید اس کی عقل ابھی تک اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے قاصر تھی کہ اس کے بابا .. اب اس دنیا میں نہیں رہے ..

"بابااااااا" ....

مصفرا نے زوردار چیخ لگا کر بستر پر لیٹے باپردہ بابا کی طرف قدم بڑھائے ..

یہ زندگی میں پہلا موقع تھا جب مصفرا بے پردہ اور اس کے بابا باپردہ تھے ..

کمرے میں موجود خواتین ہر طرح سے مصفرا اور دیوار سے ٹیک لگائے زاروقطار روتی عروسہ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ .. دوسری طرف ماں اپنے حواس پر قابو پانے کی پوری کوشش میں تھی۔

رونے اور چیخنے کا سلسلہ جاری تھا ..

اس سے پہلے اس گھر میں صف ماتم کبھی نہیں بچھی تھی، ایسی قیامت کبھی برپا نہیں ہوئی تھی، ایسے اداسی کبھی نہیں چھائی تھی ..

ماں نے اٹھ کر دونوں بیٹیوں کو یکدم گلے سے لگایا .. ماتھے پر بوسے دیئے .. عروسہ پر سکتا طاری تھا، مصفرا اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے ہی قاصر تھی ..

"اللہ گواہ ہے، آخری لمحے تک تمہارے بابا نے کسی کا سہارا نہیں لیا، ہمت کرو تم لوگ اس باپ کی اولاد ہو جس نے مرتے دم تک اپنی زندگی جی ہے" ..

ماں نے روتے ہوئے مصفرا اور عروسہ کو حوصلہ دیا ..

کیا لطف انجمن میں جب دل ہی بجھ گیا ہو ..

ماں اور عروسہ کی بے پناہ حوصلہ دینے کے باوجود مصفرہ اپنے بابا کے جانے کو ضبط نہیں کر پا رہی تھی، وہ سمجھ رہی تھی کہ کرب

دیا کی ایسی کیفیت کوئی دلاسہ کوئی ساتھ کام نہیں آتا، صرف انسان بذات خود اپنے آپ کو چاہے تو سنبھال سکتا ہے، اس کے علاوہ کوئی تدبیر کام نہیں آتی ..

مہلت کہاں دیتا ہے گزرتا ہوا موسم ..

تدفین کا سارا بندوبست ہو چکا تھا، تمام اہل محلہ و عزیز و اقارب جمع ہو چکے تھے، نماز جنازہ کا وقت مقرر ہو چکا تھا .. بابا کو غسل کے لئے لے کے جانے لگے تو گھر میں کہرام مچ گیا .. پھر کوئی کسی کو سنبھال نہیں سکا، کوئی حوصلہ کام نہیں آیا، اوسان خطا ہوتے جا رہے تھے ..

بابا عروسہ اور مصفرہ کو اکثر ایک تاکید کیا کرتے تھے، اور وہ تاکید دونوں کے کانوں میں گونج رہی تھی

"بیٹا میں مر جاں تو اپنی زندگی خود جینا، کسی کا سہارا نہیں لینا، یہ عارضی زندگی ہے یہاں تمہارا مسیحا صرف ایک شخص ہے اور وہ تم خود ہو" ..

انہی گمان میں بابا کو لے کے جا چکے تھے، دونوں بہنیں ابھی تک سوچ کے وجدان سے باہر بھی نہیں آ تھیں کہ اکثر لوگ واپس جا چکے تھے، کچھ مخصوص لوگوں کے علاوہ پورا گھر خالی ہو چکا تھا .. بابا کو سپرد خاک کر دیا گیا تھا ..

جان لیوا ہے لا حاصل کی تمنا کرنا .. کئی ان کہی باتیں مصفرہ کے دماغ میں گردش کر رہی تھیں جو وہ بابا سے کرنا چاہتی تھی ..

ماں بستر پر لیٹی تھی، عروسہ نے مصفرہ کو دیوار کے ساتھ بیٹھے دیکھا تو ہمت کر کے اس کے پاس جا پہنچی، شاید یہ بہترین وقت تھا کہ مصفرہ کو سنبھالا جا سکتا تھا، بابا کے بعد عارضی زندگی کے کئی حقائق تو ویسے ہی مصفرہ پر ناگہانی طور پر مصفرہ پر منکشف ہو چکے تھے، عروسہ نے موقع کی مناسبت سے مصفرہ سے بات شروع کی ..

رو نہیں مصفرا .. بابا چلے گئے لیکن ابھی وہ ماں زندہ ہے کہ تمہاری آنکھ سے آنسو زمیں پر گرتا نہیں ہے کہ اس کی دعا عرش کو ہلا کر رکھ دیتی ہے ..

لیکن دنیا کی کچھ بنیادی حقیقتیں ہیں، جن کو جانتے بوجھتے ہم آنکھوں پر پردہ ڈال کر جیتے ہیں .. ایک وقت ایسا بھی آئے گا مصفرا جب دعا کے لئے تمہارے پیچھے ہاتھ نہیں اٹھیں گے، جب اس ماں کا چہرہ بھی ماند پڑ چکا ہوگا، جب اس کی آنکھوں کا نور بجھ چکا ہوگا، جب اس کی زبان بے زبان ہو چکی ہوگی .. دیکھو، دنیا میں ہر انسان ہماری زندگی میں ایک مقررہ وقت کے لئے آتا ہے پھر چلا جاتا ہے، کل بابا تھے آج نہیں ہیں، آج ماں ہے کل ممکن ہے نہیں ہوگی . آج میں ہوں کل کوئی اور ہوگا .. یہاں ہر شے کو زوال ہے، یہاں ہر جاندار کی ایک انتہا ہے ایسی انتہا جس کے بعد کوئی امید نہیں ہے .. ہر شخص آتا ہے اور مقررہ وقت پر چلا جاتا ہے .. اصل ہونا تو وہ ہے تو تمہارا اپنا وجود ہے .. جو تم ہو، بس وہی ہے .. انسان کی حقیقت یہی ہے، دنیا کا دستور یہی ہے .. یہاں ہونا نہ ہونا ہے نہ ہونا عین ہونا ہے . اللہ نے انسان کو اختیار دیا لیکن قدرت اپنے پاس رکھی، یہی فرق ہے خالق اور مخلوق میں .. اللہ نے اختیار دیا، عقل دی، صلاحتیں دیں، شعور دیا، نعمتیں دیں .. جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ .. ہمارا مسیحا صرف ایک شخص ہوتا ہے اور ہم خود ہوتے ہیں ..

مصفرا، سقراط کہتا تھا انسان کی کامیابی میں صرف ایک

رکاوٹ ہوتی ہے، اور وہ رکاوٹ وہ خود ہے ..

سمجھ لو، تمہارا وجود ہی تمہارے موجود ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے .. دیکھو مور ناچتے ہوئے بھی روتا ہے، اور ہنس مرتے ہوئے بھی گاتا ہے .. عجیب اللہ کی قدرت ہے ..

یاد رکھنا، روز محشر صرف ایک صدا ہوگی، "نفسی نفسی .. نفسی نفسی" ..

جو ہو تم خود ہو، تمہارا بھروسہ، اعتماد، ایمان، یقین اور توکل سب صرف تم خود ہو .. اپنے کل کی تیاری کرو، عقلمند وہ ہے جو مرنے سے پہلے مرنے کی تیاری کرلے .. اس جان کا کیا ہے مصفرا، یہ جان تو آنی جانی ہے ..

آج تم ہو، کل شاید تم بھی نہیں ہوگی .. آج تم کسی کے لئے رو رہی ہو کل کو تمہارے لئے رو رہا ہوگا ..

دلبرداشتہ نہ ہو، حوصلے بلند رکھو .. اپنی سوچ کو چاند پر رکھو، چاند تک نہ بھی پہنچ سکو تو کوئی بات نہیں، تم کم سے کم ستاروں تک تو پہنچو گی ..

خود کو سنبھالو، خود مختار بنو

یاد رکھنا مصفرا بابا کہتے تھے، خالق کے بعد مخلوقات ہیں ..

"ہمارا مسیحا صرف ایک شخص ہوتا ہے، اور وہ ہم خود ہوتے ہیں" ..

☆......☆......☆......☆......☆

اگر تم ڈھونڈنا چاہو ......!

اگر تم ڈھونڈنا چاہو تو میں تم کو
خزاں آثار بے سایہ درختوں میں ملوں گا
جہاں مہتاب سے محروم راتوں کو خزاں آرام کرتی ہے،
جہاں گرتے ہوئے پتوں کے ماتم میں
ہوا کا ساز شامل ہے، مری آواز شامل ہے
اگر تم ڈھونڈنا چاہو تو میں تم کو
کسی ویران بستی میں، کسی بے آب صحرا میں ملوں گا
کہ میں صحرا کی اڑتی ریت کے ذروں کا حصہ ہوں
کوئی بھولی کہانی ہوں کوئی پارینہ قصہ ہوں
کسی دن تم جو آنکلو
کسی ویران قریے میں، کسی ایسے خرابے میں
جہاں کوئی نہیں رہتا
جہاں تاریک راتوں کو
خموشی چیخ کر اپنے مکینوں کو بلاتی ہے
اچانک اس خرابے میں
کہیں بیٹھا ہوا دیکھو، کسی تنہا مسافر کو
تو پھر اتنا سمجھ لینا کہ تم نے پالیا مجھ کو
اگر تم ڈھونڈنا چاہو......!

شاعر:۔ کرامت بخاری، لاہور

☆......☆......☆......☆

افسانہ

نئی رُتوں کے سنگ سنگ

از قلم..... دیا خان بلوچ

یار یہ دیکھو سر اطہر نے کیا کام دیا ہے۔۔ رباب نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ کیا کام دیا ہے؟ رل نے پوچھا۔ وہ اس وقت اپنی رپورٹ کے آخری مراحل میں تھی۔

نئے سال کے لئے سروے کرنا ہے، اولڈ ہوم۔ یار میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتی پھر بھی سر نے مجھے یہ کام سونپا۔ مجھے تکلیف ہوتی ہے یار، پتہ نہیں لوگ کیسے اپنے بزرگوں کو خود سے دور کر دیتے ہیں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ رباب تم اتنا نہ سوچا کرو۔ دیکھو ہم کیا کر سکتے ہیں، اور ویسے بھی اب یہ بہت عام سی بات بن گئی ہے۔ پلیز تم خود کو ہلکان نا کرو۔ اچھا یہ بتاؤ جانا کب ہے؟ رل اس کی طرف مڑتے ہوئے بولی۔ دو دن بعد۔ اس نے مختصر جواب دیا۔ ہوں، صحیح چلو تب تک میں کچھ نکات تیار کر لیتی ہوں۔

ٹھیک ہے میں بھی۔۔ یہ کہہ کے وہ بھی اپنے کیبن کی طرف چل دی۔ رل اور رباب ایک اخبار میں کام کرتی ہیں۔ بہت ہی محنتی اور خلوص دل سے کام کرنا ان کا شیوہ ہے۔ دونوں نے ایک ہی کالج سے پڑھا اور اب اکٹھے جاب بھی کر رہی ہیں۔ رباب کے والدین کی وفات کے بعد اس کی دادو نے اس کی پرورش کی۔ اس لئے وہ ان کے بہت قریب تھی۔ بزرگوں کی موجودگی سے جو سکون نصیب ہوتا ہے اس کا اندازہ اس سے بہتر کوئی نہ کر سکتا تھا۔

رل ایک بھرے پرے خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ دادا، دادی، امی، ابا، تین بھائی اور ایک بہن۔ بہت رونق رہتی تھی ان کے گھر میں۔ زندگی اچھی گزر رہی تھی۔

وہ دن بھی آن پہنچا جب ان دونوں کو اولڈ ہوم جانا تھا۔ اجازت انہیں بآسانی مل گئی تھی۔ ان کے ساتھ ایک درمیانی عمر کی خاتون تھیں، جو انہیں ساتھ ساتھ تفصیلات بھی بتا رہی تھیں۔ رل نے نوٹ کیا کہ رباب وہاں موجود ایک عورت کو بار بار دیکھے جا رہی تھی۔ بالآخر اس نے پوچھ لیا۔ کیا ہوا کیوں گھور رہی ہو انہیں؟ اس نے آہستہ آواز میں پوچھا۔ یار وہ ۔۔ ایسا لگتا ہے جیسے کچھ ڈھونڈ رہی ہیں۔ رباب نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ زلیخا ہیں۔ ان کے رشتے دار ان کو یہاں چھوڑ گئے ہیں کہ یہ ان کو بہت تنگ کرتی ہیں۔ اور یہ ایسے ہی رہتی ہیں اپنی ذات میں مگن۔ جب ان کے جاؤ تو یہی پوچھیں گی ملائکہ کو لائے ہو؟ ملائکہ کون؟ دونوں نے ایک ساتھ پوچھا تھا۔ ان کی بیٹی تھی۔ انہوں نے جواب دیا۔

تھی کیا مطلب؟ ذرا تفصیل سے بتائیں ان کے بارے میں۔ رباب نے پوچھا۔ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے نا۔ ان کی اکلوتی اولاد، شاید زندگی کا واحد اثاثہ وہی تھی۔ کہتے ہیں زلیخابی بی اور ان کے شوہر کو اللہ نے شادی کے پانچ سال بعد اولاد کی نعمت سے نوازا تھا۔ ان کی خوشی کی انتہا نا رہی تھی۔ بہت ناز و نعم سے پالا تھا۔ ماں کی آنکھ کا تارا تھی تو باپ کے دل کا ٹکڑا۔ ہلکی سی بھی خراش آتی تو ان دونوں کی جان پہ بن آتی تھی۔ اسی طرح وقت گزرتا رہا اور ملائکہ نے دسویں کا امتحان پاس کرلیا۔ سب بہت خوش تھے۔

اب کالج میں داخلہ لینا تھا۔ ابا فارم بھی لے آئے تھے۔ تب وہ ایک شام آئی جب ان سے ان کے جینے کی امید ہی لے گئی۔ ملائکہ اپنے ابا کے ساتھ مارکیٹ گئی تھی، نیا سال شروع ہونے والا تھا، وہ ابا کو ساتھ اپنی کتابیں لینے نکلی تھی۔ گھر میں زلیخا نے ملائکہ کی پسند کا کھانا تیار کیا تھا کہ اس نے فرمائش کی تھی پر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ اس کی آخری فرمائش ہوگی۔ راستے میں ہی ان دونوں کو کسی گاڑی والے نے کچل دیا۔ ملائکہ تو موقع پر ہی دم توڑ گئی۔ اس کے ابا بھی اگلے دن اس دنیا سے روٹھ گئے۔ اس کی تو دنیا ہی اجڑ گئی۔ نا تو پھولوں جیسی بیٹی رہی اور نہ ہی دکھ سکھ کا ساتھی۔ بس اس دن سے آج تک یہ سال کے آغاز پہ یونہی بے چین ہو جاتی ہے۔ اس نے گہری سانس بھری۔

ان دونوں کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ تو کیا ان سے کوئی ملنے نہیں آتا؟ رباب نے پوچھا نہیں، ان کی دیکھ بھال نہیں کرسکتے وہ۔ انہیں کچھ یاد نہیں بس یاد ہے تو اتنا کہ ملائکہ آنے والی ہے۔ روز اس کا انتظار کرتی ہیں اور انتظار کرتے کرتے ساری رات گزار دیتی ہیں۔ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں پلیز۔ رباب نے رندھی ہوئے لہجے میں کہا۔

جی ضرور۔ وہ خاتون انہیں زلیخا کے پاس لے گئیں۔ زلیخا نے غور سے دونوں کو دیکھا، پھر اچانک ہی رباب کے گلے لگ کے رونے لگیں۔ روتے روتے وہ ایک ہی نام لے رہی تھیں۔ ملائکہ، ملائکہ۔۔۔

تم آ گئی، مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گی۔ سب جھوٹ بولتے تھے۔ میرا دل سچ کہتا تھا۔ وہ بھی رونے لگی، ماں کی محبت کی پیاسی تو وہ بھی تھی۔ اسے لگا کہ اسے اس کی جنت مل گئی ہو۔ جب خوب جی بھر کے رولیا تو اس کے ہاتھ تھام کے بیٹھ گئیں۔ ایک لمحے کے لیے بھی اس کے ہاتھ نہ چھوڑے تھے شاید انہیں ڈر تھا کہ کہیں وہ کھو نا جائے۔ وہ باتیں کرتی رہیں سب کچھ جو وہ ملائکہ سے کرنا چاہتی تھیں۔ پھر اس سے وعدہ لیا کہ وہ ان سے اب دور نا جائے گی۔

رباب نے بھی وعدہ کرلیا تھا کہ وہ ان سے دور نہیں جائے گی۔ وہ انہیں اپنے ساتھ لے جائے گی۔ نئی رتوں کے سنگ ۔۔۔ نئے سال کے آغاز پر اسے ماں ملی تھیں۔ زلیخا کو اپنی بیٹی ۔۔۔ اب نیا سال ان کے لئے زندگی نوید لے کر آیا تھا۔ رشتے تو احساس کے ہوتے ہیں، پیار کے ہوتے ہیں، بھلا کون کہتا ہے کہ جس سے خون کا رشتہ ہو صرف وہی آپ کا ہے؟؟؟ کچھ رشتے دلوں کے بھی ہوتے ہیں ۔۔۔ جیسا رباب اور زلیخابی بی کا ہے ۔۔۔
زندگی مہربان بھی ہوتی ہے، ہر نئی رت کے سنگ سنگ ۔۔۔

☆......☆......☆......☆......☆

بابا شفیق گاں کا نمبردار فقط نام کا شفیق تھا . حقیقت میں اندر سے نہایت ہی جابر تھا. گاں کے سب لوگ اسکی بات کو حرفِ آخر سمجھتے تھے . کچھ دن پہلے جب نجی ادارے کی ایک ٹیم تعلیم نسواں کی آگہی پہ بات کرنے لئے گاں آئی تو بابا نے گاں میں ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا کہ یہ بات انکی غیرت کے خلاف ہے

.اس گاں کی بچیاں گھر سے باہر قدم بھی نہیں رکھتی اور ویسے بھی لڑکیوں کو سکول سے کیا لینا دینا . عورت گھر کی زینت ہے اور گھریلو کام کرکے ہی اچھی لگتی ہے . کالج کے مخلوط ماحول نے ہی معاشرے کو بگاڑ دیا ہے.. گاں کے لوگوں نے بھی حسبِ معمول بابا کی تائید کی.

وقت گزرتا گیا اور ایک دن گاں میں ہیضے کا مہلک مرض پھوٹ پڑا جس نے آنا فانا وبا کی شکل اختیار کر لی . کئی معصوم جانیں بستروں سے لپٹ گئیں.

زندگی کی شامیں اداسیوں میں تبدیل ہونے لگیں . کچھ عرصہ پہلے ڈاکٹر عالم نے گاں میں کلینک کھولا تھا لیکن وہ بھی بابا کی دھتکار کی نذر ہو گیا کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ انکے گھروں کی عورتیں کسی نرینہ معالج سے علاج کرائیں اور ڈاکٹر انکے جسم کا کوئی بھی حصہ دیکھے . اس سے بہتر ہے کہ گھریلو ٹوٹکوں پر اکتفا کیا جائے.

بیماری وبا کی شکل اختیار کر چکی تھی اور گاں کا ہر آدمی علاج کے لئے شہر کا رخ کرنے لگا تھا . شہر کے ہسپتالوں میں موجود لیڈی ڈاکٹروں نے نہایت سلیقے سے مستورات کا علاج شروع کر دیا تھا . بابا شفیق کی بیٹی بھی ایک بستر پر دراز تھی جو زندگی کے ساتھ سانسوں کی جنگ لڑ رہی تھی

.بابا نہایت پریشانی کے ساتھ اس کی نبض ٹٹول رہا تھا کہ اچانک ایک لیڈی ڈاکٹر آئی اور اس نے بڑے ادب کے ساتھ کہا باباجی انکی حالت خطرے سے باہر ہے آپ پریشان نہ ہوں . سفید کوٹ پہنے وہ خوبصورت لڑکی بابا کو ایک فرشتہ لگ رہی تھی جس نے اسکی بیٹی کی جان بچا لی ہو

.بابا سوچ رہا تھا اور اسکا ضمیر بار بار اسے طعنہ دے رہا تھا کہ اس لڑکی نے بھی کسی مخلوط ماحول کے کالج سے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی ہوگی یہ بھی ایک لڑکی ہے اسکے والدین بھی غیرتمند ہی ہیں.

کتنا عجیب ہوتا اگر اس وقت ہسپتال میں صرف نرینہ ڈاکٹر ہوتے اور اسکی بیٹی کا علاج اسکے سامنے ایک مرد کر رہا ہوتا.

کیا اس کی غیرت یہ بات گوارا کر لیتی۔ اس احساس سے ہی بابا کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

یک دم اس کی نظر اپنی پوتی پر پڑی جسے لیڈی ڈاکٹر چاکلیٹ کھلا رہی تھی اور پوچھ رہی تھی کہ بیٹی کیا آپ سکول جاتی ہیں؟

یہ سوال تھا یا خنجر جو بابا کے دل سے آر پار ہو گیا۔ اس نے دیوانہ وار اپنی پوتی کو گود میں اٹھا لیا اور ڈاکٹر سے کہنے لگا۔

"ڈاکٹر صاحبہ یہ ابھی چھوٹی ہے۔ اگلے سال ہی میں اسے سکول میں داخل کراں گا اور میری خواہش ہے کہ یہ ڈاکٹر بنے۔ ہمارے گاں کی سب سے پہلی ڈاکٹر۔"

دو موٹے موٹے آنسو بابا شفیق کی آنکھوں سے چھلک گئے اور اس نے اپنی پوتی پر اپنے بازوں کی گرفت مضبوط کر لی۔

☆......☆......☆......☆

درد یوں بے حساب اترا ہے
جیسے کوئی عذاب اترا ہے
چاپ دل بھی ہے حسن سرکار جاناں
کوئی آنکھوں میں خواب اترا ہے
دل نے کرنیں سمیٹ لیں کیا کیا
ان کے رخ سے نقاب اترا ہے
جھیل آنکھوں میں کیسی ہلچل ہے
کیا کوئی ماہتاب اترا ہے
اپنی یادیں سمیٹ لو تم بھی
پھر ضحیٰ اضطراب اترا ہے

☆......☆......☆

رتجگوں کی شاعرہ

لڑکپن کے اوائل سے شاعری کا آغاز کرنے والی ضحیٰ حسن کو شاعری کا حسن سنوارنے اور فنی تقاضوں کو پورا کرنے میں کچھ وقت تو لگا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمیں "بادل، جگنو اور خوشبو" جیسی خوبصورت کتاب ملی۔ اس نے اپنی عمر کے دیگر شعراء اور شاعرات کی طرح تکنیکی کمزوریوں کو چھپانے کے لئے نثری نظم کا سہارا نہیں لیا بلکہ فنی باریکیوں کو سمجھنے کی بھرپور کوشش کی ہے جس میں وہ بہت حد تک کامیاب رہی ہے اس کی گواہی کتاب کے مطالعہ سے مل جائے گی۔

ضحیٰ حسن نے اپنی شاعری میں تتلی، جگنو، بادل، دھنک، چاند، ستارا، خواب، رتجگے اور خوشبو کا استعمال اس خوبصورتی سے کیا ہے کہ ان کی معنویت تمام تر رعنائیوں اور اپنے شاعرانہ حسن کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ بقول پروین شاکر اس عہد کے جن چالاک بچوں نے جگنو کو دن کے وقت پرکھنے کی ضد کی ہے ان میں شاید ضحیٰ حسن بھی شامل ہے مگر اس نے چالاکی یہ کی کہ جگنو کو پرکھنے کے لئے دن کے وقت گھرے سرمئی بادلوں کا اندھیرا اوڑھ لیا جس سے جگنو پوری طرح نہ سہی مگر اس کی جگمگاہٹ کا احساس ضرور ہو گیا اور یہی احساس ضحیٰ حسن کی شاعری ہے۔

مطالعہ کرتے وقت "برسوں بعد" "کیا فرق پڑتا ہے" "کوئی اپنا بھی نہیں" "مکالمہ" "سالگرہ" "رائیگاں سفر" "سرزنش" اور بہت سی دوسری نظموں کی داد نہ دینا ادبی بے ادبی ہوگی۔

محمد اقبال اثر

☆......☆......☆

افسانہ

محبت جیت جاتی ہے

ازقلم..... نبیلہ نازش راؤ

محبت..... ایک ایسا جزبہ ہے، جو اپنے معانی، وسعت میں اور اثر کے لحاظ سے لامحدود ہے-- محبت کا یہ جزبہ دو دلوں کے درمیان ایک ایسے روحانی تعلق، ربط اور عمل کا نام ہے جو اپنے اندر بے پناہ اثرات و عوامل رکھتا ہے-- جب محبت سچی ہو تو دو دلوں کے درمیان یہ تعلق بعض اوقات عجیب معجزات دکھاتا ہے... کہتے ہیں "محبت ہار کے بھی جیت جاتی ہے "امر ہوتی ہے.. جو کبھی فنا نہیں ہوتی اور موت کے بعد بھی قائم رہتی ہے... سچی محبت اور دلوں کو تسخیر کرنے والوں کے درمیان مقدس، معصوم محبت کا رشتہ اگلے جہاں میں بھی قائم رہتا ہے..... گویا "سچی محبت" ایک ایسا عمل ہے جس کا اثر زندگی تک نہیں رہتا... بلکہ محبت دوسری دنیا میں بھی مسرت و انبساط کا موجب بنتی ہے

...

یہ.. عرصہ کی بات ہے جب ہندوستان اور پاکستان اکٹھا تھا تقسیم نہیں ہوا تھا -- ہندو اور مسلمان ایک ساتھ اکٹھے رہتے تھے-- ہمارے گاں نواب اف پاٹودی کے قریب ہندوں کا گاں تھا... ہندو اور مسلمان آپس میں پیار محبت سے رہتے تھے. اسی گاں میں ایک جاگیر دار سکھ جگ پال سنگھ رہتا تھا. جاگیر جگ پال سنگھ کی زمینوں کی دیکھ بھال اور کاشت گاں کے دوسرے لوگ کرتے تھے-- اس نے زمین کو کاشت کرنے کا اہم کام اسی گاں کے ایک مسلمان دین محمد کے سپرد کیا ہوا تھا. دین محمد کا ہاتھ بٹانے ان کا بیٹا اسغر آ جاتا تھا - کاشت کاری کے کام میں اسغر اپنے ضعیف والد کی مدد کرتا تھا دونوں باپ بیٹا بڑی محنت اور دیانت داری سے کام کرتے تھے، جس کی وجہ سے جاگیر ان پر بہت خوش اور مہربان تھا،

جاگیر دار جگ پال سنگھ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی بڑا بیٹا پنڈی میں پڑھتا تھا اس سے چھوٹا گاں میں ہی پڑھ رہا تھا.. دونوں سے چھوٹی بیٹی میترا تھی اس کی عمر 20 سال تھی جاگیر دار نوکری کرتا تھا جو تین، چار مہینے بعد گاں کا چکر لگاتا تھا گھر اور زمینوں کو دیکھ کر واپس شہر نوکری پر چلا جاتا. اسغر اور اس کے والد کاشت، نگرانی کے علاوہ جاگیر دار کے گھر کے بھی کام کرتے تھے... کئی گائے، بھینسیں بھی رکھی ہوئی تھیں... گھر میں دودھ اور دیسی گھی کے لیے. جن کے چارے اور ان کو سنبھالنے کا کام بھی دین محمد اور ان کے بیٹے اسغر کے ذمے تھا. ان کاموں کے سلسلے میں اسغر کا جاگیر جگ پال سنگھ کے گھر آنا جانا تھا. جب اسغر جانوروں کو چارہ ڈال رہا ہوتا تو جاگیر دار بیٹی میترا وہاں آ جاتی. اور خوب اسغر

سے باتیں کرتی وہ بہت حسین دوشیزہ الڑ مٹیار لااوبالی سی لڑکی تھی۔۔دونوں حسینوں جمیل اور نوجوان تھے... میل ملاپ کے مواقعے میسر تھے۔روز کا ملنا رنگ لایا۔دونوں بے تکلف اور ایک دوسرے کے قریب تر قریب آتے چلے گئے۔ملاقاتیں بڑھیں تو جھجک کی دیواریں گرتی رہیں۔جو آہستہ آہستہ محبت میں منتقل ہوگی۔پھر وہ ایک دوسرے کے لازم وملزوم اور یک جان دوقالب ہوگئے اور دونوں نے عہد وپیماں... شادی کرنے کا اٹل فیصلہ کرلیا

کہتے ہیں عشق او مشک چھپائے نہیں چھپتے... بہت جلد گاں میں ان کی محبت کا چرچا ہونے لگا.. جنگل کے آگ کی طرح ان کی محبت کی پریم کہانی جاگیردار جگ پال سنگھ تک پہنچ گئی جب جاگیردات صاحب کو اپنی بیٹی اور اسفر کی محبت کا علم ہوا تو وہ بہت پریشان ، کیونکہ وہ ایک مسلمان ہے۔دوسرے وہ اپنے نوکر کے بیٹے کے ساتھ کیسے شادی کر دیں۔اور اپنے خاندان اور آبا ؤاجداد کا نام کوڈوبو۔ بادیں ..لحاظ اس صورت حال کے پیش نظر جاگیر جگ پال سنگھ نے اپنی بیٹی کے لیئے رشتے تلاش کرنا شروع کر دیے۔تا کہ اس کی شادی کر دی جائے... اور یوں پریشانی سے چھٹکارا پالیا جائے --

جلد ہی ایک لڑکا جاگیردار جگ پال سنگھ کو پسند کرلیا جس سے میترا کی منگنی کر دی گ۔اور منگنی کے ساتھ ہی شادی کی ڈیٹ فیکس کر دی گ...شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ لیکن اسفر کیعلاوہ کسی اور لڑکے کا تصور بھی نہ کرسکتی تھی۔ہو تو صرف اور صرف میترا اسفر کو ہی اپنائے.. لیکن وہ اسفر کو اپنا شریکِ حیات نہیں بنا سکتی تھی اور وہ والدین کے سامنے احتجاج کی جرت نہ کر سکی کہ ان کے سامنے سر اٹھا سکے-- عجیب الجھن و پریشانی آن پڑی تھی... میترا نے چپ سادھ لی بلکل خاموشی اختیار کر لی وہ ہر وقت گہری سوچوں میں کھوء اور غموں میں ڈوبی رہتی--

****

محبت گنگناتی ہے
محبت جھلملاتی ہے
محبت مسکراتی ہے
ہائے رے محبت رولاتی ہے
محبت ستاتی ہے
محبت تڑپاتی ہے
محبت نام ہے
محبت بدنام ہے
محبت گمنام ہے
محبت انعام ہے
محبت جام ہے
محبت دام ہے
جو دلوں کے مول لگاتی ہے
محبت ریت ہے
محبت میت ہے
محبت گیت ہے
جو سہانے گیت سناتی ہے
محبت روایت ہے
محبت شکایت ہے
محبت حکایت ہے

محبت عنایت ہے

محبت عبادت ہے

جو بندگی سکھاتی ہے

محبت جان ہے

محبت ایمان ہے

محبت وہ کان ہے

جو شوکیس میں کرسٹل کے پیس سجاتی ہے

ہائے رے محبت رولاتی ہے...

ادھر اسفر میترا کے بغیر بے چین تھا، لکین میترا کو حاصل کرنا انتہا مشکل ہی نہیں.. نہ ممکن امر نظر آتا تھا. کیوں ان کے درمیان سب سے بڑی رکاوٹ مزہب تھا. دوسری دیوار ان کے ملن میں حائل مفلسی تھی. ان رکاوٹوں کو پھلانگ کر شادی کرنا نہ ممکنات میں تھا- ہر وقت ہنستے مسکراتے کھلکھلاتے خوش رہنے والے اداسیوں اور فکر و پریشانیوں میں ڈوبے رہتے -- جیسے جیسے شادی کی ڈیٹ قریب آ رہی تھی میترا کی پریشانی بڑھتی گئی -شادی میں صرف ایک دن باقی تھا رات کو میترا سوئی تو صبح زندہ نہ اٹھی جاگیردار کے گھر کہرام شور مچ گیا- میترا اپنے کمرے میں مردہ پائی گئی

-اس نے چوہے مار گولی کھا کر موت کو گلے لگا لیا اس خبر کا اسفر پر بھی بہت گہرا اور برا اثر ہوا اسفر نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور چند دن بعد ہی موت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب کر جہاں فانی سے کوچ کر گئے-- ان دونوں محبت کے متوالوں اور سچے عاشقوں نے عشق کے نام پر مر مٹے ان عاشقوں کی دردناک موت کی کہانی کا گاں گاں گلی گلی گھر گھر بہت چرچا ہوا جدھر دیکھتیں مرد و عورت بچے انہی کا ذکر کرتے اور ہاتھ ملتیے نظر آتے

ان دونوں کی موت کے چند دن بعد کی بات ہے کہ گاں کا ایک آدمی شہر سے گاں آ رہا تھا چاندنی رات اپنے جوبن پر تھی پر شہ چاندنی میں نہایا ہوا چمکتی نظر آ رہی تھی اچانک اس شخص نے دو سائیوں کو دیکھا جو ہاتھ میں ہاتھ ڈالے پیار محبت کی باتیں کرتے ہوئے ٹہلتے چہل قدمی کر رہے تھے. اگلے ہی لمحے یہ سائے صاف اور نمایاں نظر آنے لگے- یہ اسفر اور میترا تھیاس نے سب لوگوں کو اس آنکھوں دیکھے واقعے سے آگاہ کیا لوگوں نے اس کی بات پر یقین نہیں کیا چند لوگ اس کے ساتھ رات کو وہاں گئیا ور آدھی رات بیتنے کے بعد ایک پر اسرار نوجوان لڑکے اور لڑکی کو گاں کی گلیوں میں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے پیار و محبت کی باتیں کرتے دیکھا اگر کوئی ان کے قریب جانے کی کوشش کرتا تو وہ غائب ہو جاتا....

تب گاں کے لوگ اس پر اسرار واقعہ کی تفصیل کی تصدیق کرنے ایک بزرگ ہندو جوگی بابا کے پاس گئے جو اسی گاں کا رہائشی تھا یہ راتوں کو سانپ پکڑنے اور چلے کاٹتا تھا، اور علم الارواح کا تجربہ کرتا رکھتا تھا- روحوں سے باتیں کر سکتا تھا جوگی بابا نے گاں والوں کو بتایا، آپ لوگوں نے جو کچھ بھی دیکھا ہے وہ بلکل درست اور سچ ہے. اور یہ مناظر تو میں بہت دونوں سے دیکھتا چلا آ رہا ہوں - میں ہر رات کو ایک نو عمر لڑکی شمشان کی طرف سے اور ایک جوان لڑکے کو قبرستان کی طرف سے آتے دیکھتا ہوں- یہ دونوں آدھی رات بیتنے کے بعد اپنے اپنے ٹھکانوں سے آتے ہیں پیار بھری باتیں کرتے ہوئے ٹہلتے ٹہلتے گاں کی طرف چلے جاتے ہیں

۔میں ان دونوں کو پہلے ہی دن پہچان گیا تھا ۔لڑکی جاگیر پال سنگھ کی بیٹی میترا اور لڑکا دین محمد کا اسفر ہے ۔

جوگی نے مزید کہا، میں اپنے روحانی تجربات کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ حیات بعد از موت ممکن ہے ۔روح کبھی فنا نہیں ہوتی جو دوبارہ جسمانی لبادہ اوڑھ سکتی ہے میترا اور اسفر ہی ہیں جو اپنی پہلی زندگی میں تشنہ تکمیل محبت کی یہاں موت کے بعد تکمیل و تجدید کر رہے ہیں --یہ بالکل حقیقت ہے کہ "محبت ہار کر بھی جیت جاتی ہے" جو مرنے کے بعد بھی زندہ رہتی ہے-- سچے محبت کرنے والوں کا یہ سلسلہ مرنے کے بعد بھی جاری دوسری زندگی میں جاری وساری رہتا ہے

☆......☆......☆......☆

ارسطو ایک خدمت گار لڑکے سے مشہور فلاسفی کیسے بنا؟

تاریخ کے جھروکے سے ایک حیرت انگیز واقعہ

یہ سوا دو ہزار سال پہلے کا ذکر ہے۔مشہور یونانی فلسفی افلاطون نے ایتھنز میں اکیڈمی کھولی جہاں وہ امراء و شرفاء کے لڑکوں کو تعلیم دینے لگا۔ جب اکیڈمی میں خاصی چہل پہل ہوگئی، تو اس نے روزمرہ کام کاج کی خاطر ایک اٹھارہ سالہ لڑکا بطور خدمت گار رکھ لیا۔ وہ لڑکا چائے پانی لاتا اور دیگر چھوٹے موٹے کام کرتا تھا۔ یہ اکیڈمی صرف امراء کے لیے مخصوص تھی۔ چنانچہ لڑکا اپنا کام کر چکتا، تو باہر چلا جاتا۔ اُدھر جماعت کے دروازے بند کیے جاتے اور افلاطون پھر طلبہ کو تعلیم دینے لگتا۔ وہ لڑکا بھی دروازے کے قریب بیٹھا اندر ہونے والی باتیں سنتا رہتا۔ دو ماہ بعد افلاطون کی جماعت کا نصاب ختم ہوگیا۔ اب حسب روایت ایک شاندار تقریب منعقد ہوئی۔ اس میں شہر کے سبھی عالم فاضل شرکت کرتے تھے۔ طلبہ کے والدین بھی شریک ہوتے۔ تقریب میں جماعت کے ہر طالب علم کا امتحان بھی ہوتا، وہ یوں کہ ہر ایک کو کسی موضوع پر سیر حاصل گفتگو کرنا پڑتی ۔

چنانچہ اس تقریب کا موضوع ''علم کی اہمیت'' تھا۔ افلاطون کی جماعت سے حال ہی میں فارغ التحصیل ہونے والے طالب علم ڈائس پہ آتے، موضوع کے متعلق کچھ جملے کہتے اور پھر لوٹ جاتے۔ کوئی طالب علم بھی ''علم کی اہمیت'' پر متاثر کن تقریر نہ کر سکا۔ یہ دیکھ کر افلاطون بڑا پریشان ہوا۔ اچانک خدمت گار لڑکا اس کے پاس پہنچا اور گویا ہوا'' کیا میں تقریر کر سکتا ہوں؟'' افلاطون نے حیرت اور بے پروائی کی ملی جلی کیفیت میں اسے دیکھا اور پھر لڑکے کی درخواست مسترد کر دی۔ اس نے کہا'' میں نے تمہیں درس نہیں دیا، پھر تم کیسے اظہار خیال کر سکتے ہو؟'' لڑکے نے تب اسے بتایا کہ وہ پچھلے دو ماہ سے دروازے پر بیٹھا اس کا درس سن رہا ہے ۔

تب تک افلاطون اپنے تمام شاگردوں سے مایوس ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس نے اس نوجوان کو حاضرین کے سامنے پیش کیا۔ لڑکے کو تقریر کرنے کا اشارہ کیا۔ لڑکا بولنا شروع ہوا، تو آدھے گھنٹے تک علم کی فضیلت پر بولتا رہا۔ اس کی قوت گویائی اور بے پناہ علم دیکھ کر سارا مجمع دنگ رہ گیا۔ تقریر بڑی مدلل اور متاثر کن تھی ۔ جب لڑکا تقریر مکمل کر چکا، تو افلاطون پھر ڈائس پر آیا اور حاضرین کو مخاطب کر کے بولا'' آپ جان چکے کہ میں نے پوری محنت سے طلبہ کو تعلیم دی اور دوران تدریس کسی قسم کی کوتاہی نہیں برتی ۔ میرے شاگردوں ہی میں سیکھنے کے جوہر کی کمی تھی، اس لیے وہ مجھ سے علم پا نہ سکے۔ جبکہ یہ (لڑکا) علم کی چاہ رکھتا تھا، لہٰذا وہ سب کچھ پانے میں کامیاب رہا جو میں اپنے شاگردوں کو سکھانا چاہتا تھا۔''

۔آج دنیا اس "لڑکے" کو "ارسطو" کے نام سے جانتی ہے جس نے فلسفے سے لے کر سائنس تک میں اپنے نظریات سے دیرپا اثرات چھوڑے۔ اس کا شمار نوع انسانی کے عظیم فلسفیوں اور دانش وروں میں ہوتا ہے..........

☆......☆......☆......☆

افسانہ

ندامت

تحریر: افتخار اعوان

سخ کی سنہری کرنیں دوپہر کی تمازت میں ڈھلنے لگی تھیں کارخانہ زندگی اپنے معمول کے مطابق رواں دواں تھا ۔سندس کچن میں بڑی تندہی سے چکن جھونے کے علاوہ جھوٹے برتنوں کا ڈھیر دھونے میں مصروف تھی۔ گزشتہ رات کی سستی نے برتنوں کے ڈھیر میں دوگنا اضافہ کر دیا تھا۔ اس کی آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں لیکن صابن سے سنے ہاتھوں کے پاس ان آنسوؤں کو پونچھنے کی فرصت نہ تھی۔ اس کا ذہن صبح شوہر کے ساتھ ہونے والی جھڑپ کے باعث بوجھل تھا۔ وقت پہ نہ اٹھنے کے باعث ہر کام میں تاخیر ہوتی چلی گئی اور مجازی خدا کا مزاج برہم ہو گیا۔ وہ بکتا جھکتا دفتر چلا گیا اور سندس اس کے تلخ الفاظ کی بازگشت میں گھڑی ہلکان ہوتی رہی۔ تبھی فون کی مترنم گھنٹی اسے سوچوں کے جنگل سے باہر کھینچ لائی۔ وہ سنک سے ہاتھ دھو کر فوری طور پر کمرے میں گئی لیکن فون خاموش ہو چکا تھا مسڈ کال نوٹیفکیشن میں جگمگاتے نام پر نظر پڑتے ہی اس کے ہاتھ متوقع ذلت سے ایک بار پھر لرز گئے۔ کچھ سیکنڈز بعد فون پھر گنگنانے لگا لیکن اسے یہ گھنٹی صور اسرافیل سے کم نہ لگ رہی تھی اس نے دل کڑا کر سبز بٹن دبایا اور کان سے لگا لیا۔ حسب توقع اسکا شوہر اپنی بندوقوں کے دہانے کھول چکا تھا۔ کہاں مری ہوئی تھیں تم! گھنٹے سے فون کر رہا ہوں ہوش ہوتا ہے یا نہیں تمہیں؟

میں کچن میں تھی سجاد۔ کھانا بنا رہی تھی وہ مری مری آواز میں بولی۔

تو فون کچن میں پاس رکھ لیتیں کم عقل عورت! پتہ نہیں دھیان کدھر ہوتا ہے تمہارا؟ اور کھانے کی بھی خوب کہی تم نے نمک مرچ کے اس ملغوبے کو کھانے کا نام دے کر رزق کی توہین نہ کیا کرو جاہل عورت!

وہ خاموشی سے اس ذلت کو اپنے اندر اتارتی رہی۔ بولنے کی مجاز تو اس صورت میں ہوتی جب شوہر کچھ غلط کہہ رہا ہوتا۔

اب کچھ پھوٹو گی منہ سے یا میں ہی بکتا رہوں

جی۔۔۔وہ۔۔۔اس کی زبان کی لڑکھڑاہٹ سجاد کو مزید طیش دلا گئی۔ اففف!! بس کرو تم! میں نے یہ کہنا تھا کہ شام میں میرا دوست اپنی اہلیہ کے ساتھ آنا چاہتا ہے گھر۔ کچھ بنا لینا ڈھنگ سے۔ ہر بار سر نیچا کرواتی ہو تم۔ جھنجھلا کر کہتے ہوئے اس نے فون پٹخ دیا۔ آنسو اب پلکوں کی حدود سے مکمل بغاوت کر چکے تھے۔ ڈھیلے قدموں سے کچن میں گئی تو چکن کو ادھ جلا دیکھ کر اسکا دل چاہا اپنا سر پھوڑ لے۔ چولہے کی آنچ

دیکھی کرنا وہ بھول گئی تھی۔ایسی چھوٹی موٹی غلطیاں اسکا ایک معمول تھیں۔زندگی کا ازدواجی موڑ اس کے لیے بڑا سخت امتحان ثابت ہوا تھا۔میری یہ آزمائشیں جانے کب ختم ہوں گی؟اس نے تھکی ہوئی نظر موبائل فون کی سکرین پر ڈالی۔
ازدواجی زندگی تو ہمیشہ ہی ایک امتحان ہوا کرتی ہے لیکن تمھیں اس امتحانی نصاب کی تیاری کی فرصت ہی کہاں تھی؟ کرو امتحان میں تو ہرا اپنا انجان بن جایا کرتا ہے اب یہ گلے شکوے کیوں؟موبائل کی سکرین میں نظر آتی اپنی ہی شبیہہ نے اس ایک آئینہ دکھایا اس آئینے میں اب ماضی کے کئی عکس واضح تر نظر آنے لگے تھے۔

وہ اپنے بستر پر نیم دراز مووی دیکھ رہی تھی جب اس کے موبال کی میسج ٹون بجی۔سکرین پر اس کے کزن پلس منگیتر سجاد کا نام دیکھتے ہی ان کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔اس نے بیتابی سے میسج کھولا۔
سندس اس یک حرفی پیغام میں چھپی بیتابی سے وہ بخوبی واقف تھی لہذا فوری جواب دیا۔
جی جو!!
کیا کر رہی ہو؟
کچھ خاص نہیں سندس نے شرارت سے جواب دیا۔
پھر بھی
آپ کو میسج کر رہی ہوں
وہ تو ابھی کر رہی ہو ناں۔پہلے کیا کر رہی تھی؟
بستر میں لیٹی ہوئی ہوں۔آج بہت ٹھنڈ ہے ناں
ہمم۔ٹھنڈ تو واقعی بہت ہے۔کیا پہنا ہے آج؟

کپڑے سندس کو اسے تنگ کرنے میں خوب مزہ آتا تھا
کس کلر کے؟سجاد نے ایک رومانوی تانگی بھیجی۔
وہی جو آپ کو بہت پسند ہے۔۔بلیک۔۔اس نے اٹھلا کر جواب دیا۔اور ساتھ ہی اپنی تازہ ترین سیلفی بھیج دی۔سجاد کی خوشی کو ٹھکانا نا تھا اس نے جذبات سے چور لہجے میں ایک آڈیو میسج بھیجا۔جیسے ہیرا نکل رہا ہو کوئلے کی کان سے۔۔۔واہ بھئی!تمھاری ذہانت کا بھی جواب نہیں۔دل خوش کر دیا۔
سندس کے جواب ٹائپ کرنے سے پہلے ہی اسے اپنی ماں جی کی غصے سے بھری آواز سنائی دی۔سندس!!او سندس کی بچی!کب سے آوازیں دے رہی ہوں تمھیں اس کے ناز و انداز یکدم اڑنچھو ہو گئے موبائل سائڈ پہ رکھ کر وہ باہر گئی تو ماں جی کا پارہ ہائی ہو چکا تھا۔ہر وقت موبائل میں گھسی رہتی ہو۔نہ کھانے کا ہوش نہ پینے کا کبھی گھر کے کاموں میں بھی دلچسپی لے لیا کرو میں اکیلی جان کب تک مشین بنی رہوں انھوں نے اسکی ٹھیک ٹھاک کلاس لی۔وہ دل مسوس کر ان کے احکامات کی بجا آوری میں مشغول ہو گئی لیکن دھیان مکمل طور پہ موبائل اور سجاد کی طرف تھا۔
سندس تین بھائیوں کے بعد پیدا ہونے والی اکلوتی بیٹی تھی۔خوبصورتی بے پناہ تھی مگر ذمہ داری کے جھوں سے قطعی نا آشنا تھی گھر کے کاموں سے کوسوں دور بھاگتی تھی۔میٹرک کرتے ہی اسکے ماموں کے بیٹے سے منگنی اور منگیتر کے رومانوی مزاج نے اسے مزید لاپرواہ بنا دیا تھا۔اس کی ذومعنی باتیں،بے تابیاں اسے بہت بھاتی تھیں۔تین سال کا عرصہ انھیں بہت قریب لے آیا تھا۔لیکن زندگی میں

اعتدالیت سے وہ بے نیاز تھی ماں کے ڈر سے وہ مارے باندھے کام کر لیتی تھی پھر موبائل اور سجاد کی گفتگو میں کھو جاتی۔انھی خیالوں میں مگن سبزی کاٹتے ہوئے اسکا ہاتھ کٹ گیا۔ماں کی صلواتیں سنتے اسے بس ایک اطمینان تھا کہ اب گھر کے کام سے چھٹکارا مل جائے گا۔اندر جاتے ہی اس نے سجاد کو اس سانحہ عظیم کا پیغام بھیجا۔جوابی ردعمل اسے توقع سے زیادہ خوشگواریت دے گیا۔

زیادہ درد تو نہیں۔مت سوچا کر دناں میرے بارے اتنا۔اور کوئی ضرورت نہیں تمھیں گھر کے کام میں خود کو کھپانے کی۔۔مجھے بیوی چاہیے نوکرانی نہیں۔سندس یہ جواب سن کر خوشی سے نہال ہو گئی۔ان کی ٹیلیفونک گفتگو یونہی چلتی رہی۔سجاد کو نوکری ملی تو اس کے گھر والوں نے فوری شادی کی تاریخ پکی کر دی۔نوکری کی مصروفیت نے اسے تھوڑا الجھا رکھا تھا۔سندس کو لگتا تھا کہ اب ان کی بات چیت میں پہلے جیسی رنگینی نہیں رہی تاہم اسکی مجبوری سمجھتے ہوئے وہ دل بہلا لیتی تھی۔

شادی کی رسوم میں بھی ان کے پیغامات کا سلسلہ چلتا رہا۔کپڑے،جوتے،کاسمیٹکس،پرفیوم ہر چھوٹی سے چھوٹی بات وہ ایک دوسرے سے شئیر چکے تھے۔شادی کی ہر رسم کی تصویر سندس نے اسے پہلے ہی بھیج دی۔لیکن سجاد کا وہ دل دھڑکا دینے والا لہجہ اور فدا ہو جانے والی نظریں جانے کہاں کھو گئے تھے۔شادی کے بعد اولین دن تو قربت کی سرشاری میں پر لگا کر گذر گئے۔لیکن سجاد کے جس مخصوص رویے کی وہ عادی تھی،وہ اب بھی مفقود نظر آتا تھا۔شادی کے بعد ایک ماہ کا عرصہ انھیں سالوں پہ محیط نظر آنے لگا تھا خاموشیوں کا ایک عجیب سلسلہ پروان چڑھنے لگا تھا دونوں کئی بار گھومنے کے لیے جاتے لیکن خاموشی اور ایک نامعلوم کھنچاؤ ان کے ہمراہی ہوتے تھے۔وہ کوئی بھی بات کرتی تو سجاد کا ایک ہی جوب ہوتا۔کتنی بار بتانا ہے یہ قصہ؟ جانتا ہوں میں پہلے سے۔خود سجاد کو بھی اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ اس کی گفتگو کی پٹاری بھی الفاظ کے خزانے سے خالی ہو چکی ہے۔

دعوتوں کا سلسلہ ختم ہوتے ہی گھر کی ذمہ داری اس پہ آن پڑی۔اس کے سسرال میں ماموں اور ممانی کے علاوہ وہ کوئی بھی نہ تھا لیکن انتظامی صلاحیتوں سے عاری ہونے کی بنا پر وہ اس چھوٹے سے چمن کو سنوارنے سے بھی قاصر تھی۔ساس کے بھرپور تعاون کے باوجود کھانے میں بد سلیقگی اور دیگر معاملات میں اناڑی پن سجاد کو اس سے مزید دور کرتا جا رہا تھا۔اسکی شیریں زبان اور دعوے اپنی موت آپ ہی مر چکے تھے۔سندس اب محض منگیتر نہ رہی تھی۔وہ بیوی تھی جس کا اولین فرض گھریلو معاملات میں نظم و ضبط تھا۔مگر دوسری طرف سندس اس نئے امتحان میں مکمل ناکام ثابت ہو رہی تھی۔

سجاد کے والدین عمرہ کی ادائیگی کے سلسلے میں حجاز مقدس کے سفر کی تیاریوں میں مگن تھے۔ساس کی روانگی اسے مزید بوکھلا رہی تھی۔اس کی غلطیاں بڑھتی چلی جا رہی تھیں سجاد تنگ آ کر کہتا خدا جانے! مجھ سے کونسے ایسے گناہ سرزد ہوئے ہیں جس کی مجھے تمھاری صورت میں سزا مل رہی ہے۔

اس دن گھر میں میلاد منعقد کیا گیا تھا۔سجاد نے دفتر سے چھٹی کر رکھی تھی نعتوں کے اختتام پر درس کا انتظام بھی تھا محلے کے

مولانا صاحب کی بیوی دھیمے لہجے میں سامعین سے مخاطب ہوئیں۔

اللہ عز وجل تعالیٰ نے اس کائنات کو ایک خاص ترتیب اور نظم وضبط سے پیدا کیا ہے۔اس کائنات کی ہر تخلیق ایک خاص نظام سے چلتی ہے۔پس ہم دیکھتے ہیں کہ سورج کبھی چاند کے مدار میں نہیں آتا اور چاند کبھی سورج کی حدود تجاوز نہیں کرتا۔انسان اس کائنات میں اشرف المخلوقات کے عہدے پر فائز ہے یعنی اسکا رتبہ،مقام وفرائض دیگر تخلیقات کی نسبت حدود کی پابندی کا زیادہ متقاضی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حدود کی خلاف ورزی کے پار بے سکونی،بے ترتیبی اور تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم حدود سے مکمل واقف ہی نہیں۔چھوٹے چھوٹے کئی معاملات ایسے ہیں جن میں بے اعتدالی سے ہماری زندگیاں اپنی رعنائیاں کھو بیٹھتی ہیں۔مرد اور عورت بشری زندگی کا آغاز ہیں۔اور ان کی جانب سے معمولی لغزش بھی ان کی عائلی زندگی بے ترتیب کر دیتی ہے۔

ایک عموی معاشرتی رویے کے تحت رشتہ طے ہوتے ہی دونوں فریقین ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہوتے ہوئے بھی گفتگو کرتے رہتے ہیں۔گویا اللہ کی قائم کردہ حدود کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔انھیں علم بھی نہیں ہوتا اور ان کی آئندہ زندگی اس گناہ کی سزا تلے دب جاتی ہے۔

یہ رشتہ اپنی کشش کھونے لگتا ہے اور انجام جھگڑوں اور ایک دوسرے سے بیزاری کی صورت میں نکلتا ہے۔ہم شیطانی خیالات کے زیر اثر شادی سے پہلے ان زنا نما رابطوں کی جتنی بھی تاویلیں دے لیں۔مگر رحمانی دنیا کے اصول وضوابط اٹل ہیں۔غلط ہمیشہ غلط ہے جس کی سزا اس دنیا میں رہ کر ضرور ملتی ہے۔۔عورت کا مطلب ہے چھپی ہوئی چیز۔۔پوشیدگی،،راز۔۔۔اگر یہ راز قبل از وقت طشت ازبام ہو جائے تو ان کے باہمی رشتے کی خوبصورتی ہمیشہ کے لیے گہنا جاتی ہے۔۔۔۔باہمی کشش ختم ہو جاتی ہے۔

مولانا صاحب کی بیوی اور بھی بہت کچھ کہتی رہیں لیکن اندر بیٹھی سندس اور کمرے سے باہر موجود سجاد کے بدن سن ہو چکے تھے۔آج انھیں ہر سوال،گلے اور شکوے کا جواب مل چکا تھا۔غلطیاں تو ان دونوں ہی سے ہوئی تھیں۔سجاد ہمیشہ اسے ہر غلطی کا ذمہ دار ٹھرا کر اپنی انا کو تسکین دیتا رہا تھا لیکن اللہ کی حدود کی پامالی میں وہ خود بھی برابر کا شریک رہا تھا۔نفس کے ہاتھوں مغلوب ہو کر بڑے دعوے کرتا رہا مگر ناکام رہا۔۔اپنے رشتے کے درمیان حائل خاموشی،بیزاری اور گھریلو ماحول پہ چھائے ایک کہر کی وجہ اسے معلوم ہو چکی تھی۔۔۔یہ ان کے اعمال کی سزا تھی

۔۔اسی لمحہ اس کے کانوں میں اندر گونجتی یہ آواز پڑی۔۔اور بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔لیکن جو توبہ کر لے تو وہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔سجاد کی آنکھوں سے ندامت کے اشک رواں ہو گئے۔۔۔۔۔

☆......☆......☆......☆

سلام ہے ہمارے ملک کے ان جوانوں پہ جو ستاروں پہ کمند تو نہیں ڈالتے پر ایسے نادر نایاب طیاروں کی کمانڈ کرتے ہیں کہ سمجھو جان آفرین کو ملک کی ان نوادرات پہ قربان کرنے کی بے مثل کوشش کرتے ہیں۔

شہادت جو سوچیں تو خودکشی بھی کہلائی جا سکتی ہے اور اس سے تھوڑا آگے بڑھ کے اندازہ لگائیں تو قاتل کے زمرے میں بھی یہی بے چارے قسمت کے مارے آتے ہیں، کہ وہ طیارے میں تنہا تھوڑی تھے ابھی وہ مسافر جو عازم منزل ہیں وہ بھی مسافر سے شہدا کے درجہ پہ فائض ہو گئے۔

بھئی دیکھئے اس میں کسی کا کیا قصور کہ ہم نے تو جہاز کو چیک کیا تھا اور اس کا ایک انجن کام کر رہا تھا۔

اب ہمیں کوئی الہام تھوڑی تھا کہ جہاز میاں اوپر جا کے دوسرے انجن کو بھی رد کر ڈالیں گے، سب کی اپنی بولیاں

بھئی یہ تو فلاں معاملہ دبانے کو کیا گیا، فلاں بندے کی جان لینے کو کیا گیا اب اس کا کیا کیا جائے کہ ہماری عوام کمال کی ذہین ہے،

قیاس آرائیوں کا نہ تھمنے والا طوفان جتنی زور و شور سے اٹھتا ہے اتنا ہی جلد بیٹھ بھی جاتا ہے سوشل میڈیا پہ غمزدہ سٹیٹس ڈالے فرض پورا ہو گیا، چلو بھئی اب ایک گروہ کسی کو شہید قرار دے رہا ہے تو دوسرا عبرت ناک موت، سزا ہے بھئی نہیں جی شہادت ہے۔

اب ہم پیش گوئی میں بھی تو ماہر قوم ہیں، لو جی ہم بھی چلتے ہیں فرانس کے ماہرین آ گئے اب ہم لمبی تان کے سوتے ہیں فرانس، ہو یا کوئی بھی اور ملک وہ سب جان لیں گے ریموٹ اٹھایا ہے اگلی کسی بریکنگ نیوز کے لئے، پھر ملیں گے قیاس آرائی کے لئے۔۔۔

☆......☆......☆

نیا سال نئی امید

تحریر...... اقصیٰ مبین

ہر انسان امید پر زندہ ہوتا ہے وہ اپنی زندگی میں بہت سارے دکھ دیکھتا ہے اور اس امید پر جی اٹھتا ہے کے آنے والی صبح اس کے لیئے روشن ستارہ بن کر آئے گی اور اس کے دکھوں کو ختم کر کے خوشیوں کا سویرا کر دے گی اور ہم اپنے رب سے کئی امیدیں وابستہ کر لیتے ہیں کیوں کے ہمارا رب ہی ہے جو ہماری امیدوں کا سب سے بڑا سہارا ہوتا ہے

اور ہم اپنے رب سے امید کرتے ہیں اے خدا اس نئے سال میں ہماری اچھی امیدوں کو جگائے رکھنا ہمارے پیارے ملک سے ہر دکھ اور پریشانی کا خاتمہ کر دینا اور ہمارے ملک کو امن سکون کا گہوارہ بنا دینا

اللہ کرے یہ نیا سال پاکستان کے لیئے ترقی اور امن کا گہوارہ بن جائے ہم نے نئے سال کو دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہنا ہے اور سوچنا ہے کے ہم نے اس سال میں کون کون سی غلطیاں کی ہیں اور نئے آنے والے سال میں کوشش کرنی ہے کے وہ غلطیاں ہم سے دوبارہ نہ ہوں اور اپنے رب سے معافی مانگ کر نئے سال کا آغاز کریں

اللہ اس نئے سال کو ہم سب کے حق میں بہتر کرے اور یہ سال پچھلے سال کے زخموں پے مرہم رکھے

بیتا سال بہت سارے دکھ دے گیا ہے

بہت اپنوں کو ہم سے بہت دور لے گیا ہے وہ اپنے جنکے دم سے زندگی میں ہلچل تھی جن کے دم سے زندگی اچھی لگتی تھی وہ یاد نہیں آئیں گے کیوں کے یاد تو انکو کرتے ہیں جو بھول جائیں جو ہر دھڑکن میں بستے ہوں انکو کیسے بھول جائیں

امید ہے نیا سال خوشیوں کی نوید لے کر آئے گا ہر مصیبت کو ختم کر کے نئی صبح لائے گا بچوں بوڑھوں جوانو کے لیئے روشن ستارہ بن کر آئے گا

امید ہے نیا سال نئی خوشیاں لائے نئی چاہتوں اور نئی امیدوں کو جگائے گا۔۔ ☆☆......☆......☆☆

افسانہ

اف کتنی نادان ہوتی ہیں لڑکیاں

از قلم ... ماہ نور عنصر مغل

لوگوں کے لئے یہ جگہ معمولی سی ہوگی . لیکن میرے لئے یہ خاص ہے بہت خاص ! اس جگہ سے میری کچھ خاص یادیں وابستہ ہیں .

جگہیں خاص نہیں ہوتی . یادیں خاص بنا دیتی ہیں مجھے بھی کبھی یہ جگہ بہت خاص لگتی ہے اور کبھی بہت تکلیف دہ یاد ....

میں مریم ہوں . اپنے پاپا کی لاڈلی . ماما کی جان . اپنے کالج کی آؤٹ سٹینڈنگ سٹوڈنٹ . اپنے والدین کی طرح مجھے بھی ہر کام میں خاص رہنا پسند ہے .

میرے والدین کی پسند کی شادی تھی ان کے گھر والوں نے اچھی طرح سے کروادی . مجھے اپنے والدین کے بیچ محبت ہی محبت نظر آتی ہے .

آج جب میری شادی کے دن بہت قریب ہیں اور گھر میں شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری ہیں . تو اچانک میرا دل ہر شے سے اچاٹ ہو گیا اور میں جانے کب گھر سے نکل کر تان کی ویران سڑک پہ چلتے چلتے اس پارک میں آ نکلی . لیکن میں پارک میں کیا آ نکلی یوں لگا جیسے یادوں کی گلی میں آ نکلی .

اس دن میرا کالج کا پہلا دن تھا اور کالج چونکہ گھر سے زیادہ فاصلے پہ نہیں تھا اس لیے میں پیدل ہی کالج کی طرف چل پڑی . اس رات بہت زوروں کا مینہ برسا تھا اور سڑک کے ساتھ ڈھیروں پانی کھڑا تھا .

میں اپنی دھن میں جا رہی تھی کہ ایک گاڑی زن سے اس طرح میرے پاس سے گزری کہ میرے کپڑوں پر نقش و نگار بنا گئی مجھے بہت غصہ آیا کالج کا پہلا دن اور میرا یہ حشر میں رونے والی ہو رہی تھی . کہ گاڑی تیزی سے ریورس ہوئی اور میرے پاس آ کر رکی میں جو غصے میں گاڑی والے کو خوب سنانا چاہتی تھی .. لیکن گاڑی میں سے نکلنے والا لڑکا کچھ اتنا خاص لگا کہ میں گویا بولنا بھول گئی وہ مجھ سے معذرت کر رہا تھا اور میرے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا پھر جانے مجھے کیا ہوا کہ میں واپس گھر کی جانب بھاگ پڑی . شاید وہ وہیں کھڑا حیرت سے مجھے دیکھ رہا تھا . تو یہ تھی اشعر سے میری پہلی ملاقات .

پھر اکثر راستے ہمیں ایکدوسرے کے سامنے لانے لگے اور کچی عمر نے اس آمنے سامنے کو محبت میں بدل ڈالا

پھر محبت نے میرے اندر آسن جما لیا . میں جو کالج کی

بہترین طالبہ تھی اب کلاسز بنک کرنے لگی اور محبت نے انگلی پکڑا تھا دی میں تو اس اندھے رستے کی مسافر ہی ہو گئی۔ ہم اکثر اس پارک میں ملنے لگےبسوچے بغیر کہ میری ماں تو میری سہیلی ہیاگر میں یہ سب کرنے کے بجائے اگر ماما کو سب بتا دیتی تو وہ زیادہ بہتر تھا لیکن یہ عمر بہت نادان ہوتی ہے اس میں ایک ان دیکھا شیطان گھات لگائے رکھتا ہے اندر بھی اور باہر بھی۔ ان ہی دنوں گھر میں میرے رشتے کی بات چل پڑی اور ماما بھی اس معاملے میں سیریس ہو گئی تھی۔ میں نے گھبرا کر اشعر سے بات کرنے کی ٹھانی

اس دن بھی ہم پارک میں آمنے سامنے بیٹھے تھے اور میں اشعر کو اصرار کر رہی تھی کہ وہ اب اپنے والدین کو میرے گھر بھیج دے تا کہ میں اپنی ماما کو بتا دوں اور ہم ہمیشہ کے لئے ایک ہو جائیں لیکن اشعر کے صاف انکار اور بودے بہانوں نے میرے اوسان خطا کر دیئے

میں مریم یہ اعتراف کرتی ہوں۔ کہ اس لمحے میں اپنی ہی نظروں میں گر گئی۔ جب اشعر کے اس بہانے پر کہ اس سے بڑے بہن بھائی ابھی بغیر شادی شدہ ہیں میں نے اس سے یہ کہا کہ اس بات کا دھیان تمہیں ان راستے پہ لاتے ہوئے تمہیں کیوں نہیں آیا وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اس کے جواب نے مجھے پتھر کر دیا

یہ بات تو تمہیں سوچنی تھی مریم تم اتنی پارسا ہوتی تو اس وقت میرے ساتھ یوں پارک میں نہ ہوتی

کوئی جواز باقی نہ بچا تھا میرے پاس اس کی باتوں کا جواب دینے کو سو بہت خاص مریم مر گئی اس دن۔ یہ تو کوئی لاش تھی جو شکستہ قدموں سے پارک سے نکلی تھی۔

آج میں نے ماما کو اپنی رضامندی دے دی اس کے لئے جو میرے والدین نے میرے لئے منتخب کیا تھا گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

اپنی یادوں میں غوطہ زن میں کب اسی پارک کے دروازے تک پہنچ گئی اور دروازے سے پارک کے اندر کا فاصلہ بھی طے کر گئی مجھے معلوم بھی نہیں ہوا۔ میں نے رضامندی تو دے دی تھی مگر اندر کی ایک خوش فہم لڑکی کو اب بھی یہ لگتا تھا کہ اشعر کی بھی مجبوریاں ہوں گی جو وہ کچھ نہیں کر سکا مگر پیار تو وہ بھی مجھ سے کرتا تھا جانے کتنا پریشان ہو گا۔

جانتیں میرا یہ خیال کس دیوانے کا خواب ثابت ہوا جب میں پارک میں داخل ہوئی تو اشعر پہلے سے پارک میں موجود تھا اور اس بار یونیفارم میں ملبوس ایک اور کمسن لڑکی اسی جگہ بیٹھی تھی جہاں کبھی میں اشعر کے ساتھ ہوتی تھی اشعر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا ہوا تھا اور اس کے چہرے کو اسی طرح دلچسپی سے دیکھنے میں مگن تھا جیسے کبھی مجھے!.......

میں سوچتی ہوں کہ آج اس طرح پارک میں میرا آنا دراصل اللہ تعالی کا مجھ پر احسان تھا اگر آج میں یہ منظر نہ دیکھتی تو عمر بھر خلش میں رہتی۔ اب میں اس نادان محبت کی گٹھڑی اسی پارک میں پھینک کر اللہ اور اپنے والدین کے منتخب کئے ہوئے کسی خاص انسان کی زندگی میں پورے دل سے شامل ہو رہی ہوں۔

اف کتنی نادان ہوتی ہیں ہم لڑکیاں
دریا عبور کرتی ہیں۔ کچے گھڑے کو لیکر

قران پاک نے میاں بیوی کے متعلق جو تصور دیا ہے۔ وہ تصور، عزت واحترام کوئی اور معاشرہ پیش نہ کر سکا ہے نہ کر سکے گا۔ کیونکہ یہ رشتے مذہب اسلام سے منسلک ہیں۔ دین اسلام میں ہر رشتے کی اپنی الگ اہمیت بیان کی گئی ہیں۔
لیکن تمام رشتوں سے جو بالا تر رشتہ ہے وہ میاں بیوی کا ہے۔ کیونکہ دنیا میں بننے والا پہلا رشتہ میاں بیوی کا ہی تھا۔ جس کی زندہ مثال بابا آدم اور بی بی حوا ہیں۔ میاں بیوی کا رشتہ بننے کے بعد ہی باقی تمام رشتے وجود میں آئے۔
قران پاک میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔
"یہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو"
لباس سے مراد حکمتیں شامل ہیں۔
اول یہ کہ.. لباس سے تحفظ ملتا ہے۔
دوم یہ کہ لباس سے زینت ملتی ہے
سوم یہ کہ لباس سے ہمارے عیب چھپتے ہیں۔
سب سے ضروری یہ کہ لباس ہمارے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے اس طرح میاں بیوی کا اور بیوی میاں کا لباس ہیں۔ یعنی اک دوسرے کے اتنا قریب جتنا لباس ہوا کرتا ہے۔ قربت کا اس سے بہتر تصور اور کیا پیش کیا جا سکتا ہے

بیوی سے پیار سے پیش آنا۔
بیوی سے پیار کرنا۔ محبت بھری گفتگو کرنا نرم لہجے میں بات کرنا کچھ معیوب نہیں۔ بیوی میاں کی نصف بہتر ہے۔ دکھ درد کی ساتھی۔ بیوی نے محبت والفت جتانا کوئی شرم وعیب والی بات نہیں۔ خاوند چار لوگوں کے سامنے یا گھر والوں کے سامنے اپنی شریک حیات نرم لہجے پیارے انداز مخاطب سے پکارنے پر ذرا نہ شرمائے نہ ہچکچائے۔ کیونکہ زوجہ سے ہنسی مذاق کرنا پیارے ناموں سے پکارنا سنت نبوی ہے۔
بیوی کو تنہائی میں عزت دینے سے بہتر ہے سب کے سامنے عزت دی جائے۔ مان وپیار دیا جائے۔
نکاح کے دو بولوں میں اتنی طاقت ہے کہ دو الگ الگ مزاج ذہن رکھنے والے خوشدلی اور محبت کی رعنائیوں میں کھو جاتے ہیں۔
ہمارے پیارے نبی بیویوں سے محبت کرتے تھے۔
اک دفعہ سفر کے دوران حضرت عائشہ کا اونٹ بدک گیا اور حضرت عائشہ کو لے کر اک طرف بھاگ گیا۔
رسول عربی اس قدر بے قرار ہو گئے کہ زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔

بیوی سے پیار و محبت سے پیش انا دنت رسول ہے بیوی سے پیار و محبت سے پیش ائے ادھر ادھر کی باتوں میں اگر زندگی کے حسن کو نہ گھٹائیں. باہمی اعتماد و بھروسے کو فروغ دیتے ہوئے اپنے رشتے کو مضبوط اور پائیدار بنائیے .. میاں بیوی کے درمیان کسی تیسرے شخص کی گنجائش ہونی ہی نہیں چاہئے یہ گنجائش ہی بنے بنائے گھر کو بگاڑ دیتی ہے.

اللہ رب العزت نے روئے زمین پر جو پہلا رشتہ بنایا وہ تھا رشتہ ازداج اور اس کے بعد ہی باقی تمام رشتوں کو ترتیب دیا گیا تھا۔رشتہ ازدواج ۔میاں بیوی کا رشتہ تو ہے ہی ایسا کہ کانٹوں بھری راہ پر گزر ہو یا تاروں بھری چھاں اس رشتے میں ہمقدم ہو کر چلنا ہوتا ہے۔

میاں بیوی کو اک دوسرے کا ساتھ اور مان بڑھانا ہی ہوتا ہے تبھی یہ رشتہ استوار رہتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں ماں کی محبت عبادت کے برابر باپ کی محبت مقدس بہن بھائی کی محبت کی محبت فرض۔بیوی سے محبت جتانے جسکی شریعت میں کوئی ممانعت نہیں ہے تو کہا جاتا ہے کہ جادو کردیا ہے۔

بیوی کے آگے پیچھے پھرتا ہے، بیوی کی ضروریات کا خیال رکھنا خاوند کی ذمہ داری ہے، جسے وہ بااحسن طریقے سے اپنی خوشی اپنی بساط کے مطابق نبھانا نبھاتا ہے، تو بیوی کا غلام کہلائے جاتا ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اک سفر کے موقع پر اپنی ازواج مطہرات کے پاس آئے۔جو اونٹوں پر سوار جارہی تھیں۔اور ان کے ہمراہ ام سلیمہ بھی تھیں۔) اک حبشی غلام انجشہ تیزی کے ساتھ اونٹوں کو ہنکائے جارہا تھا(آنحضرت نے غلام کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔

تیرا ناس ہو اے انجشہ! شیشوں سے لدے اونٹوں کو آہستگی سے لے کر چلو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے یہ حدیث نقل کرنے والے مشہور تابعی حضرت ابوقلابہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلیہ۔بیوی سے متعلق شیشوں کو نرمی سے لے چلو۔

الفاظ استعمال فرمائے۔

اگر تم میں سے کوئی شخص ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے تو تم اسے عیب کی بات سمجھتے۔(صحیح بخاری(6149)

،نیک خاوند اور نیک زوجہ دونوں ایک دوسرے کے لیے سعادت ہیں، جس خاوند کو نیک زوجہ مل گئی یا جس زوجہ کو نیک خاوند مل گیا تو اسے زندگی میں سعادت مل گئی، جس پر دونوں کا سجدہ شکر بجالانا چاہیئے کہ باری تعالی نے نیک رشتہ ازدواج میں نیک سے واسطہ ڈالا اور اسکی عزت کو محفوظ کیا

خاوند کی توجہ ،چاہت ،کی اصل حقدار زوجہ ہے ۔محبت کا اظہار ضروری ہے، خاوند روٹھ جائے تو زوجہ منا لے ،زوجہ روٹھ جائے تو خاوند منالے۔۔۔۔۔تمام تر انا کو بالائے طاق رکھ کر رشتہ ازدواج کو خوبصورتی سے نبھائیں۔روٹھنے منانے کا عمل رک جانا، فاصلوں کو حائل کردے گا۔۔فاصلہ، دوری اس رشتے میں ممکن نہیں۔فاصلہ محبت کو زنگ آلود کردیتا ہے ۔۔۔۔شوہر کی جانب سے توجہ اور محبت پا کر بیوی خوشی سے سرشار اور مطمئن ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔

تحفے تحائف کے لین دین سے محبت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ کسی بھی رشتے کو خوشی سے ہمکنار کرتا ہے ۔تحفے تحائف

خاص رشتوں میں بھی دیئے جاتے ہیں، خاوند اور زوجہ ایک دوسرے کو یہ احساس کرائیں کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیئے ضروری اور خاص ہیں ۔ تحائف دینا محبت کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہیں ۔ تحائف میاں بیوی کو خوشکن احساس میں مبتلا کر دیتے ہیں ۔ محبت نئی نئی سی محسوس ہوتی ہے، خاوند اور زوجہ دونوں کی محبت، توجہ، حسن سلوک اک دوسرے سے منسلک ہونی چاہیئے ۔ شریکِ حیات، شریکِ سفر، نصف بہتر کو پھولوں کی مانند رکھیں گے تو ہی گھر خوشبوؤں سے مہکے گا۔ خاوند یا زوجہ دونوں میں سے جو بھی چاہے کہ اس کا شریکِ سفر ہنستا، مسکراتا، خوشیاں بکھیرتا رہے تو اسے چاہیئے کہ رشتہ ازدواج میں دوستی کا رشتہ بھی قائم کریں ۔ میاں بیوی کو اک دوسرے کا گہرا رازدار اور دوست ہونا چاہیئے تاکہ دونوں میں سے کوئی بھی اک نفسیاتی الجھنوں میں نہ الجھے ۔ اک دوسرے کو وقت دیں، باتیں شیئر کریں ۔ رشتہ ازدواج میں اعتبار، اعتماد، خلوص، چاہت، محبت، بھروسہ ہو گا تو بڑھتی عمر کے باوجود خوش باش، چاک و چوبند رہیں گے، بچے بھی صحت مند، خوبصورت قابل ہوں گے ۔ ساتھ ہی اعلیٰ صلاحیتوں کے بھی مالک ہوں گے ۔ خاوند اور زوجہ پیار محبت سے رہیں گے تو بچوں کے ذہن بھی مثبت رہیں گے، خاوند زوجہ کی لڑائی تکرار، جھگڑے سے بچے بری طرح متاثر ہوتے ہیں ۔۔۔

خاوند اور زوجہ دونوں اپنی طرف سے پوری کوشش کریں کہ آپ کی ذات سے آپ کے ہمسفر کو کوئی بھی غم و صدمہ نہ پہنچے ۔ دونوں اک دوسرے کی خوشی کا احترام کریں، دونوں اک دوسرے کی جائز خوہشات بقدرِ استطاعت بقدرِ شریعت پوری کریں ۔۔ جس سے اللہ کی نافرمانی نہ ہو، خاوند اور زوجہ دونوں اک دوسرے کو اتنا اعتماد، حوصلہ، اپنائیت اور چاہت دیں کہ وہ اندر ہی اندر گھٹنے کی بجائے اپنی ہر الجھن بلا تکلف اک دوسرے سے کہیں ۔۔۔۔

جہاں پر دو لوگ اک ساتھ رہتے ہیں وہاں کسی نہ کسی بات پر دونوں میں اختلاف ہونا بھی لازمی سی بات ہے ۔

زوجہ ۔ اور خاوند میں بھی کسی اختلاف پر جھگڑا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ۔ مسئلہ جب ہوتا ہے جب ہم چھوٹی چھوٹی باتوں کو انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

جو شخص کسی کا گھر برباد کرے، شوہر کو بیوی کے خلاف اور بیوی کو شوہر کے خلاف اکسائے اور دونوں میں پھوٹ یا جدائی ڈالے ۔ وہ ہم مسلمانوں میں سے نہیں اور جو عورت شرعی عذر کے بغیر شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے ۔ جہنمی اور منافقہ ہے ۔ جس پر جنت کی خوشبو حرام کر دی گئی ہے ۔

) صحیح بخاری، ترمذی، ابن ماجہ مسند دارمی (

خاوند اور زوجہ اک دوسرے پر بھرپور اعتماد کریں، یہ ہی اعتماد، چاہت، الفت، گھر بسانے میں معاون ثابت ہو گا، ایسی محبت سے گھر بھی مہکا مہکا رہے گا،

خاوند اور زوجہ دونوں کی خوشی، تندرستی اک دوسرے سے مشروط ہے،،

سلام ایک آفاقی دین ہے ۔ اس دین کو دنیا مین رائج کرنے کا اولین مقصد اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہے کہ اس کے بندے اک ایسا طرزِ زندگی اختیار کریں کہ دونوں جہان میں کامیاب اور سرخرو ہو سکیں ۔۔۔۔

حوا کی بیٹی

تحریر محمد ناصر ریاض سعودیہ عرب

آج کل جب بھی ٹی وی آن کرو تو سامنے حوا کی بیٹی پر ظلم و تشدد کی خبریں چل رہی ہوتی ہیں اور میرا دل غم سے بھر جاتا ہے کہ آخر کرنا کیا چاہتے ہیں ہم؟ آج سے 1400 سال قبل اسلام سے پہلے جو سلوک بیٹی کے ساتھ ہوتا تھا آج ہم اس سے بھی آگے نکل گئے ہیں ان کو تو پھر کچھ رحم آتا تھا چپ کر کے دفنا آتے تھے لیکن آج کل ہمارے معاشرے میں اس سے بھی بھیانک سزا پہلے دی جاتی ہے پل پل مارا جاتا ہے کیوں؟ کیا بیٹی ہونے کی سزا دی جاتی ہے؟ کیا وہ کسی کی بیٹی ہے نہیں؟ اس کے پیچھے کوئی آنے والا نہیں؟ کوئی ہم سے پوچھنے والا نہیں؟ آخر کیوں؟

پہلے تو لوگ گھر بھر کے جہیز لیں گے چاہے کسی کو اپنا گھر ہی کیوں نا بیچنا پڑے لیکن لاکھوں کے جہیز سے بھی تسلی نہیں ہوتی پھر جسمانی طور پر تشدد کر کے تسکین حاصل کرتے ہیں تب بھی جب دل نہیں بھرتا ان سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا رات ورات کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی مار دی جاتی ہے زندا آگ لگا دی جاتی ہے قتل کر کے نہر میں پھینک دیا کبھی مار کے بریف کیس میں بند کر کے سڑک پر ہی لاش پھینک دی۔

کس لیے؟ اگر یہ سب ان کی بیٹی کے ساتھ ہو تو؟

اپنی بیٹیوں کو عیش و عشرت میں جیتے دیکھنے کی خواہش کرنے والے کسی دوسرے کی بیٹی کے ساتھ وہ سلوک کرتے ہیں انسانیت بھی شرما جائے بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کے ہم تو نام کے بھی مسلمان نہ رہے ایسا سلوک تم زکم مسلمان نہیں کر سکتا یہ یقیناً وہی کرے گا جسکا ضمیر جسکا ایمان ختم ہو چکا ہو......؟ یاد رکھنا اگر کسی نے نہ پوچھا تو یہ آگ ہمارے گھر تک بھی آ سکتی ہے ہماری بیٹی، بہن کے ساتھ بھی ایسا ہو سکتا ہے یہ بھی کسی کی بیٹی تھی کسی کی بہن تھی کتنے خواب دل میں سجائے ہوں گے کتنے ارمان دل میں ہوں گے وہ تو خوشیاں بانٹنے گئی اسے کیا پتا بیچاری کو جو اس کے عزت کے رکھوالے بنے ہیں یہ ہی موت دیں گے۔

خدارا ایسا ظلم مت کریں اللہ تعالی کی لاٹھی بے آواز ہے دنیا میں ہی بھرنا ہوگا اس کی سزا بھی دنیا میں ہی ملے گی یاد رکھنا..

☆.....☆.....☆...........☆

اقوال زریں

جب انسان اللہ سے دور ہو جائے تو سکون انسان سے دور کر دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ اندیشہ اور خوف مسلط کر دیا جاتا ہے۔

پیسے گننے اور جمع کرنے والا غریب ہو جانے کے ڈر سے سو نہیں سکتا۔

انسان محبت کی سائنس سمجھنا چاہتا ہے اور یہ ممکن نہیں۔

ہم زندگی کا سفر تنہا شروع کرتے ہیں اور انجام کار تنہا ہی ختم کرتے ہیں۔ نہ کوئی ہمارے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور نہ کوئی ہمارے ساتھ مرتا ہے۔

ہمیں اپنے آنسو مقدس نظر آتے ہیں لیکن دوسروں کی آنکھ سے ٹپکنے والے آنسو ہمیں مگر مچھ کے آنسو نظر آتے ہیں۔

رفاقتوں سے محروم انسان بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور سب سے بڑی بیماری تنہائی بذات خود ہے۔ یہ بیماری بھی اور عذاب بھی۔

رات انسان پر نزول افکار کا ذریعہ ہے۔ رات کی عبادت افضل عبادت ہے۔ جس کی رات بیدار ہو جائے، اس کا نصیب جاگ اٹھتا ہے۔

ہمیں اپنے فیصلے اللہ کے حضور پیش کرتے رہنا چاہیے تاکہ ہم بھٹک نہ جائیں۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ، جن کو صرف ایک راستے کا سفر ملا ہے۔ ان کو کسی موڑ پر دوراہے پر کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

زندگی میں ایک وقت ایسا آتا ہے کہ انسان محسوس کرتا ہے جیسے اس کی آرزوئیں، اس کا حاصل، لاحاصل ہو۔

کوئی شخص پیدا نہیں ہوتا جب تک اس کے ہمراہ اس کا مقدر نہ پیدا ہو۔ اچھا یا برا۔ مقدر ضرور ہوتا ہے۔

حدیث مبارکہ:

ایمان لغت کے اعتبار سے کسی بات کو صحیح مان لینا ہے، اور شریعت میں ایمان کہتے ہیں۔

رسول ﷺ کی تصدیق کرنے کو، اللہ کی طرف سے پیغمبر جو کچھ لے آتا ہے اسے مان لینے کا نام ایمان ہے۔ محدثین کے نزدیک ایمان نام ہے، دل کے اعتقاد، زبان کے اقرار اور اعضا کے عمل کا۔ یہ حضرات ایمان کی تعریف میں ان تینوں چیزوں کو داخل کرتے ہیں لیکن جمہور اہل سنت کے نزدیک اس کا مطلب ایمان کامل ہے، یعنی اصل ایمان

تو دل کا کی تصدیق کا نام ہے۔ مگر وہ کامل اسی وقت ہوتا ہے جب زبان سے اقرار کرے اور ظاہری اعمال بجا لائے۔ اکثر علما اعمال کو ایمان کی تکمیل کے لیے شرط قرار دیتے ہیں۔ یعنی عمل کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ البتہ دنیا میں اسی شخص کو مسلمان قرار دیا جائے گا جو خود اپنی زبان سے اسلام کا اقرار کرے۔ ایسے ہی شخص پر اسلام کے احکام جاری ہوں گے، اگر کوئی شخص دل میں ایمان رکھتا ہو اس کے اظہار سے پہلے مر جائے تو اللہ کے یہاں وہ اپنے ایمان کی بنا پر مومن قرار دیا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ ایمان کا تعلق قلب سے ہے اور اسلام کا تعلق عمل سے۔ اگر ایمان کامل ہے تو وہ ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جتنا ایمان کمزور اور پھسپھسا ہو گا، اعمال بھی اتنے ہی ناکارہ اور بے جان ہوں گے۔

بہترین اسلام کون سا ہے۔

صحابہؓ نے (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کونسا اسلام عمدہ ہے؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا (اس آدمی کا اسلام) جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

کھانا کھلانا بھی اسلام (کے احکام میں) داخل ہے۔

عبداللہ بن عمرو سے سنا کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ کونسا اسلام بہتر ہے؟

آپ ﷺ نے جواب دیا کہ تم کھانا کھلاؤ، اور جانے انجانے آدمیوں کو سلام کرو۔

(بحوالہ کتاب، پارہ اول، کتاب الایمان، صحیح بخاری، جلد اول)

تاریخی واقعات

سلطان محمود غزنوی اپنے غلام ایاز پر اس قدر مہربان ہوا کہ اسے اپنا وزیر بنا لیا۔ درباری حسد کے مارے انگاروں پر لوٹنے لگے اور ایاز کے خلاف طرح طرح کی باتیں کرنے لگے۔ سلطان محمود غزنوی کے کان میں ان باتوں کی بھنک پڑی تو اس نے کہا کہ ان کو ایاز کی خوبیاں معلوم نہیں۔ چند دنوں بعد سلطان اپنے غلام ایاز اور دوسرے ارکان حکومت کے ساتھ کسی جگہ روانہ ہوا۔ راستے میں اس نے موتیوں کا صندوق گھوڑے سے گرا دیا۔ صندوق ٹوٹ گیا اور موتی بکھر گئے۔ سلطان نے حکم دیا کہ جس کا جی چاہے یہ موتی اوٹ لے۔ یہ کہہ کر وہ فوراً آگے بڑھ گیا۔ درباری موتیوں کو لوٹنے میں مشغول ہو گئے اور سلطان سے پیچھے رہ گئے۔ ایاز نے موتیوں کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا کیونکہ اسے سلطان محمود کا ساتھ چھوڑنا لمحہ بھر کو بھی گوارا نہ تھا۔

اب ان حاسدوں کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ سلطان محمود اپنے غلام ایاز کو کیوں محبوب رکھتا ہے۔

☆......☆......☆......☆

سلسلہ

روحانی خوشبو

"انچارج"۔۔۔عائشہ قاسم عاشی

:::::::: فرعون مرگیا لیکن ::::::::

فرعونیت ابھی زندہ ہے

"یہ لڑکا کون ہے جو ابھی گزرا ہے؟"
دو ہزار گز پر بنی قلعے جیسی حویلی سے بڑے سائیں کی پراڈو آہستہ آہستہ باہر نکل رہی تھی، جب سائیں نے اپنے کمدار سے رعونت سے سوال کیا تھا......
"زینت مائی کا پوتا ہے سائیں !!!
گھگھائی آواز میں جواب ملا
"اس کالی چمارن کا ."! بڑے سائیں چونکے ......ذرا روک تو اسے
"جو حکم سائیں" !
سامنے آتے ہی لڑکے نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے اور نظریں جھکا کر کھڑا ہو گیا ....
" کیا نام ہے تیرا....؟ اب آواز میں رعونت کے ساتھ نفرت اور بادلوں جیسی گرج بھی تھی .
"ھاھھ ...ھارون سائیں" ....
لڑکے کا سر کچھ اور جھک گیا
"اوئے ! یہ تو نہا دھو اور اتنا صاف ستھرا ہو کر بستہ اٹھائے کہاں جا رہا ہے؟"
غراتا ہوا سوال تھا
"سکول جا رہا ہوں سائیں !....
لڑکا واقعی خوف سے تھر تھر کانپنے لگا تھا .
"سکول !....اچھا!!!!! .... تو اب کمیوں کے بچے بھی سکول جائیں گے....؟"
ایک بھاری قہقہہ فضا میں گونجا .... آقا ہنسا تو حواری بھی ہنسنے لگے
"اوئے !پاگل ہو گیا ہے کیا ..... کبھی تیرے اگلوں نے بھی سکول کی شکل دیکھی ہے....؟ بڑے سائیں کی آواز میں اب بھی گرج تھی سرد موسم کے باوجود لڑکا پسینے سے شرابور تھا
"چل پھینک بستہ" ....
لرزتے ہاتھوں سے بستہ چھٹا اور ساتھ ہی لڑکا بھی گھٹنوں کے بیٹھتا چلا گیا ....
"چل اب یہ صاف کپڑے اتار"
دو نھیر کانپتے ہاتھ لمحوں میں اپنے وجود سے خوابوں کے پیرہن الگ کر چکے تھے ......

"چل !اب جوتے بھی اتار"
اب لڑکا ننگے پاں جھلنگی بدرنگ بنیان اور پاجامے میں آقا کے سامنے کھڑا تھا۔
"ہاں !اب لگ رہا ہے ناتو اپنی نسل سے ..... چل !اب زمین پر لوٹ لگا"
بڑے سائیں کا حکم حتمی تھا
خاک کو خاک پر لوٹتے وقت بھی "بدذات" کے ہاتھ جڑے ہوئے تھے
کئی نسل کا لڑکا غلامی کے جملہ آداب سے واقف جو تھا ....
"چل اٹھ !اب جا کر گند سمیت جھاڑو لگا" ....
چیچماتی پراڈو کا بلیک کوٹڈ شیشہ آہستہ آہستہ اوپر اٹھتا چلا گیا

بڑے سائیں کی بیوی نماز پڑھ کر تسبیح پر وظیفہ کر رہی تھی جب زینت مائی حویلی کے واش روم صاف کرنے آئے ....اس نے روتے ہوئے کہا۔ "اماں سائیں !تم تو ولی لوگ ہونا .....اللہ والے ہو !!!.....میرے ھارون کے لیے دعا کرو.....درگاہ والے بابا کہتے ہیں کہ اس پر کسی بڑے آسیب کا سایہ ہو گیا ہے..... کچھ دنوں سے کھاتا ہے نہ سوتا ہے ...... کچھ پہنتا اوڑھتا بھی نہیں ..... کئی دنوں سے گندی بنیان اور پاجامے میں ہے .....دن رات ننگے پاں دیوانوں کی طرح گلیوں کی جھاڑو لگاتا رہتا ہے ...... کچھ بولتا ہے نہ کچھ بتاتا ہے .....اسکی آنکھوں سے آنسو بہتے رہتے ہیں .....اماں سائیں !میرے ھارون کے دعا کرنا !!!!.....

قرآن کریم شفا ہے

مکمل قرآن کریم کی تلاوت کی جائے۔قرآن کریم ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔جو ہماری ظاہری اور باطنی تطہیر بھی کرتا ہے۔ہمیں وہ راہ دکھلاتا ہے جس پر چل کر ہم دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب و کامران ہو سکتے ہیں۔قرآن کریم کو اللہ تعالی نے شفا بھی فرمایا ہے۔کہ یہ جسمانی اور روحانی دونوں بیماریوں کا علاج بھی فراہم کرتا ہے۔اسی حوالے سے ہم اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں
اللہ تعالی نے قرآن مجید کو درج ذیل تین مقامات پر شفا ارشاد فرمایا ہے۔
اے لوگو !جو ایمان لائے ہو !تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کے لیئے شفا آ گئی"
"اور قرآن میں جو کچھ نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لیئے شفا اور رحمت ہے مگر ظالموں کے لیئے یہ قرآن خسارے کے علاوہ کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا"
"اے محمد کہو یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لیئے ہدایت اور شفا ہے"
قرآن مجید انسان کی تمام روحانی بیماریوں مثلا شرک، کفر، ریا حسد، بغض کینہ، عداوت وغیرہ کے لیئے تو بدرجہ اولی شفا ہے۔جیسا کہ سورہ یونس کی آیت میں یہ وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔لیکن سورہ بنی اسرائیل اور سورہ حم السجدہ میں قرآن مجید کو مطلقا شفا ارشاد فرمایا گیا ہے۔جس کا مطلب یہ کہ قرآن مجید جسمانی بیماریوں کے لیئے بھی شفا۔بہت سی احادیث بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں۔.........ان سطور میں ہم جسمانی بیماریوں کا ذکر کریں گے۔

اگرچہ بعض اہل علم نے قرآنی آیات کے مفہوم اور ذاتی تجربات کے حوالہ سے قرآن مجید کی بہت ہی آیات کو بے شمار امراض کا علاج بتایا ہے جس کی ہم نہ تردید کرتے ہیں نہ ہی تائید، البتہ ہم یہاں صرف ایسے امراض کا ذکر کریں گے جن کا علاج احادیث سے ثابت ہے۔

1- دل کے امراض کا علاج: دل کے مختلف امراض مثلاً دل کا تیز دھڑکنا) اختلاج قلب (، پژمردگی اور اضطراب قلب دور کرنے کے لیئے قران مجید کی بکثرت تلاوت کرنی چاہیئے۔ارشاد باری تعالی ہے۔

جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے(28)

مسلم کی روایت ہے کہ قران پڑھنے والوں پر اللہ تعالی کی سکینت نازل ہوتی ہے۔لہذا قرآن مجید کی بکثرت تلاوت دل کی تمام بیماریوں کے لیئے صحت بخش ہے۔

2- زہریلے جانور کے کاٹے کا علاج۔ زہریلے جانوروں کے کاٹے کی صورت میں سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا چاہیئے) بخاری (نیز سورہ الکافرون اور معوذتین پڑھ کر دم کرنا چاہیئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچھو کے کاٹنے پر اس جگہ کو نمک ملے پانی سے دھویا اور سورہ الکافرون اور معوذتین پڑھ کر اس وقت تک دم فرماتے رہے جب تک آرام نہیں آ گیا۔) طبرانی(

3- جنون مرگی اور سایہ وغیرہ: جنون اور مرگی کی بیماری میں روزانہ صبح وشام تین تین بار سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا چاہیئے) ابوداؤد(

4- تمام بیماریوں کا علاج: تمام بیماریوں میں سورہ فاتحہ کا دم بکثرت کرنا چاہیئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے "سورہ فاتحہ پڑھ کر جو چیز اللہ تعالی سے طلب کی جائے اللہ تعالی عطا فرماتے ہیں) "مسلم (نیز صبح وشام تین تین مرتبہ سورہ الاخلاص اور معوذتین پڑھ کر دم کرنا چاہیئے) ابوداؤد(

5- جانکنی کی تکلیف کا علاج: مرض الموت میں مریض کی عیادت کرنے والوں کو معوذتین پڑھ کر دم کرنا چاہیئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا معوذتین پڑھ کر آپ کو دم کرتی تھیں۔

6- **نظر بد کا علاج**: نظر بد سے بچنے کے لیئے معوذتین پڑھ کر مریض کو دم کرنا چاہیئے۔حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض دعاؤں کے ساتھ شیاطین جن وانس سے اللہ تعالی کی پناہ طلب فرمایا کرتے تھے۔لیکن جب معوذتین اتریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی دعائیں ترک فرما دیں اور معوذتین کو اپنا معمول بنالیا) ترمذی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے "پناہ مانگنے کی دعاؤں میں سے سب سے بہتر دعائیں معوذتین ہیں) "ابوداؤد(

7- **شیطانی وساوس سے بچنے کا علاج**: شیطانی خیالات سے بچنے قران مجید کی درج ذیل آیات کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم)ابوداؤد 2- (آیت الکرسی) بخاری (4- سورہ اخلاص پڑھ کر داہنی جانب تین بار تھو کنا چاہیئے) ابو

9- جادو کا اثر زائل کرنے کے لیے۔ جادو کا اثر زائل کرنا دراصل شیطان جن کو مغلوب کرنا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نصرت اور پناہ کے بغیر ممکن نہیں، لہذا جادو کا اثر ختم کرنے کے لیے درج ذیل قرآنی سورتیں اور آیات پڑھ کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے نصرت اور پناہ طلب کرنی چاہیے۔

1- تعوذ) ابوداد

2- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) مسلم، ترمذی، ابوداد

3- سورہ الفاتحہ) ابوداد (

4- سورہ البقرہ) مسلم ترمذی

5- سورہ البقرہ کی آخری دو آیات) بخاری

6- آیۃ الکرسی) بخاری

7- سورہ الاخلاص) ابوداد

8- سورہ الفلق، سورہ الناس) ابوداد، ترمذی، نساء، طبرانی۔

قارئین کرام! ہمارا ایمان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روحانی اور جسمانی بیماریوں کے لیے مذکورہ سورتوں اور آیات کے جو فضائل اور فوائد بتائے ہیں وہ اتنے ہی یقینی ہیں، جتنی ہماری موت یقینی ہے۔ ادویات سے بیماریوں کا علاج تو محض ایک جائز وسیلہ ہے۔ اصل بات تو اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔ اس بات کا مشاہدہ ہر آدمی کرتا ہے کہ ایک دوا سے مریض کو صحت حاصل ہو جاتی ہے لیکن دوسری بار وہی دوا اسی مرض اور اسی مریض کے لیے بے اثر ہو جاتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا امر ہوتا ہے وہ شفا دیتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا امر نہیں ہوتا شفا نہیں دیتی۔ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔۔)

☆..........☆......☆

بھیگی پلکوں والی شاعرہ

شاعری ہمارے کلچر اور ثقافت کی شناخت ہے ہم شاعری کے بغیر اپنے ادب ہی کو نہیں اپنے آپ کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ شاعری میں غزل وہ صنف ادب ہے جس میں انسان خود اپنے آپ کو تلاش کرتا ہے۔ اور دوسروں کے دکھ درد کو بھی محسوس کرتا ہے، اشک صاحبہ کے شعر سے صاف واضح ہوتا ہے

مت تلاش ان لفظوں میں صرف میری ہی ذات کو
کہ میرے ہر لفظ میں تجھے تیری ذات بھی ملے گی دوست

اور انسان، انسان کو پرکھنے اور زندگی کی حقیقتوں کو اور صداقتوں کو جاننے کے معیارات قائم کرتا ہے

یہاں غزل کے ادبی محاسن گنوانا مقصود نہیں صرف انسانی رشتوں کے ارتقائی مراحل کا ذکر کرنا ہے جو محترمہ ''اشک'' کی شاعری میں بدرجہ اتم موجود ہیں میری دعا ہے کہ ''پھر پلکیں بھیگ گئیں'' کی شاعری ادبی چمنستان میں ایک خوبصورت پھول کا اضافہ تصور ہو اشک صاحبہ کو پہلے شعری مجموعہ پر مبارکباد پیش کرتی ہوں۔

پروفیسر راشدہ ماہین ملک......اسلام آباد

☆......☆......☆......☆

اما او اما، وہ گھر میں داخل ہوتے ہے حسب ے معمول اما کو پکارنے لگا. کتنی عجیب بات ہے نہ کہ کام ہو نہ ہو ہم گھر میں جاتے ہی اما اما پکارنے لگتے ہیں اور جب اما نظر آ جائے جسے سکون مل جاتا ہے باہر کی ساری کثافت دھل جاتی ہے وہ بھی اما کو دیکھ کر مسکرا دیا تھا. وہ جا سبزی صاف کرتی اما کے پاس تخت پر بیٹھ گیا تھا اور یہاں وہاں نظر پھیری تھی، اما سمجھ کر مسکرائی تھی نوری، روشنی کو لینے اسکول گئی ہے تو بول کچھ بنا نوکری کا؟؟؟ اما نے اصل سوال کیا ہاں اما سیکورٹی گارڈ کی جاب ہے ،اسنے تھکے تھکے لہجے میں کہا تھا. بسم اللہ بسم اللہ شکر مولا تیرا ،ارے پھر منہ کیوں بنایا ہے؟؟ اللہ کا شکر ادا کر

کہ اسنے محتاجی سے بچایا زور ے بازو سے رزق عطا کیا اما بہت شکر گزار بندی تھیں اب کیا کہتا بہت مشکل لگ رہا تھا اسے پچھے رے ذاری کرنا مگر!!! اما سارا دن یا پھر ساری ساری رات ڈیوٹی پر رہنا ہوگا بہت محنت طلب اور تھکن والی نوکری ہے اسنے منہ بنایا،،، پاگل ہے تو یہ کام بڑے بڑے بزرگوں نے کیا ہے. تجھے اللہ پاک پسند کرتا ہے نوردین اما کے چہرے پر بہت اچھی سی مسکان تھی .اما کی سی کی گولی کا نشانہ بن گیا تو؟؟ مجھے روشنی سے بہت پیار ہے، اس کے لہجے میں باپ کی محبت جھلک ای میں اسے نہی چھوڑ سکتا اما، وہ بے بس سا ہو کر بولا تو تو اگر کام نہی کرے گا تو وہ تجھے چھوڑ جا ے گی نوردین، اما کے لہجے میں بھی اداسی آ گئی. نوردین کو یاد آیا وہ سب کچھ کر بھی روشنی کے لئے رہا تھا

روشنی اسکی پیاری بچی جسے پیدائشی دل میں نقص تھا اس کے علاج کے لئے بہت پیسے چاہیے تھے ورنہ تو وہ گاں میں زمیدار کا رکھا بن کر بھی خوش تھا، اپنی اما نوری اور روشنی کے ساتھ، مگر جیسے جیسے روشنی بڑی ہو رہی تھی اس کی زندگی کو خطرہ بڑھ رہا تھا وہ اپنے سامنے اپنی بچی کو مرتا نہی دیکھ سکتا تھا . تبھی وہ شہر آ گیا تھا اپنی کل کائنات اما نوری اور روشنی کو لی کر

چل نوری جلدی سے ناشتہ دے پہلا دن ہے کام کا اسنے باورچی خانے میں کام کرتی نوری کے پاس بیٹھتے ہووے کہا بس بیٹھ میں چا ے بناتی ہوں نوری نے آہستہ سے کہا، اسنے غور سے نوری کا چہرہ دیکھا، کیا بات ہے نوری تو چپ سی لگ رہی ہے؟؟ وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا نوری نے یوں دیکھا کہ جسے وہ جانتا نہی ایک ماں کی اداسی کی وجہ ٹھہر سا گیا

وہ، دیکھ نوری تو فکر نہ کر اللہ پاک سب بہتر کرے گا تو دیکھنا ہماری روشنی بھی دوسرے بچوں کی طرح بن جائے گی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ، مگر 12000 تنخواہ میں؟؟ سننے خود ہی خود سے سوال کیا چاء ٹھنڈی ہو گئی تھی نوری ویسی ہی چپ بیٹھی زمین پر نادیدہ لکیریں کھینچ رہی تھی وہ چپ چاپ اٹھ گیا چل رب راکھا،،،، رب رکھا نوری نے بس ہونٹوں کو تھوڑی سی جنبش دی تھی.

اسکی ڈیوٹی شہر کے ایک بڑے اسکول کے بھر لگائی گئی تھی معصوم کھل کھلاتے پھولوں جسے بچے وہ ہر بس سے اترتے ہوئے بچے کو دیکھ کر دل میں ماشاءاللہ پڑھتا اور روشنی کے صحتمند ہونے کی دعا کرنا نہ بھولتا، اسے پہلی تنخواہ ملی تو وہ اور زیادہ مایوس ہو گیا یہ تو گھر کا خرچہ بھی بامشکل چلتا شہر میں اخراجات بڑھ گے تھے تو کیا روشنی..... نہیں نہیں وہ کچھ اور بھی کرے گا کوئی دوسری نوکری، اماں اور نوری کو بتائے بغیر وہ دوسری نوکری کی تلاش میں لگا رہتا تھا دیر سے گھر جاتا روشنی کی بجھتی ہوئی آنکھیں نوری کی اداسی اماں کی اس سے امیدیں نہیں برداشت ہوتی تھیں اس سے آخر وہ کیا کرتا؟!!!

اس دن بھی شام بھر پھر کر کوئی سبب نہ ہوا تھا دوسری نوکری کا ہر طرف اداسی پھیلی ہوء لگ رہی تھی رنگ ماند تھے سب وہ راستے کی ایک ہوٹل پر بیسبب بیٹھ گیا تھوڑی دیر بعد اسے لگا کوئی اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا ہے اسنے آنکھیں اٹھا کر دیکھا کوئی انجان شخص تھا، جی آپ کون؟ میں کوئی بھی ہوں یہ چھوڑ دکیا تم پریشان ہو؟؟ جی مگر آپ؟؟ اللہ کی رہ میں جہاد کرو گے؟؟ جنت بھی ملے گی اور دنیا بھی!!! اسنے حیرت سے اس فرشتہ نما انسان کو دیکھا،،،، ہاں بیساختہ اس کے موسے نکلا تھا.

آج بہت دن بعد وہ گھر میں خوش ہو کر داخل ہوا تھا نوری سے چاء کی فرمائش کی تھی اور اماں کے تخت پر بیٹھ کر اماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا تھا آج بڑا خوش لگ رہا ہے ماشاءاللہ کسی کی نظر نہ لگے، اماں عادی تھی، روشنی کو بھی اپنے پاس بیٹھاتے ہوئے سننے اماں سے کہا اماں تو میرے لئے دعا کرتی ہے نہ مجھے کچھ نہیں ہوگا میں خوش بھی رہونگا اور میری روشنی بھی ہیں نہ اماں؟؟ ہاں بیٹا ضرور وہ ذات نوازنے والی ہے،، اماں موت تو حقیقت ہے بھلا انسان ڈرے کیوں؟؟ ہاں بیٹا موت تو اٹل ہے پھر کیوں نہ شہادت پالی جائے ہاں اماں تو صحیح کہتی ہے بڑے بڑے لگے تو بچے بہادر کیسے ہو نگے کیوں روشنی؟؟ میری بیٹی بہادر ہے نہ؟ ابی بابا میں بہت بہادر ہوں چوٹ سے بھی نہیں ڈرتی ہاہاہا سب روشنی کے معصومانہ جواب پر ہنس دیے تھے فضا جیسے خوشگوار ہو کر مہک گئی تھی

اماں کی بات سننے دل میں ٹھانی تھی کہ موت تو اٹل مگر ہمارے تیسرے امام حضرت امام حسین ع لیہ سلام نے شہادت کی دعا مانگی تھی،،،، وہ بھی جہاد کر کے زندہ و جاوید ہو جانا چاہتا تھا سے شہادت بھی ملتی اور روشنی کو زندگی بھی،،،، سے اس شخص کا بچینی سے انتظار تھا اور وہ قسمت سے اس دن آ بھی گیا تھا پھر وہ اس کے ساتھ گیا تھا تفصیلات لینے..... کچھ اور بھی وہاں پر لوگ پہلے سے موجود تھے وہ سب بھی محافظ تھے ملک قوم کے......

رات میں سننے بہت ساری باتیں کی تھیں روشنی سے نوری کو

ہمت دلائی تھی پھر جا کر وہ اما کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا اما ...ھمم اس کی پکار پر امانے تسبیح روک کر بس ہمم سے جواب دیا تھا .اما تم بہت اچھی ماں ہو اما ہلکا سا مسکرائی تھی اما میرے لئے ہمیشہ دعا کرو گی نہ؟؟ اما نے اسبات میں سر ہلایا تھا پھر اس پر تسبیح پھیر کر دعا کے لیے ہاتھ بلند کر لیے تھے اور وہ آرام سے باہر نکل گیا تھا۔

سب تیار تھے تقریبن بس وہ ہی لٹ تھا اتنی دیر؟؟ اس شخص نے آنکھیں چڑھیں تھین، نہیں جی اس دفع دیر ہونے سے بچ گئے ہیں ہم، وہ پر سکوں تھا، کیا مطلب ہے تیرا؟؟ رعبدار لہجہ بنانے کی کوشش کی گئی مطلب اس دفع کوئی گندہ کھیل کامیاب نہیں ہوگا تمہارا اسلام کہ نام کو بدنام کرنے کا، میں اپنی ایک روشنی کو بچانے کہ لیے اتنی سری روشنیاں گل نہیں کر دونگا ایسے تو پوری قوم اندھیرے میں گم ہو جای گی یہ کہتے ہوئی سے وہ بچی یاد ای جو زور سے پھول دے کر کہتی تھی کہ تھینک یو انکل آپ ہمارا خیال رکھتے ہیں،، تم مرو گے دشمن نے جال پھینکا تھا ہاں موت برحق ہے مگر میں شہادت پا کر موت کو بھی شکست دے دوں گا اما صحیح کہتی ہیں بس اس قوم کو بہترین اور مظبوط ترین محافظوں کی ضرورت ہے میری ما میری اچھی محافظ رہیں رہ روشنی کو بھی دنیا میں روشنیاں بانٹنے والا بنے گی ایک وہ گدار اس قوم کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے پاکستان زندہ آباد اللہ ہو اکبر اور زور دار دھما کہ فضا میں گونج گیا تھا۔

عظیم ماں کے عظیم بیٹے نے ایک بہت بڑی دہشتگردی کی کوشش ناکام بنا دی جان دے کر یہ ثابت کر دیا کہ اس قوم کا ہر بیٹا سپاہی ہے محافظ ہے شہید نے اپنے پیچھے ماںٔں اور بیوہ اعزاز دلایا ہے اور قوم اس عظیم ما کو ہمیشہ خراج کی تحسین پیش کرتی رہے گی۔ یہ روشنیوں کا سفر ایسے عظیم محافظوں کی ساتھ جاری رہے گا.....

کتنی معصوم تھی خوشی میری، بس اک تیری اس والی ہنسی، بس ایک اعتبار کا موسم، بس ایک خواب حقیقت جیسا، بس ایک رنگ تیری چاہت کا، کتنی معصوم تھی خوشی میری!!!!

☆......☆......☆......☆

ملتان (پریس ریلیز) شاکر شجاعبادی سرائیکی دھرتی میں سرائیکی شاعری کے حوالے سے بہت بڑا نام ہے اگر انہیں سرائیکی شاعری کا بے تاج بادشاہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا ’ان خیالات کا اظہار ملک کے معروف کامیڈین و فلم سٹار افتخار ٹھاکر نے شاکر شجاعبادی سے ڈبلیو ایس سٹوڈیو ملتان میں ایک ملاقات کے دوران کیا انہوں نے کہا کہ شاکر شجاعبادی پاکستان کے شعراء میں بہت بڑا نام رکھتے ہیں ’تخلیق کے سفر میں خوبصورت انداز میں سیدھے اور سادہ الفاظ میں وسیب کی محرومیوں اور امن کے سفیر کے فرائض نبھاتے ہوئے انسانیت کا پرچار کیا ہے‘ افتخار ٹھاکر نے کہا کہ شاکر شجاعبادی نے معاشرے میں ناانصافی ’سرمایہ داروں ’ جاگیرداروں کے ناروا سلوک کی بھرپور نشاندہی کی ہے ان کی شاعری نوجوان شعراء کیلئے مشعل راہ ہے انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ سرائیکی شاعری کے بے تاج بادشاہ شاکر شجاعبادی کے علاج معالجہ کیلئے خصوصی توجہ دے اس عظیم شاعر کی سرائیکی خدمات کو سراہاتے ہوئے ان کیلئے خصوصی مراعات دی جائیں۔

تعارفی مضمون ـــ

"مائکروفکشن / مائکروف"

تغیر کائنات کی روح رواں اور فطرت کی دلیل ن ہے۔۔اس سے انکار زندگی سے انکار ہے۔ ذرے سے صحرا، قطرے سے دریا، کونپل سے شجر، کنکر سے پتھر اور قطرہ شبنم سے لے کر اشک بیقرار تک ہر چیز اس کے دائرہ عمل میں مقید ہے جو علامت حیات بن کر حرکت سے عبارت ہے ۔۔۔اس حرکت کی ضد جمود ہے اور جمود ""موت "" ہے۔ آئین طے ہو چکا کہ جسے باقی رہنا ہے اسے جستجو کرنا ہو گی۔ نئے راستے، ان منزلیں، نئے شمس و قمر کی دنیا میں پیدا کرنا ہوں گی۔ اختلاف عمل کی اس دنیائے فنا میں ہر شے اس اصول سے واقف ہے اس لئے تازگی اور ترقی کی خواہش ہر جگہ نت نئی تبدیلیوں کو بدلتے موسموں کی طرح رواج دیتی ہے۔۔۔۔

ادب جو کہ زندگی کا جزو لاینفک اور وجود فکر میں حرارت کا موجب ہے اس پر اس اصول کا اطلاق نہ ہو یہ ہو ہی نہیں سکتا۔۔۔اسی حقیقت ازلی کے عرفان نے مدیر انہماک "سید تحسین گیلانی" کی فکر کے ایوانوں پہ دستک دی تو انہوں نے انکار کی خشک ہوتی زمین میں تغیر کا جو بیج بویا اس سے ادبی دنیا اور اس کے مکیں ""مائکروفکشن "" کے نام سے متعارف ہوئے۔ یہ بے شک یہ ایک مغربی صنف ہے مگر سید تحسین گیلانی کی زرخیز سوچ کو سلام ہے جس نے قدیم کو جدید میں ڈھالنے کا نہ صرف انوکھا خیال پیش کیا بلکہ مصمم ارادے اور ثابت قدمی سے علمائے ادب کی رفاقت میں مرحلہ وار اس کی صورت گری کا بھی بیڑہ اٹھایا ۔۔۔جسے تاحال پیارے منہمکین کی سنگت میں وہ خوشدلی سے نبھا رہے ہیں۔

۔اس صنف کو سمجھنے اور اس کی ترقی و ترویج کے لئیے معتبر ادبا کے تحقیقی مکالمے، مضامین اور انٹرویو کے ساتھ ساتھ گاہے بگاہے اس صنف کے حوالے سے انگریزی سے اردو تراجم بھی پیش کئے گئے جن کی مدد سے اس صنف کی روح کو نئے زاویوں سے سمجھا اور جانا گیا۔۔اب تک تجرباتی نشستوں میں چھ سو سے زائد تجرباتی امثال پیش کی جا چکی ہیں جنہیں روح ادب کے استاد ادبا اور ناقدین نے اپنے علم و فن کی روشنی میں پرکھ کر لکھنے والوں کے لئیے چراغ راہ روشن کئیے ہیں۔ منہمکین نے ہارر، سسپنس، سادہ بیانیہ، تجرید، علامت کے حوالے سے عمدہ تحاریر پیش کر کے اپنے قلم کے ہنر کو آزمایا ہے۔۔خواتین کے عالمی دن، لیبر ڈے، مدر ڈے کے حوالے سے خصوصی نشستیں بھی ہوئیں اس کیعلاوہ نادم

تحریر رمضان المبارک کی نسبت سے "حی علی الفلاح" کے عنوان سے مائکروفکشن کے بعد تا حال تجرباتی مائکروف کا سلسلہ جاری ہے۔۔۔۔

گزشتہ عرصے میں جو تحقیقی کام میں اس صنف کے حوالے سے ہو چکا ہے اس میں اس صنف کے نام پر بھی غور جاری رکھا گیا اور بالخصوص اس حوالے سے بار بار ادبا کی رائے لی گئی۔ مکالموں میں بہت سے نام سامنے بھی آئے۔ دنیا بھر کے ادبا نے بہت سے ناموں کی تجویز دی مباحث ہوتے رہے کسی نے "خرد افسانہ" کہا کسی نے "مفسانہ" کسی نے "منکشن... " آخر کار کراچی سے ہمارے ایک محترم دوست شفقت محمود صاحب نے "مائکروف" کی اصطلاح کو استعمال کرنا شروع کیا تو دیکھا گیا کہ ادبا کی کثیر تعداد نے اس "مائکروف" کو معتبر حیثیت دی اور خود بخود یہ نام مستعمل ہوتا گیا اور اسے قبولیت کی سند ملی، یوں نام کا قضیہ ختم ہوا۔ اس دوران انہماک فورم پر اردو کے معتبر ترین ناقدین و ادبا سے مکالمے بھی جاری رہے اس ضمن میں ابھی تک شموئل احمد) انڈیا (ستیہ پال آنند) امریکہ (نیلم احمد بشیر) لاہور (طلعت زہرا) کینیڈا (نسیم سید) کینیڈا (محمد حمید شاہد) اسلام آباد (شمسہ نجم) امریکہ (سلمی جیلانی) نیوزی لینڈ (ابرار مجیب) انڈیا (فارس مغل) کوئٹہ (صدف اقبال) انڈیا (نثار اقبال) کراچی (سلمی اعوان) لاہور (سلمی صدیقی) راولپنڈی (عاکف محمود) لندن (رفیع اللہ میاں) کراچی (شین زاد) کراچی (نعیم بیگ) لاہور (سید فصیح احمد) سعودی عرب (علی کاظم) مری (فیصل سعید) کراچی (ان سب کے مضامین / خطوط / نوٹس دو آرا مائکروفکشن کے حوالے سے انہماک فورم میں منظر عام پر آ چکے ہیں جنہوں نے اس صنف کے اسلوب و ہیئت کے حوالے سے بالخصوص بات کی اور کئی ادبا اردو میں اس کے روشن امکانات و مستقبل کی نشاندہی کی۔ اس صنف کی صورت گری کے ضمن میں سالار کارواں سید تحسین گیلانی صاحب) مدیر اعلی انہماک انٹرنیشنل فورم (کا کہنا ہے کہ:

""" مائکروفکشن کی صورت گری کے حوالے سے انہماک میں شامل مائکروفکشن مثالوں کی بات ہے تو عرض ہے وہ نشستیں مشق سخن سے متعلق ہیں ان سب سے ہی بہترین مثالوں کو سامنے رکھ کر ہم ان کی صورت گری کرتے چلے جائیں گے ان پر کام ہو رہا ہے میں اور دیگر دوست نوٹس بنا رہے ہیں ...... لیکن یاد رکھیے یہ سب کہانی کے بہتر ہی ہوگا.. انجام .... منظر نگاری.... حیرت... ہر مائکروفکشن کا حصہ ہوں گے۔ ہاں ہر مائکروفکشن میں جزئیات نگاری کو خاصی اہمیت حاصل ہو رہی کیونکہ وہاں لفظوں سے قاری کو سارا منظر دکھانا ہوتا ہے لکھتے لکھتے قلم مائکروفکشن کی جسامت کو تو بھانپ گئے ہیں اور ان کا قلم خود بخود طے کرتا گیا کہ اس کا حجم کیا ہو۔ موضوع کے اعتبار سے لفظوں کی تعداد 600 تک جا سکتی ہے۔

مائکروف جدید دور کی اہم ترین ضرورت بھی ہے اور اس صنف میں تخلیقی بیانی زیادہ اہم ہیں ہمارے ہاں سو لفظی کہانیوں کا چرچا ہے اچھا ادب میں ایسی اصناف کی پزیرائی ہونا چاہیے لیکن مائکروف افسانچے / سو لفظی کہانی سے الگ ایک ایسی صنف ہیں جس میں داستان کا لطف / قصہ گوئی کی چاشنی / افسانے کا فسوں اور ناول کی جزئیات نگاری مکالمے

سب در آ سکتے ہیں کم لفظوں میں بڑی بات گہری بات اور گہری فکر سے جوڑتا مائکروف اس وقت ادبا کے لیے لکھنے کا ایسا تخلیقی رستہ ہے جہاں سب خود کو جیتا جاگتا اور مکمل تخلیق سے جڑا ہوا پاتے ہیں""۔

سید تحسین گیلانی کی زیر سرپرستی مائکروفکشن کی ترویج، ترقی اردو ادب کی تاریخ کا بے مثال اور انوکھا کارنامہ ہے اس صنف پر مزید تحقیقی کام جاری ہے دنیا بھر کے عالم ادبا اس اپنے طور پر اس صنف کی ہیئت، اسلوب میں بہتری کے لیے مقالے اور مضامین لکھ کر ادبی خدمت سرانجام دے رہے ہیں ------

پرنٹ میڈیا بھی اس تاریخی، تحقیقی ادبی تحریک کے اغراض و مقاصد سے آگاہ ہوتے ہوئے مائکرو فکشن کی اشاعت میں جوش و خروش سے حصہ لے رہا ہے --"قومی تنظیم)"انڈیا(اور " گوشہ ادب)"انڈیا(کے مدیران کا تعاون بالخصوص قابل ذکر ہے ---جو تسلسل سے تجرباتی امثال کو اپنے اخبار کی زینت بنا کر اس ادبی سفر میں قدم قدم ہمارے ساتھ ہونے کا ثبوت دے رہا ہے ---"اردو لنک) "امریکہ(میں بھی اشاعت یقینی ہے ------یہ بات خصوصی طور پر قابل -ذکر ہے کہ اردو ادب کا پہلا "مائکرو فکشن نمبر" ---شائع کرنے کا سہرا ---ماہنامہ گل --- کے مدیر قاری ساجد نعیم صاحب کے سر بندھ چکا ہے --- پاکستان کے شہر بورے والا میں --"سید تحسین گیلانی صاحب "-- مدیر انہماک انٹرنیشنل فورم و جریدہ کی زیر قیادت منعقد ہونے والی پہلی "مائکرو فکشن کانفرنس "کے بعد ہر طرف مائکرو فکشن کی دھوم مچ گئی -اس صنف کی مقبولیت کا تیزی سے بلند ہوتا گراف اس بات کی نوید ہے کہ ادب کا آئندہ دور بالیقین مائکرو فکشن /مائکروف کا دور ہی ہوگا---اور تاریخ اس خدمت کو اردو ادب کے روشن دور کے نام سے یاد رکھے گی ۔

)انشااللہ (

عنوان قبل از تدفین

تحریر---سیدہ تسکین

وہ کسی دشت بے اماں کا ایک منظر تھا--- جہاں اک طرف تو ہیبت کی آغوش میں پراسرار سناٹے سے الجھتی ہوئی کہیں کہیں آوازیں ذبح ہو رہی تھیں ۔تو دوسری طرف تا حد نظر ہاتھ ہی ہاتھ بکھرے تھے ۔کٹے ہوئے زخمی ہاتھ---چھوٹے بڑے، بوڑھے اور جوان ہاتھ----جن پر پہلی نظر پڑتے ہی یہ تاثر ابھرتا کہ جیسے کسی نے ہاتھوں کی فصلیں کاٹ کر انبار لگا دیے ہوں----ان ہاتھوں کے ڈھیر کے عین وسط میں ایک سر بریدہ جسم تھا جس کی گردن کی جگہ راکھ میں لپٹا ایک سرخ گولا رکھا تھا-----شاید وہ دم توڑتا سورج تھا----جس کی ساری تپش سر کٹے بدن میں سرایت کر کے اس کی رنگت تانبا کر چکی تھی ---اور شدت حدت سے بدن کا گوشت موم کی طرح قطرہ قطرہ پگھل کر صحرا کے چہرے پر جم رہا تھا-----

کہیں کہیں اگی خاردار جھاڑیوں کی خشک ٹہنیوں پر پتوں کی

جگہ آنکھیں لٹکی ہوئی تھیں۔۔۔۔۔سبز، نیلی، کالی، بھوری بنجر آنکھیں۔۔۔۔۔۔۔۔جن کی پتلیاں دائیں بائیں حرکت کرتے ہوئے زخمی پرندے کی طرح مسلسل پھڑ پھڑا رہی تھیں۔۔۔فضا میں ان ہونی کے بوجھل پن کی بو بڑھتی جا رہی تھی۔۔یک لخت سیاہ طوفان نے ہر چیز کو اپنے نوکیلے پنجوں میں جکڑ لیا۔۔دیوانہ وار رقص کرتے بگولوں کی اوٹ سے ایک گرجدار آواز بلند ہوئی جس کی دہشت کی دھمک سے راکھ ہوتا گولا دور تک بکھرتا گیا۔۔۔کٹے ہاتھوں کی انگلیاں زبان اژدر کی مانند حرکت کرنے لگیں۔۔۔دہکتے ہوئے ٹکڑے ریت پہ گرنے کی دیر تھی کہ لٹکتی آنکھوں سے پلکیں جھڑ کر مکڑی کے جالے کی طرح جھاڑیوں سے چمٹ گئیں۔۔۔غبار چھٹا تو منظر ہی عجیب تھا۔۔۔کٹے ہاتھ لٹکتی آنکھوں کو چن چن کر سر بریدہ کے بچے کھچے بدن پر ٹانک رہے تھے۔۔۔

چار دمائکروفکشنت

تھرلر مائکروف

سید تحسین گیلانی / ساؤتھ آفریقہ

یہ نہ جانے کون سا زمانہ تھا، سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی لہو ٹپکنے لگتا، شور اتنا ہوتا کہ گہری خاموشی ننگے پاں بستی میں بھاگتی اور اس کے لہو لہو پیر چومتی، مقصدیت کو زنجیروں میں جکڑ کر عضوِ تناسل کاٹ کر، سرِ عام لٹکا دیا گیا تھا۔

اس سارے منظر کا جبر ہی تھا کہ میری نرم جسم سوچ کے پستانوں سے لہو ٹپک رہا تھا، گدھ اس بستی کے رکھوالے تھے اور جہالت اس سر تا پا برہنہ دیشیا کی مانند تھی جو بدن کی بھوک میں بالکونی سے اتر کر برہنہ پا ہجوم کا گریبان پکڑے کھڑی ہو۔ اس سارے منظر نامے میں فطرت Nature اور انسانی فطرت Human Nature دونوں ہی اجتماعی زیادتی کے بعد کسی مشترکہ قبر میں پڑے آخری سسکیاں لے رہی تھیں۔

میں مسلسل ہوا کی تیز لہروں میں گدھوں کی مختلف نسلوں کی آوازوں کو سن رہا تھا جو اس بے آب وگیاہ جہاں کے دم توڑتے سورج کی آنکھ سے ٹپکتے لہو کو چاٹ کر جوان ہو رہے تھے اور دور صحرا میں پڑی لاشوں پر قہقہے لگا رہے تھے۔۔۔کوئی مسلسل زور دیے جا رہا تھا، آوازیں کسی ان دیکھی دنیا سے اس دنیا میں حلول ہو رہی تھیں لیکن خون کے ان بہتے جھرنوں کی بستی میں ان کا رونا دب کر رہ گیا تھا۔قلم سرکی چربی سے ہی سرخ روشنائی سے چل رہے تھے جو بدتمیزی اور بد دماغی کی تبلیغ میں مصروف تھے۔ جہالت کا یہ قلم علم کی پیٹھ پر پے در پے وار کیے جا رہا تھا۔ یہ سب دیکھ کر سب کی سوچیں بے لباس ہو کر جذبات کے جوار بھاٹے میں بہتے ہوئے اگر کبھی خدا کی جانب بھاگتیں تو اپنے ہی اندر کے "خلا" میں آ گرتیں اور دم توڑ دیتیں۔

میں سوتی جاگتی آنکھوں سے اس سارے منظر کو تکتا جا رہا تھا اور نظم اور فسوں گری کے فرق کو بھول چکا تھا۔ شاید یہ سارا منظر اس ناسٹلجیا کا مظہر تھا۔

اتنے میں کسی کچے ناقد نے میرا گلا اس زور سے دبایا کہ میں

اس مائکرو منظر سے میکرو دلدل میں دھنسنے لگا لیکن میرے مائکرو خیال نے میرا ساتھ دیا اور اس میکرو دلدل کو کھا گیا۔ صور پھونکنے والا کسی مخفی سوچ کی گود میں بیٹھا سوچ رہا تھا کیا صور پھونکا جا چکا؟؟؟

تھرلر مائکرو فکشن

تحریر: خالد قیوم تنولی

"تو۔۔۔کیا۔۔۔تم ۔۔۔ وائلن بجا لیتے ہو؟" اس نے حیرت نما مسرت سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں ۔۔۔ "میں نے قطعیت سے کہا۔

"کاش میں بھی کبھی ایسا وائلن خرید سکوں۔ میری ممی مجھے ہر رات سونے سے پہلے بہت پیاری دھنیں سنایا کرتی تھیں۔

اب نہ وہ وائلن رہا اور نہ میری ممی۔۔۔"

میں نے دیکھا وہ ننھے سے اچار آنسو اس کے گالوں پر بے اختیار لڑھک گئے۔

اپنے چھوٹے بھائی کیلیے خریدے گئے اس خوبصورت ترین وائلن کو میں نے اسے تھمانا چاہا۔ اور کہا: "مجھے اچھا لگا تو خرید لیا۔ لیکن میرے کام کا نہیں۔ تم لے لو۔"

اس نے بے یقینی سے میری طرف دیکھا۔ بولی بھی نہیں اور وائلن بھی نہ لیا۔

"رکھ لو۔۔۔ تمہارا ہوا۔۔۔ کہا جو ہے کہ میرے کام کا نہیں۔۔۔ "

مونٹے ویڈیو کے اس چھوٹے سے ساحلی باغیچے میں ناریل اور پام کے درختوں کے نیچے شام اتر آئی تھی۔ ہم دونوں ناریل کے ایک خشک تنے پر سکول سے بھاگے ہوئے بچوں کی طرح بے فکری سے بیٹھے تھے۔ وہ وائلن کے تاروں پر بہت مدہم اور مدھر انداز میں گز پھیر رہی تھی۔۔۔ اور دھن بہت پر سوز تھی۔۔۔ اتنی پرسوز کہ بچپن کے سارے خواب آنسوؤں میں ڈھل کر بہنے لگے۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وائلن کے نازک تار مسلسل لرزش میں تھے اور دھن کی لے:

Speak , speak , speak to me Thora

کے غیر مرئی لفظوں کا احساس دلا رہی تھی۔ اس کی گرفت وائلن کے گز پر اتنی سخت تھی کہ ہاتھ کی پشت پر نیلی نیلی رگیں ابھر آئی تھیں۔ ایک زبردست فنکارہ جس کے فن میں خلوص کا خمیر تھا۔۔۔ اور میں درد و سوز کی بھٹی میں جل جل کر راکھ ہوا جاتا تھا۔

دھن کی لے بڑھتی گئی۔۔۔ بڑھتی گئی۔۔۔ حتیٰ کہ جوں ہی اس نے سسکی سی بھری تو میں نے دیکھا۔ گز وائلن کے تاروں میں الجھ گیا۔ تار ٹوٹ گئے۔۔۔ اور اسی لمحے سورج نے مغرب کے افق پر دم توڑ دیا۔

"Oh...what an unbearable burden of the life ... Im tired."

اس کے لہجے میں بلا کا کرب اور آنکھوں میں طویل مسافت کی گرد تھی۔ میری گود میں سر ڈالے وہ متواتر اسی ایک جملے کی گردان کیے جا رہی تھی۔۔۔ گویا دھن مجسم اضطراب ہو اور تاروں کے تحبس سے آزاد ہو گئی ہو۔

اس نے تڑپ کر پوچھا: "یہ زندگی ہمیں کس رہگزر پر لے آئی ہے؟ "

میں اس کی بپتا کی بجائے اپنے خواب میں کھویا تھا۔ خواب کی زنجیر میرے پاں میں تھی۔ میں نے اپنے تراشے ہوئے مدتوں پرانے خیالی پیکر کو پالیا تھا۔۔۔

مگر وہ ٹوٹی اٹکتی سانسوں کے وقفے میں کہے جارہی تھی:

"You see that Im tired ...

اور عین اس لمحے جب اس کی آنکھوں کے آبی موتی گالوں کی ڈھلوان پر پھسلنے کو تھے تو میں نے۔۔۔

اپنی آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ لیے۔

دھن ساکت ہو چکی تھی۔

شاہکار

تھرِلرمائکروفکشن

تحریر: اطہر کلیم انصاری

وہ ایک باصلاحیت مصور تھا . مگر نہ جانے کیوں ہر بار اسکی تصاویر میں کئی نہ کوئی کمی رہ جاتی تھی . وہ جب بھی کوئی مکمل تصویر بنانا چاہتا کوئی نہ کوئی نقص تصویر کو نامکمل کر دیتا . . .

آخر اسنے ایک دن اپنے دل میں یہ بات ٹھان لی کہ اب وہ ایک شاہکار کی تخلیق کرے گا . اسی مقصد کے تحت اسنے ایک نامور روسی مصور سے اپنی اصلاح کرانی شروع کی . . .

"یاد رکھو مائیکل دنیا ہیرے کی چمک دیکھتی ہے، کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ اسکو تراشنے والے نے کتنی تکالیف اٹھائی ہیں ". یہ اسکے استاذ آرمونوف کا پہلا سبق تھا . . .

اب اسکا معمول تھا کہ وہ بڑی لگن سے تصاویر بناتا اور اپنے استاذ سے اسکی اصلاح کراتا . . .

سب سے پہلی کوشش میں اس نے ایک پھول بنایا . . .

"برخوردار شاہکار بے جان نہیں ہوا کرتے . . اس پھول کو دیکھو کتنا بے جان نظر آرہا ہے . " آرمونوف نے کہا . . .

"میں پھر سے ناکام ہوگیا جناب " ... مائیکل کے لہجے میں شکست خوردگی تھی .

"ارے نہیں ... یہ ناکامی نہیں ہے اس کو کامیابی کا پہلا زینہ سمجھو . . تمھاری پہلی ہی کوشش تصویر کو امر نہیں بنا سکتی ؛ جا پھر سے کوشش کرو . " ... آرمونوف کے ان الفاظ نے اسکے ارادوں کو اور پختگی بخشی . . .

غرض یہ کہ یکے بعد دیگرے اس نے بہت سی تصاویر بنائیں اور استاد کو دکھاتا رہا مگر ہر بار آرمونوف ان میں کوئی نقص نکال دیتا . . . .

جنگل کے بیچوں بیچ سے گزرتی کچی سڑک پر چلنے والا وہ اکیلا تھا۔ رات کے اس پہر شخص اس کا یہاں موجود ہونا بھی حیران کن بات تھی۔ یوں کہ یہ سڑک خاصی پراسراریت کی حامل تھی۔ گاں سے شہر جانے کا یہ واحد راستہ تھی جسے گاں والے روزانہ عبور کرتے مگر پچھلے کچھ عرصے سے انہوں نے رات کے وقت ادھر قدم رکھنا ترک کر دیا تھا بوڑھے لوگ بڑے انہماک سے جنگل میں ہوا واقعہ سناتے کہا جاتا اس ہی گاں کی ایک نوجوان لڑکی کو گھر سے بھاگ کرنے پر جنگل میں لے جا کر غیرت کے نام پر جلا دیا گیا اور اب اس کی روح وہاں بسیرا کرنے لگی تھی۔

رات کو نہ سونے اور صبح سکول نہ جانے کی ضد کرنے والے بچوں کو مائیں اس چڑیل سے ہی ڈراتیں۔ لیکن پچھلے کچھ عرصے سے انہیں بھی خوف کھانے لگا تھا۔ پچھلے ایک سال میں نو لوگ جنگل میں قدم رکھ کر لوٹے نہ تھے اور نہ ہی ان کا کھوج سراغ ملا تھا۔ یوں لگتا تھا گویا ان کو آسمان کھا گیا ہو یا زمین نگل گئی ہو۔ اس ہی وجہ سے گاں والوں نے دن میں بھی جنگل میں اجتماعی طور پر داخل ہونا شروع کر دیا تھا۔ لیکن اگر کوئی بھولا بھٹکا کبھی اکیلا آ جاتا تو واپس نہ جاتا۔

بالآخر ایک دن آرموتوف نے کہا: "مائیکل! آج میں تم کو ایک موضوع دیتا ہوں بس جا اور پوری محنت اس پر لگا دو اور ایک شاہکار تخلیق کرو ..... ایک آرمینیائی لڑکے کو سرحد کے اس پار رہنے والی آذری لڑکی سے محبت ہو جاتی ہے۔ لڑکی بھی کیوپڈ کے تیر سے گھائل ہو جاتی ہے مگر پھر انہیں جرم محبت کی پاداش میں قتل کر دیا جاتا ہے۔ تمہیں ایسا شاہکار تخلیق کرنا ہے جس میں ان دونوں کی محبت امر ہو جائے۔"

وہ چلا گیا اور کئی دنوں بعد ہاتھ میں ایک تصویر لئے لوٹا... تصویر کو دیکھ کر تو ایک لمحے کے لئے آرموتوف بھی گھبرا گئے ... انھیں یوں محسوس ہوا جیسے اس کے ہاتھ میں دو لاشوں کے سر ہوں...

"مائیکل تمھاری یہ محنت واقعی شاہکار کہلانے کے لائق ہے ... اور یہ خون کی بوندیں تو بالکل اصل معلوم ہوتی ہیں... واہ بہت خوب"! یہ کہتے کہتے اچانک آرموتوف کی نظر مائیکل کے ہاتھ پر پڑی۔ "اوہ ..! دیکھو میں تمہارے شاہکار میں اس قدر کھو گیا کہ تمھارے احوال دریافت کرنا ہی بھول گیا... یہ تمھارے ہاتھ پر پٹی کیسی؟ معلوم ہوتا ہے تمہارا ہاتھ کٹ گیا ہے"...

مائیکل نے غم اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہا...

"جی جناب! دنیا ہیرے کی چمک دیکھتی ہے اسے تراشنے والے کی تکالیف نہیں .... مجھے آپ کا یہ سبق یاد ہے... ہاتھ کا کٹنا حقیقت ہے اور خون کی بوندیں حقیقی"!!!!

☆☆......☆......☆......☆

یہ نوجوان بھی غالباً گاؤں کا نہ تھا اور نہ ہی ان واقعات سے واقف کیونکہ پیڑوں کو چیر کر پہنچتی چاند کی مدھم روشنی میں اس کی آنکھیں خوف کا عنصر نہیں جھلکا رہی تھیں۔ اس وقت اگر کوئی چیز اس کیلئے پریشانی کا باعث تھی تو وہ تھی بھوک غذا کی جانب اٹھتے اس کے قدم ایک عجیب دھن بنا رہے تھے جو ماحول کے عین مطابق تھی۔ اچانک اس دھن میں ایک اور آواز کی ملاوٹ ہوئی اور اس کے قدم تھم گئے۔ اب اس کی آنکھوں میں بیقراری کیا آثار واضح تھے اس نے جیب سے خنجر نکالا اور آواز کی سمت کا تعین کرنے لگا۔ جنگل میں یہ کام خاصا مشکل ہوتا ہے لہٰذا وہ نظریں چاروں طرف گھما رہا تھا دفعتاً اسے سامنے موجود جھاڑیوں میں حرکت محسوس ہوئی اور اسکے قدم اس جانب رفتہ رفتہ بڑھنے لگے ساتھ ہی ساتھ وہ پیچھے مڑ کر بھی دیکھتا۔ اچانک اس کے قدم سوکھے ہوئے پتوں پر پڑے اور عین اس ہی لمحے کوئی شے جھاڑیوں میں سے نکل کر اس پر لپکی اور ایک لمبی خراش دے گئی۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ وہ سکتے کی حالت میں آ گیا۔ چند لمحے بعد جب اس کے حواس قابو ہوئے تو اسے ہنسی آ گئی ایک جنگلی بلی سے وہ مات کھا گیا تھا۔

اس نے خنجر جیب میں ڈالا زخم پر رومال لگایا اور لاش دوبارہ گھسیٹنا شروع کر دی آج اسکا شکار جوان خون تھا جب ہی بھوک ناقابلِ برداشت ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆......☆

مرنے کا ترے غم میں ارادہ بھی نہیں ہے
ہے عشق مگر اتنا زیادہ بھی نہیں ہے

ہے یوں کہ عبارت کی زباں اور ہے کوئی
کاغذ مری تقدیر کا سادا بھی نہیں ہے

کیوں دیکھتے رہتے ہیں ستاروں کی طرف ہم!
جب اُن سے ملاقات کا وعدہ بھی نہیں ہے

کیوں راہ کے منظر میں اُلجھ جاتی ہیں آنکھیں!
جب دل میں کوئی اور ارادہ بھی نہیں ہے!

کیوں اُس کی طرف دیکھ کے پاؤں نہیں اُٹھتے
وہ شخص حسیں اتنا زیادہ بھی نہیں

بس موڑ پہ لے آیا ہمیں ہجر مسلسل!
تاحدِ نگہ وصل کا وعدہ بھی نہیں ہے

پتھر کی طرح سرد ہے کیوں آنکھ کسی کی!
اب جو بچھڑنے کا ارادہ بھی نہیں ہے

امجد اسلام امجد

☆......☆......☆......☆

دلچسپ معلومات

انچارج۔ رضوان عباس

برلن) نیوز ڈیسک (بدترین لوڈشیڈنگ سے ستائے پاکستانی عوام کے لئے جرمن سائنسدانوں کی ایک حیرتناک کامیابی کسی بڑی خوشخبری سے کم نہیں۔ میکس پلانک انسٹی ٹیوٹ سے تعلق رکھنے والے ماہرین فزکس نے پہلی بار ایک ایسا فیوژن ری ایکٹر قائم کرلیا ہے جو عمل تالیف سے لامحدود مقدار میں بجلی پیدا کرسکتا ہے۔ سائنسدان پرامید ہیں کہ اس کامیابی کے ثمرات پوری دنیا تک پہنچیں گے۔

ویب سائٹ 9 نیوز کی رپورٹ کے مطابق وینڈل سٹین W7X نامی ری ایکٹر کو اس کے منفرد اصول کار کی وجہ سے مرتبان میں ستارہ کا نام دیا گیا ہے۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ سائنسدان اسے ایک ایسے ستارے سے تشبیہ دے رہے ہیں جو قدرتی توانائی کی لامحدود مقدار کو انسان کے کام آنے والی بجلی میں تبدیل کرسکتا ہے۔ یہ زمین پر موجود ایک ایسا ستارہ ہے جو ایک دیوقامت ایکسلریٹر کے اندر توانائی پیدا کر رہا ہے۔ چونکہ یہ سورج کی طرح فیوژن کے عمل سے توانائی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اسی لئے اسے روایتی ایکسلریٹر کی بجائے سٹیلریٹر بھی کہا جارہا ہے۔

میکس پلانک انسٹی ٹیوٹ کے ماہرین کا کہنا ہے کہ رواں سال مارچ میں اس فیوژن ری ایکٹر نے پہلی بار ہائیڈروجن پلازمہ پیدا کیا، جس سے توانائی کے حصول کے تجربات کامیاب ثابت ہوئے ہیں۔ سائنسی جریدے نیچر کمیونیکیشن میں شائع ہونے والی تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ فیوژن ری ایکٹر سے پیدا ہونے والی توانائی کا مسلسل ریکارڈ رکھا جارہا ہے۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ اب تک کے تجربات ثابت کرتے ہیں کہ یہ ٹیکنالوجی کامیاب ہے اور اسے استعمال کرتے ہوئے پوری دنیا کو صاف ستھری توانائی لامحدود مقدار میں فراہم کی جاسکتی ہے۔ دنیا کے اس سب سے بڑے فیوژن ری ایکٹر کو بنیادی طور پر میکس پلانک انسٹی ٹیوٹ فار پلازمہ فزکس آپریٹ کررہا ہے، لیکن اس کی پیچیدہ ٹیکنالوجی کی تیاری میں امریکی ڈیپارٹمنٹ آف انرجی کی پرنسٹن پلازمہ فزکس لیبارٹری نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر مستقبل میں اس طریقے سے بجلی بننا شروع ہوگئی تو تیل کی مانگ میں کمی ہوگی اور مغربی ممالک پیٹرول اور ڈیزل سے بجلی بنانے کی بجائے اسے فوقیت دیں گے۔ تیل کی قیمتیں کم ہونے سے عرب ممالک کی مشکلات میں اضافہ ہوگا۔

دنیا کے انتہائی چھوٹے لیکن خوبصورت ترین ممالک

آپ نے آج تک دنیا کے بڑے بڑے اور خوبصورت ترین ممالک کے بارے میں تو سنا ہوگا لیکن کیا آپ جانتے اتنے چھوٹے لیکن انتہائی خوبصورت ممالک بھی موجود ہیں جن کا رقبہ پاکستان کے شہر لاہور سے بھی کم ہے۔ جی ہاں یہ ممالک چھوٹے ہونے کے باوجود اپنی خوبصورتی کی وجہ سے سیاحوں کے درمیان انتہائی مقبول ہیں۔

The Republic of Seychelles

یہ ملک 115 چھوٹے جزیروں پر مشتمل ہے اور اس کی خوبصورتی کی وجہ سے دنیا بھر سے سیاح یہاں آتے ہیں۔ اس ملک کا رقبہ صرف 444 مربع کلو میٹر ہے لیکن اس کے ساحل انتہائی پر کشش ہیں جبکہ ان کا پانی بھی شفاف ہے۔

Grenada

یہ شاندار جزیرہ صرف 344 مربع کلومیٹر کے رقبے پر پھیلا ہوا ہے لیکن ایک مقبول ترین سیاحتی مقام ہے۔ اس جزیرے کو مصالحوں کا جزیرہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں جائفل اور جاوتری کی پیداوار بہت بڑے پیمانے پر ہوتی ہے۔

Malta

مالٹا نامی ملک بھی بحیرہ روم میں ایک جزیرہ پر واقع ہے۔ یہ ملک 3 شاندار جزیروں سے مل کر بنا ہوا ہے۔ اس ملک کا رقبہ صرف 316 مربع کلومیٹر ہے۔ اپنے خوبصورت ساحلوں اور بہترین موسم کے باعث یہ ملک سیاحوں کے درمیان انتہائی مقبول ہے اور تاریخی اعتبار سے بھی امیر ہے۔

Maldives

مالدیپ بھی ایک مقبول ترین سیاحتی مقام ہے اور اس کی شہرت کی وجہ یہاں کا شفاف پانی اور زیر آب ریسٹورنٹ ہے۔ مالدیپ ایشیا کا سب سے چھوٹا ملک بھی ہے جو بحر ہند میں واقع ہے۔ اس کا دارالحکومت مالے ہے جبکہ یہ ایک مسلم ملک ہے۔

Saint Kitts and Nevis

ان دونوں جزائر کا کل رقبہ 261 مربع کلومیٹر ہے۔ اور یہ یورپ کے سب سے پہلے جزائر تھے جو آباد ہوئے۔ ان جزائر کی مقبولیت کی بڑی وجہ یہاں غوطہ خوری کے شاندار مقامات ساحل اور صدیوں پرانے باغات کی موجودگی ہے۔

Liechtenstein

یہ سوئٹزر لینڈ اور آسٹریا کے درمیان گھرا ملک ہے۔ یہ ملک 160 مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ چھوٹا سا ملک بھی انتہائی خوبصورت ہے اور اس کا سب سے شاندار حصہ وہ ہے جہاں بلند و بالا چوٹیاں پائی جاتی ہے۔

San Marino

اس ملک کا کل رقبہ صرف 61 مربع کلومیٹر ہے۔ اور اسے دنیا کی سب سے قدیم ترین خودمختار ریاست قرار دیا جاتا ہے۔ یہ یورپ کا سب سے چھوٹا ملک ہے جو کہ اٹلی کے ارد گرد آباد ہے۔

Tuvalu

یہ ملک بحرالکاہل میں آسٹریلیا کے نزدیک واقع ہے اور ایک جزیرے پر قائم ہے۔ اس ملک کی آبادی 10 ہزار سے زائد افراد پر مشتمل ہے لیکن حیران کن طور پر ان افراد کے لیے صرف ایک سڑک ہے جس کی لمبائی بھی صرف 8 کلومیٹر ہے۔ ☆......☆......☆......☆

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

.1 شمائلہ۔۔۔ساہیوال

ھری مرچیں

دوپٹہ۔۔۔۔۔ جو آج کل لاکٹ کے طور پر استعمال ہوتا ہے

پردہ۔۔۔۔۔جو ابنوں سے کیا جاتا ہے

سکول۔۔۔۔بلیک بورڈ سے سیکنڈری بورڈ تک کا فاصلہ

گرلز کالج۔۔۔۔بیوٹی پارلر کا دوسرا نام

قیمتی چیز۔۔۔۔ میکے کی خوش گوار یادیں

.2 عائشہ۔۔۔ڈسکہ

ماڈرن ڈکشنری

مہمان۔۔۔۔۔۔رحمت نہیں زحمت

کرایہ دار۔۔۔۔۔۔چوں چوں کا ڈربہ

گرلز کالج۔۔۔۔۔۔بیوٹی پارلر

امتحان۔۔۔۔۔بلائے جان

کلاس روم۔۔۔۔۔۔مجھے سونے دو

طالب علم۔۔۔۔۔۔آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا

سکول۔۔۔۔۔۔آدھے دن کی جیل

.3 مناہل۔۔۔کراچی

گاڑی

گاڑی لیٹ تھی۔ایک صاحب انکوائری پر پہنچے اور غصے سے پوچھا۔"اگر گاڑیاں لیٹ ہوتی ہیں تو پھر ان کی آمد و رفت کا ٹائم ٹیبل لگانے سے کیا فائدہ؟"

جواب ملا" اگر گاڑیاں وقت پر آنے لگیں تو آپ پوچھیں گے کہ ویٹنگ روم کا کیا فائدہ ہے؟"

.4 اسماء۔۔۔سیالکوٹ

ایک پولیس انسپکٹر کی شادی تھی۔ بارات جارہی تھی اور وہ اپنے دوست کے ہمراہ کار میں بیٹھا ہوا تھا۔ پیچھے سے آنیوالی باراتیوں کی بس دیکھتے ہوئے دوست سے کہنے لگا" پیچھے جو بس آرہی ہے مجھے مشکوک لگتی ہے۔گھر سے یہاں تک برابر

ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔"

.5 ہادیہ۔۔۔ گجرات

مالک: سب مزدور بارہ بارہ اینٹیں لا رہے ہیں اور تم صرف چھ۔ کیوں؟

مزدور: یہ سب کام چور ہیں۔ دوسرا پھیرا لگانے سے جی چراتے ہیں۔

.6 آمنہ۔۔۔ گجرات

مجرم: حضور میں بھوکا تھا۔ بے گھر تھا۔ بے یارومددگار تھا۔ اس لیے چوری کی۔

جج: ٹینشن نہ لو میں تمھارے لیے چھ ماہ کے لیے رہنے اور کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہوں۔

.7 زیب النساء۔۔۔ سیالکوٹ

میوزک چینل

دولت۔۔۔ تیرے بنا کیا جینا

ڈش۔۔۔ قرار تم ہی تو ہو

بجلی۔۔۔ آ بھی جا۔ آ بھی جا

امتحان۔۔۔ جیا جلے، جان جلے

نوکری۔۔۔ مل ہی گیا، کوئی مل گیا

خواب۔۔۔ اپنا سپنا منی منی

.8 سعدیہ۔۔۔ گوجرانوالہ

ماڈرن محاورے

جسے اللہ رکھے اسے ڈاکٹر چکھے۔

شوہر اپنی بیوی سے پہچانا جاتا ہے۔

چار دن کی بجلی پھر لوڈ شیڈنگ۔

شادی شدہ کو دیکھ کر کنوارہ عبرت پکڑتا ہے۔

کرے بیوی بھرے شوہر۔

.9 انیلہ۔۔۔ شاہدرہ

ایک شعر:

مجھے ماموں پکارے ہے میری معشوق کا لڑکا

اسے گودی اٹھاتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

.10 سنابل۔۔۔ ساہیوال

مرچیں کھانے کا اتنا مزہ نہیں آتا جتنا مرچیں لگانے کا آتا ہے۔

☆......☆......☆......☆

ہمارے درمیان کوئی رشتہ بھی تھا
تیرے شانوں پر کوئی چھت نہیں تھی
میرے ذمے کوئی آنگن نہیں تھا
کوئی وعدہ تیری زنجیر پا بننے نہیں پایا
کسی اقرار نے میری کلائی کو نہیں تھاما
خدائے دشت کی مانند
تو آزاد تھا
راستے تیری مرضی کے تابع تھے
مجھے بھی تھا پہ
دیکھا جائے تو
پورا تصرف تھا
مگر جب آج تو نے راستہ بدلا
تو کچھ ایسا لگا مجھے
کہ تو نے مجھ سے بے وفائی کی!!!!

پروین شاکر

انتخاب: نایاب علی

..2 دن ٹھہر جائے مگر رات کٹے
کوئی صورت ہو کہ برسات کٹے
خوشبو کیں مجھ کو قلم کرتی گئیں
شاخ در شاخ میرے ہات کٹے
موج گل ہے کہ تلوار کوئی
درمیاں سے ہی مناجات کٹے
حرف کیوں اپنے گنوائیں جا کر
بات سے پہلے جہاں بات کٹے
چاند! آ مل کہ منائیں یہ شب
آج کی رات تیرے ساتھ کٹے
پورے انسانوں میں گھس آئے ہیں
سر کٹے، جسم کٹے، ذات کٹے

پروین شاکر

انتخاب: روباب سکندر

یہ غنیمت ہے کہ ان آنکھوں نے پہچانا ہمیں
کوئی تو سمجھا دیارِ غیر میں اپنا ہمیں
وہ کہ جن کے ہاتھ میں تقدیرِ فصلِ گل رہی
دے گئے سوکھے ہوئے پتوں کا نذرانہ ہمیں
وصل میں تیرے خرابے بھی لگیں گھر کی طرح
اور تیرے ہجر میں بستی بھی ویرانہ ہمیں
سچ تمہارے سارے کڑوے تھے، مگر اچھے لگے
پھانس بن کر رہ گیا بس ایک افسانہ ہمیں
اجنبی لوگوں میں ہو تم، اور اتنی دور ہو
ایک الجھن سی رہا کرتی ہے روزانہ ہمیں

پروین شاکر

انتخاب: علیشا خان

☆......☆......☆......☆......☆......☆

جب کبھی خوب قسمت سے تجھے دیکھتے ہیں
آئینہ خانے کی حیرت سے تجھے دیکھتے ہیں
وہ جو پامالِ زمانہ ہیں مرے تحت نشیں
دیکھ تو کیسی محبت سے تجھے دیکھتے ہیں
کاسہ دید میں بس ایک جھلک کا سکہ
ہم فقیروں کی قناعت سے تجھے دیکھتے ہیں
تیرے کوچے میں چلے جاتے ہیں قاصد بن کر
اور اکثر اسی صورت سے تجھے دیکھتے ہیں
تیرے جانے کا خیال آتا ہے گھر سے جس دم
در و دیوار کی حسرت سے تجھے دیکھتے ہیں

کہہ گئی باد صبا آج ترے کان میں کیا
پھول کس درجہ شرارت سے تجھے دیکھتے ہیں
تجھ کو کیا علم تجھے ہارنے والے کچھ لوگ
کس قدر سخت ندامت سے تجھے دیکھتے ہیں

پروین شاکر

انتخاب: کنول خان

دوست

اس اکیلی چٹان نے
سمندر کے ہمراہ
تنہائی کا زہر اتنا پیا ہے
کہ اس کا سنہری بدن نیلا پڑنے لگا ہے!

پروین شاکر

انتخاب: سمعیہ علی

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی
وہ کہیں بھی گیا لوٹا تو میرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی میرے ہرجائی کی

پروین شاکر

انتخاب: صوبیہ اعظمی

☆......☆......☆......☆

حبس بہت ہے
تبس بہت ہے
اشکوں سے یوں آنچل گیلے کر کے ہم
دل پہ کب تک ہوا کریں
باغ کے در پہ قفل پڑا ہے
اور خوشبو کے ہاتھ بندھے ہیں
کسے صدا دیں
لفظ سے معنی بچھڑ چکے ہیں
لوگ پرانے اجڑ چکے ہیں
نابینا قانون وطن میں جاری ہے
آنکھیں رکھنا
جرم قبیح ہے
قابل دست اندازی حاکم اعلیٰ ہے!
حبس بہت ہے!

پروین شاکر

انتخاب......فاطمہ عبدالخالق

☆......☆......☆......☆

مر بھی جاں تو کہاں لوگ بھلا ہی دیں گے
لفظ میرے مرے ہونے کی گواہی دیں گے

شاعرہ: پروین شاکر

انتخاب: منیزے خان

بچھڑا جو ہے اک بار تو ملتے نہیں دیکھا
اس زخم کو ہم نے کبھی سلتے نہیں دیکھا
اک بار جسے چاٹ گئی دھوپ کی خواہش
پھر اس شاخ پہ اس پھول کو کبھی کھلتے نہیں دیکھا
یک لخت گرا ہے تو جڑیں تک نکل آئیں
جس پیڑ کو آندھی میں بھی ہلتے نہیں دیکھا
کانٹوں میں گھرے پھول کو چوم آئے گی لیکن
تتلی کے پیروں کو کبھی چھلتے نہیں دیکھا
کس طرح میری روح کو ہری کر گیا
وہ زہر جسے جسم میں کھلتے نہیں دیکھا

شاعرہ: پروین شاکر

انتخاب: اویس احمد

☆......☆......☆......☆

تیرا پہلو تیرے دل کی طرح آباد رہے
تجھ پہ گزرے نہ قیامت شب تنہائی کی

پروین شاکر

انتخاب: امامہ جادون

☆......☆......☆......☆

کبھی یہ آرزو کہ وہ جو مانگے مل جائے اسے
کبھی یہ ہوسے کہ اس نے میرے سوا کچھ مانگا تو نہیں

شاعرہ..پروین شاکر

انتخاب......شہزینہ راجپوت

☆......☆......☆

جھنگ ڈویژن کب بنے گا؟

تحریر: طاہر باہو

دریائے چناب جس کی ایک ایک بوند سے پیاری مہکار اور جس کی ایک ایک موج سے سرِ لطیف پھوٹتی ہے، اس کے کنارے ایک خوبصورت شہر آباد ہے۔ اس شہر کا نام جھنگ ہے۔ یہ شہر صوبہ پنجاب کے وسط میں واقع ہے۔ جھنگ کے معنی ہیں درختوں کا جھنڈ۔ شائد کسی زمانے میں یہاں جنگل ہو لیکن اب تو جنگل میں منگل کا سماں ہے۔ اس شہر کے تین بڑے حصے ہیں۔

جھنگ شہر یا جھنگ سٹی

جھنگ صدر یا مگھیانہ

سیٹلائٹ ٹاؤن یا نیا شہر

سرزمینِ جھنگ ایک زرخیز خطہ، رومان پرور دھرتی اور اولیائے کرام کا مسکن ہے۔ دریائے چناب اور جہلم کے سنگم پر واقع اس قدیم ضلع کو انگریزوں کے دور میں سیال سٹیٹ کہا جاتا تھا۔ ایک صدی قبل کی بات ہے کہ جھنگ کی کل چھ تحصیلوں میں سے ایک تحصیل لائلپور بھی ہوا کرتی تھی جسے آج دنیا فیصل آباد کے نام سے پکارتی ہے۔ قسمت دیکھئے کہ ضلع جھنگ کی تحصیل فیصل آباد آج اسی ضلع کا ڈویژنل ہیڈ کوارٹر بن چکی ہے۔ ضلع جھنگ کی چار تحصیلیں ہیں جو جھنگ، شورکوٹ، اٹھارہ ہزاری اور احمد پور سیال کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ پنجاب کا واحد ضلع ہے جس کی حدیں دس اضلاع کے ساتھ ملتی ہیں۔ محلِ وقوع کے لحاظ سے یہ پنجاب کا مرکزی ضلع ہے۔ اس دھرتی نے حضرت سلطان باہور ح جیسے سلطان العارفین، ڈاکٹر عبدالسلام اور ڈاکٹر ہرگوبند خورانہ جیسے سائنسدان، مجید امجد، شیر افضل جعفری جیسے معتبر شعراء اور ڈاکٹر طاہر القادری جیسے عظیم سکالر پیدا کیے۔ ضلع جھنگ زرعی اعتبار سے ایک زرخیز خطہ ہے اور کپاس، چاول، گنا اور گندم کی پیداوار میں پنجاب بھر میں منفرد مقام رکھتا ہے۔ جھنگ کی لوک داستان ہیر رانجھا بھی دنیا کے عاشق مزاج لوگوں کے لیے دلچسپی کا سامان رکھتی ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی سب سے پرانی مسجد بھی ضلع جھنگ کے قصبے پیر عبدالرحمٰن میں واقع ہے۔ یہ مسجد 705 میں قائم ہوئی۔ میں نے جب جھنگ کی تاریخ کو دیکھا اور اس کی پسماندگی کو دیکھا تو مجھے بہت دکھ ہوا۔ میں وزیرِ اعظم پاکستان سے اپیل کرتا ہوں کہ جھنگ میں یونیورسٹی کا قیام اور میڈیکل کالج بنایا جائے اور جھنگ کو ڈویژن کا درجہ دیا جائے۔ جھنگ کی خوبصورتی کے لیے اقدامات کیے جائیں۔

کچن کارنر

خوشبو

انچارج ..... امرینہ سہیل

چاکلیٹ کیک

اجزا:

* کیک مکسچر پانچ سو گرام) چاکلیٹ * (انڈے۔ تین عدد
* دودھ ایک کپ) ایک سو نوے ملی لیٹر * (تیل آدھا کپ) نوے ملی لیٹر (
* مکھن پانچ سے چھ کھانے کے چمچ *ٹوپنگ کے لیے *- کریم دو پیکٹ
*چیری ایک کپ
* آئسنگ شوگر ایک کپ
* چینی آدھا کپ
* کوکو پاؤڈر آدھا کپ
* مکھن چار سو گرام) بغیر نمک (

ترکیب:

.1اسپنج بنانے کے لیے مکسنگ بال میں انڈوں کو ڈالیں اور ایک بیٹر کی مدد سے پھینٹ لیں۔

.2اب اس میں تیل اور دودھ شامل کر کے دوبارہ سے پھینٹیں۔

.3 پھر کیک مکسچر ڈال کر چمچ کی مدد سے فولڈ کر لیں۔

.4یاد رہے کہ آمیزہ گاڑھا رہے۔

.5اب مائیکرو ویو پروف کیک کا یا مائیکرو ویو پروف انچ کا سانچہ لیں اور اچھی طرح سے مکھن لگائیں اور کیک کے بیٹر کو ڈال کر سیٹ کر لیں۔

.6 پھر سانچے کو مائیکرو ویو میں رکھیں اور سو فیصد مائیکرو ویو دس منٹ کے لیے رکھ دیں۔

.7اب کیک کے سانچے کو نکالیں اور سرونگ ڈش پر اسپنج کو پلٹ کر نکال کر درمیان سے کاٹ لیں۔

.8اسپنج تیار ہے۔

.9ٹوپنگ کے لیے:

.10 ٹوپنگ کے لیے پین میں پانی ڈالیں اور اس میں چینی کو حل کر لیں۔

.11اب اس میں کافی شامل کر کے مکس کر لیں اور سیرپ تیار کر کے کیک پر اچھی طرح سے ڈالیں۔

12. پھر آئسنگ شوگر، کریم اور مکھن کو اتنا پھینٹیں کہ فلفی سا ہو جائے۔ .13اب اس کے دو حصے کر کے ایک میں کوکو پاؤڈر شامل کریں اور اسے کیک پر اچھی طرح لگائیں۔

14. پھر بچی ہوئی کریم سے کیک کے اوپر ٹوپنگ کریں اور چیری سے گارنشنگ کر کے سرو کریں۔

(شگفتہ شکیل)

بھے کے پکوڑے

تیل حسب ضرورت

ڈیپ فرائی کے لئے بھے

آدھا کلو بیسن،

کٹی کالی مرچ،

میٹھا سوڈا،

لیموں اعدد،

کھٹائی پاؤڈر ائیبل اسپون،

کٹا زیرہ ائیبل اسپون۔

بھے کو کنول ککڑی بھی کہتے ہیں یہ کنول کی پودے کی جڑ ہے۔ بھے ایک سندھی سبزی ہے جو پہلے بہت کم ملتی تھی لیکن اب ہر جگہ آسانی سے مل جاتی ہے بھے کو اچھی طرح دھو کر مٹی صاف کر لیں اور اسے گول گول تنلے کی طرح کاٹ لیں تنلے تھوڑے ترچھے کاٹیں، کھٹائی پاوڈر، تھوڑا سا نمک، لیموں کا رس لگا کر آدھے گھنٹے کے لئے رکھ دیں، بیسن میں کٹی لال مرچ، نمک میٹھا سوڈا، زیرہ ڈال کر پیسٹ بنا لیں، آئل گرم کریں اور کے تنلوں کو بیسن کے مکسچر میں ڈبو کر ڈیپ فرائی کر لیں، املی کی چٹنی کے ساتھ کھائیے، بہت ہی مزیدار پکوڑے تیار ہیں کھائیں اور ہمیں دعائیں دیجئے۔

(فہمیدہ غوری)

مکس فروٹ سلاد

آم ایک عدد

آڑو ایک عدد

کیلا ایک عدد

سیب ایک عدد

مایونیز دو کھانے کے چمچ

انگور آدھا کپ

آلو بخارا ایک عدد

لیموں آدھا

دہی ایک کھانے کا چمچ

کالی مرچ ایک چائے کا چمچ، نمک حسب ذائقہ

) مکس نٹس ایک کھانے کا چمچ) بھونیں اور کٹے ہوئے

بند گوبھی حسب ضرورت

(ترکیب

آم، آڑو، کیلا اور سیب کو کاٹ لیں۔

ایک پیالے میں مایونیز میں لیموں کا جوس ڈال کر مکس کریں۔

پھر اس میں نمک، کالی مرچ اور دہی ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔

کٹے فروٹس، انگور اور آلو بخارا کو ڈش میں ڈال کر اوپر سے مایونیز والا مکسچر ڈال کر مکس کریں۔

پھر اسے بند گوبھی کے پھول میں ڈال دیں۔

مکس نٹس سے گارنش کر کے سرو کریں۔

(مہوش یونس)

مجھے رونا تو آتا ہے
مگر رویا نہیں جاتا
یہ میرا دل تڑپتا ہے
یہ میرا دل سسکتا ہے
مگر میری یہ آنکھیں
بھیگنے سے پہلے ہی
خشک ہو جاتی ہیں
بہت سے بوجھ ہیں دل پہ
بہت سے دکھوں کے سبب ہیں
یا پھر کچھ اور باتیں ہیں
جو باتیں دل میں ہیں پنہاں
وہ کیسے میں کروں عیاں
عیاں کرنا نہیں آساں
کوئی جانے کوئی سمجھے
تو میں بھی ابتدا کر دوں
کہانی اپنی دنیا کی
کسی سے میں بیاں کر دوں
مگر
کس سے بیاں کروں
دکھوں سے دل بھرا جب ہو
بہت مشکل یہ ہوتا ہے
کسی پہ اعتبار کرنا
شاعرہ: آبرو نبیلہ اقبال

☆......☆......☆......☆

رات گہری تھی چاند تھا پورا
اپنے آنگن میں بیٹھ کر وہ
یوں ہی تاروں کو گنتی رہتی تھی
پھر کبھی چاند دیکھا کرتی تھی
اپنے رب سے دعا وہ کرتی تھی
چاند جیسا مجھے بنانا تم
مجھ کو تیرا یہ چاند بھاتا ہے
رات کالی ہے اور گہری بھی
پھر بھی دیکھو تو مسکراتا ہے
کس قدر اس کی چاندنی دیکھو
کالی راتیں حسیں بناتی ہے

کتنی معصوم سی یہ خواہش تھی
اس پہ مالک کی یہ عنایت تھی
خوبصورت تھی وہ بھی چاند ہی کی طرح
چاند کی طرح وہ بھی ہنستی تھی
وہ بھی کالی گھنیری راتوں میں
چھپ کے روتی تھی اور جلتی تھی
چاند کی طرح ہی تو رہتی تھی

ازقلم فرشتے مریم

☆......☆......☆......☆

جنید جمشید شہید کی نظر
وہ ایک نوجوان تھا
دلوں پہ اک پل میں چھا گیا تھا
لوگ جھومتے تھے
سن کے نغمے جو
وہ گا رہا تھا
چہرہ مثل یوسف
آواز میں بھی یکتا تھا
پھر اس کے لئے ہوا معجزہ سا
ہواں نے رخ بدل دیا تھا
رب کو تھا وہ پیارا
دل اس کا بدل دیا تھا
دنیا کی رونقوں پہ دیں کو وہ چن گیا تھا
چہرے پہ اس کے نور
کچھ اور بڑھ گیا تھا
جھک کے وہ سب سے ملتا
عاجز وہ بن گیا تھا
بندہ تھا وہ ارضی
قد عرش سے جا ملا تھا
دنیا کو تھا وہ پیارا
اللہ کا تھا دلارا
اس واسطے ہی شاید
دنیا سے اٹھ گیا ہے
اللہ سے جا ملا ہے
جنت رہے مقدر، نبیوں کے درمیاں ہو
نعتیں سنا رہا ہو میلاد منا رہا ہو
میری دعا ہے مولا شہیدوں میں مل گیا ہو
اک نوجوان تھا
اب ہم میں نہیں رہا ہے

شاعرہ، طیبہ عنصر مغل

☆......☆......☆......☆

بچوں کی جو بھی
ضد تھی
چاند کو پانے کی
چاند بھی کبھی
اتر کر نیچے نہ آیا
بچوں نے
ضد کرنا چھوڑ دیا
خواہشوں
کا منہ موڑ دیا
آج کے
ننھے بچوں نے
بھی

انٹرنیٹ سے
ناطہ جوڑ لیا
ریحانہ اعجاز۔۔۔۔۔ڈیفنس کراچی

☆......☆......☆......☆

سکوں اس دل کا
سکوں اس دل کا، وہ سنگ لے گیا ہے
وہ جاتے جاتے دکھ یوں دے گیا ہے.
وہی جو میری بہار زندگی تہا
وہ جاتے جاتے زندگی کے رنگ لے گیا ہے.
بہت غمگین ہوں آج کل میں.
سکوں اس دل کا وہ سنگ لے گیا ہے.
میرے ارمان اسی کے سنگ تہے سب
میرے دل کو وہ زخمی کر گیا ہے.
یہی رسم جہاں اب بن گیا ہے
بہت غمگین مجھ کو کر گیا ہے...
وہ اک صورت جو اس دل سے اترتی نہیں اب.
وہ صورت دل میں نقش یوں کر گیا ہے.
میرے دل کو سکوں آتا نہیں ہے...
وہ مجھ کو بے چین اتنا کر گیا ہے..
ازقلم فری ناز خان ....

☆......☆......☆......☆

میں کہتی تھی
محبت پھول جیسی ہے
کہ جیسے پھول ٹہنی سے جدا ہو کر
مرجھا جاتے ہیں
محبت بھی دل سے نکل جائے تو
مرجھا جاتی ہے
وہ کہتا تھا
محبت تتلیوں جیسی ہے
کی اگر رنگ اتر بھی جائے تو
صدا زندہ رہتی ہیں
محبت مرتی نہیں
سدا شاد رہتی ہے
میں اکثر اس سے لڑتی تھی
کہ محبت پھول جیسی ہے
مگر برس بیت گئے
اب لگتا ہے
محبت تتلیوں جیسی ہے شاید
کوئی لاکھ دل اجاڑے
صدا زندہ رہتی ہے
محبت کبھی مرتی نہیں
سدا شاد رہتی ہے
ازقلم سندھیا شاہ

☆......☆......☆......☆

زندگی کی بساط اتنی ہے
تم نہیں ساتھ تو بات اتنی ہے
نہ خوشی ہے، نہ سکون پل بھر کا
بے کلی ہے اور درد عمر بھر کا
تم جو ہوتے تھے
تو ساتھ ہوتے تھے
رنگ، خوشبو، ہوا، بادل
پھول، جگنو، صبا، ساگر

پیار، الفت، وفا، جیون
سارے جذبوں سے عبارت تھی
زندگی کتنی خوبصورت تھی.
تم جو تھے ساتھ
تو سبھی کچھ تھا
زندگی میں ہنسی تھی، رونق تھی
جب نہ جاناں تمہاری دوری کا
درد دل کو ملا تھا تب تک تو
سارے موسم ہی دل ربا سے تھے
سارے جذبے ہی خوش نما سے تھے
تمہارے ہونے سے ہم بھی جیتے تھے
جب تم تھے
کہاں غم تھے
سارے موسم بھی محترم سے تھے
سباس گل

☆......☆......☆......☆

غزل
اب کے مجھ کو یوں مسکرانا بھی عجیب لگتا ہے
کے وہ جو بے وفائی کر چلا ہم رقیب لگتا ہے
اک سلسلہ بنایا تھا دل سے دل ملانے کا
وہ ہزار مسافتوں پر ہو، پھر بھی قریب لگتا ہے
اب یہ ممکن نہیں تنہا اور جینا
ان سے بچھڑ جانا ہی نصیب لگتا ہے
کاش ہم بھی ہوتے ہمدرد زندگی کے
جیسے ہر کوئی دورِ گمراہی میں شریف لگتا ہے
کچھ رنجشیں کچھ فاصلے بڑھتے a ہی گئے
اب تو ہر اپنا بھی حریف لگتا ہے
علی دیدار یار کو ترسنا ہی تیرا مقدر ہے
درد جدائی میں یہ دل غریب لگتا ہے
صداقت علی ... کتھیالہ خورد، منڈی نہالدین

☆......☆......☆......☆

وصل کی ان بے مول راتوں میں
یوں روٹھا نہیں کرتے
محبت ہو جائے تو سنو
یوں ستایا نہیں کرتے
سنگ چلنے کی باتوں پہ
یوں ہارا نہیں کرتے
ہجر کے شدید لمحات میں
یوں مسکرایا نہیں کرتے
رستے دھندلا جائیں تو
یوں ڈگمگایا نہیں کرتے
ان بے مول راہوں سے
یوں لوٹا نہیں کرتے..
تعبیر خانزادی

غزل
وہ سنائے گی کیا وہ دکھائے گی کیا
دیکھ تو بھی تو اب وہ جتائے گی کیا
داستاں تو بھری ہے فقط درد سے
درد کی بات پر مسکرائے گی کیا
بھیک میں دی جو اس نے محبت مجھے
وہ محبت بھلا رنگ لائے گی کیا
چومتی تھی مرے لب کبھی عشق میں

لب پہ لب وہ مرے اب لگائے گی کیا
بھرے سرخاب کی شب اگر آ گئی
مجھ پہ الزام پھر وہ لگائے گی کیا
کاٹ تھی سری بات پہلے بھی وہ
کاٹ کر فون اب پھر جتائے گی کیا

اسامہ زاہر وی

☆......☆......☆......☆

لوٹنے والے سے کہو لوٹ آنے کا تکلف نہ کرے
"اب ایسا کرے
لوٹ ہی جائے

اروی رحمٰن

☆......☆......☆......☆......☆

رونقیں تو بہت ہیں
شہر میں مگر
اک تیرے جانے سے
کتنی اداس ہے
یہ جنوری کی شام

مرینہ سہیل

☆......☆......☆......☆

"دل بیقرار"

نہ جانے کیوں دل بے قرار رہتا ہے
نہ جانے کیوں ان آنکھوں کو
کسی کا انتظار رہتا ہے
کون ہے جو نہ ہو کر بھی
میری سانسوں، میرے دل،
میری دھڑکن میں موجود ہے
کب انتظار یہ ختم ہوگا
کب وہ میرے سامنے ہوگا
اس دل میں کتنی بے چینی ہے
اس سے ملنے کی
کب یہ بے چینی ختم ہوگی
آخر کب دو دلوں کا میل ہوگا
کب قدرت کا یہ کھیل ہوگا
کب اس سے ملاقات ہوگی
کب ختم یہ انتظار ہوگا
بس اب تو یہ آنکھیں بھی تھک گئی ہیں
آخر کیوں اتنا انتظار کرتی ہیں
کیوں خود کو بیقرار کرتی ہیں
کوئی تو سمجھائے انہیں
کچھ سپنے، سپنے ہی رہتے ہیں
کچھ خواہشیں ادھوری ہی رہتی ہیں
ان کے پوری ہونے کا انتظار نہ کیا کرے
خود کو یوں بیقرار نہ کیا کرے
اے دلِ بیقرار تو بھی سنبھل جا....

از: علینا این قریشی

☆......☆......☆......☆

میں تیرے عشق میں
مست کیف ہجر میں
رہوں حلق میں اگے
کانٹوں میں پاں میں
ہیں پڑے چھالوں سے بے نیاز

جا بجا تجھے ڈھونڈتی رہوں
اپنی بے تاب سی بے بس سی
خواہش اپنی پیاس کی شدت میں
تیری دید کی طلب میں
تیری توجہ کے چشمے میں پھوٹنے کی چاہ میں آ دیکھ تیری ہی
تو ہوں میری بے رنگ زندگی کو رنگین کر میری پیاس
سیراب کر

ازقلم: رامین ایمان

☆.....☆.....☆.....☆

ہم یاد کرتے رہے وہ یاد آتے رہے اس کشمکش میں دن
رات گزرتے رہے نہیں آیا کوئی لوٹ کر وہاں سے جے
ڈی برسوں ہم جہاں اپنوں کو چھوڑ کر آتے رہے

محمد جواد خان، جے ڈی، حویلیاں

☆.....☆.....☆.....☆

وقت کا پہیہ سرکا ہے
اک سال پرانا بیتا ہے
یہ سال جب آیا تھا
آس کے جگنو لایا تھا
امید کی کرنیں تھیں دامن میں
جن کو یقین کا سورج بننا تھا
پر رات کچھ ایسی کالی تھی
کہ سحر پھر اپنی ہو نہ سکی
اک اک کر کے
آس کے سارے جگنو مر گئے
امید کی کرنیں بجھ گئیں ساری
جو کرنا تھا کر نہ سکے وہ
جو ہونا تھا ہو نہ سکا وہ
اب بیتے سال کی دہلیز پہ بیٹھے
پھر سے
آس کے جگنو ڈھونڈ رہے ہیں
امید کی ایسی کرنیں کھوج رہے ہیں
جو یقین کا سورج بن کر چمکیں
اک ایسی سحر ہو جیون میں
رات کبھی نہ آئے پھر
ہاں ! رات کبھی نہ آئے پھر

(شازیہ ستار نایاب..... لاہور

☆.....☆.....☆.....☆

سر پہ جو اوڑھے رہتی خوشیوں کا وہ آنچل کہاں گیا؟
شوخی کا تھا جو تیری آنکھوں میں وہ کاجل کہاں گیا؟
ساری امیدوں کے دیئے معصومہ بجھا دیے تو نے آخر کیوں؟
آگے بڑھنے کا تھا جو تجھ میں وہ حوصلہ کہاں گیا؟

معصومہ پروین سولنگی، میہڑ

☆.....☆.....☆.....☆

مانگنا ہم نے سیکھا ہی نہیں، اور چھیننا ہم سے جاتا نہیں ٹھیک ہی کہتے ہیں لوگ معصومہ، شاید جینا ہمیں آتا نہیں معصومہ

پروین سولنگی، میہڑ

☆.....☆.....☆.....☆

اس نے کرچی کرچی کر دیا اپنی روح کو
فقط اک اجنبی سے اجنبی رویے پہ

ثمرینہ افضل، منچن آباد

بہت سوچ سمجھ کے رکھتی ہوں ہر قدم اپنا
سنا ہے میرے ہر قدم پہ دل دھڑکتا ہے تمہارا
خاک مکہ، راولپنڈی

☆......☆......☆......☆

روٹھ جائے مجھ سے چاہے یہ سارا زمانہ بس تم
نہ روٹھ نہ مجھ سے مدنی مدینے والے
خاک مکہ، راولپنڈی

☆......☆......☆......☆

غزل

اس بیوفا زندگی کو وفا کا سبق سکھاتے رہے یہ ہم
سے نبھاتی رہی ہم اس سے نبھاتے رہے
وہ ہر بار ہمیں ہی محفل میں بلانا بھول گئے بھول کر
ہم ہی بارہا ان کے پاس جاتے رہے
یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا زندگی کے ساتھ جو ہمیں بھول
گئے وہ ہی اکثر یاد آتے رہے
بیٹھے بیٹھے یونہی اچانک وہ لمحہ یاد آیا ہمیں وہ توڑ
کے دل چل دیے اور ہم انہیں بلاتے رہے
مہربان ہوا مقدر اور حاصل ہوا ان سے شرف ملاقات کافی دیر
تلک بیٹھے پھر ماضی کے قصے دہراتے رہے
گزرے وقت کو بھولنا بہتر ہے بھول جاؤ دل
ناتواں کو عمر بھر یہ ہی سمجھاتے رہے
پیتے رہے خود تو ہمیشہ آنسوؤں کا زہر معصومہ پر
چاہنے والوں کو ہمیشہ جام ہنسی ہی پلاتے رہے

شاعرہ: معصومہ پروین سولنگی، میہڑ

☆......☆......☆......☆

نظم
تجھ سے مل کر تو ایسا لگتا ہے
جیسے
میں کٹ کے رہ گئی خود سے
کیا خبر تجھ کو میرے ہمراہی
کتنی محدود ہو گئی ہوں میں
تجھ سے پہلے سبھی سے ملتی تھی
سبھی سے دور ہو گئی ہوں میں
ماند دکھتے ہیں چاند تارے مجھے
دل لبھاتے نہیں نظارے مجھے
ہر شے بے نور مجھ کو لگتی ہے
کوئی چہرہ مجھے نہیں بھاتا
یہ حقیقت ہے اب سوا تیرے
کوئی اچھا مجھے نہیں لگتا
ناخدا، رہنما، مسیحا بھی
تجھ میں ہر رشتہ ہی سمٹ آیا
زندگی تجھ سے اب تجھی تک ہے
اب
تری ذات کے سوا مجھ کو
اور کچھ بھی نظر نہیں آتا
آخری میری نظم ہو جیسے
زندگی تجھ پہ ختم ہو جیسے
شاعرہ۔ نوشین اقبال نوشی ۔ گاؤں بدر مرجان

☆......☆......☆......☆

میری نظر میں

کتابوں پر تبصرہ

انچارج...... آمنہ ولید، فہمیدہ انجم

ناول راہ یار تیری بارشیں

تبصرہ.. ریحانہ اعجاز

کبریٰ ڈیئر------ ابھی ابھی تمھارے اس ناول کی پہلی قسط پڑھی ہے-------- اور سچ کہوں پہلی قسط نے ہی اپنے سحر میں جکڑ لیا ہے------------ ہر چند کہ کہانی ابھی مبہم انداز لیئے ہے---- آہستہ آہستہ تمام کردار واضح ہوتے جائیں گے پر کہانی پر مکمل گرفت بتاتی ہے کہ ہر قسط ہمیں چونکانے والی ہے--------- اگلی قسط کا بیتابی سے انتظار رہے گا---- میں عموماً ایک ہی نشست میں قسط پڑھنے کی عادی ہوں مگر کچھ اپنی مصروفیات کی بنا پر قسط کو 2 حصوں میں پڑھا مگر تسلسل برقرار رہا-------

مزید چند اقساط کے بعد انشاءاللہ بھرپور تبصرہ کروں گی

------- :☆......☆......☆......☆

راہ یار تیری بارشیں

تبصرہ . طیبہ غضنفر مغل

.. ڈیئر کبریٰ میں کوشش کے باوجود بھی ایک بھی اقتباس نہیں چن سکی کہ جس کی مثال دے سکوں کہ تم نے بہت اچھا لکھا،،،،،،،،،،

جھٹکا لگا جی ہاں مجھے بھی لگا کیونکہ یہ حقیقت ہے اقتباس تو تب چنتی جب ساری کہانی ہی قابل تعریف نہیں ہوتی ، میں نے بہت ہی بچیوں کی کہانیاں پڑھی ہیں سب اچھا لکھتی ہیں لیکن کبریٰ ایک ایسا ہیرا ہے جو تراش خراش میں یکتا ہے.

لاجواب تحریر

منظر نگاری، رابطہ، تخیل، مکالمہ، کردار کے احساسات، سب کچھ مکمل، تحریر میں سسپنس بھی ہے لیکن بے مقصد الجھا نہیں، ویل ڈن ڈیئر کبریٰ

☆......☆......☆......☆

ناول: راہ یار تیری بارشیں

تبصرہ: فاطمہ عبدالخالق

ناول کا آغاز ڈرامائی اور تجسس سے بھرپور تھا... اک شخص اپنے کوئی انجانا سا معصوم سا چہرہ آنکھوں میں بسائے آسمان کی جانب تکتا، چاند میں اک چہرے کا عکس تراشتا ... شاید مجتبیٰ جمال ہی تھا ... شاید حبا کی تلاش میں .....

حبا ... شادمیر کی بیوی ... جو شادمیر سے تا زندگی وفا نبھانے کا عہد کرتی ہے لیکن کیا عارفہ بی بی اور مریم نبھانے

دیں گی حبا کو اس کا عہد؟

نوال مجتبیٰ جمال کی دیوانی جو کسی کے عشق کا سودائی ... گلیوں کوچوں میں تلاشتا اک چہرہ ..... گلاب خاں اک آس اک امید کی کرن....

سوال یہ ہے کیا جیت پائے گی نوال کی سالوں کی محبت مجتبیٰ جمال کو یا پھر ... مجتبیٰ جمال کا دو سالہ عشق بازی لے جائے گا سالوں کی محبت پر .....

یہ آنے والا وقت ہی فیصلہ کرے گا .....

☆......☆......☆......☆

..4 رادیار تیری بارشیں خوبصورت نام تھا اس سے بھی خوبصورت تحریر ... اگلی قسط کا انتظار ہے گا گڈ لک کبریٰ نوید

نور سجاد....

☆......☆......☆......☆

..5 رادیار تیری بارشیں زبردست ناول ہے مجھے ذاتی طور پر بہت پسند آیا ہے اگلی قسط کی شدت سے منتظر ہوں کبریٰ نوید.

فرہ اسیف....

☆......☆......☆......☆

اسلام علیکم دسمبر کے خوشبو کے آتے ہی ایسا لگا جیسے فضا بہت خوبصورت ہو گئی ہو ہر طرف خوشبو پھیل گئی ہو ہم نے بڑے ہی سرشاری کے عالم میں اسے پڑھنا شروع کیا اور ایسے سے خوشبو سے معطر ہونا شروع ہوئے اور حمد شازیہ کریم سے سرشار ہو گئے عید میلاد النبی دیا خان بلوچ بہت بہت بہت پسند آئی کبریٰ نوید کا ناول رادیار تیری بارشیں بھی حد سے زیادہ اچھی لگی سچی ہمدردی علینا قریشی ۔محبت دستگیر سہزاد ۔عذاب محبت ریما نور رضوان بہت اچھی لگی اسکے علاوہ بھی تمام رائٹرز نے بہت متاثر کیا شروع سے آخر تک ڈائجسٹ کمال کا تھا کوئی بھی ایسی بات نظر نہ آئی جس پر کہتے کہ اگر ایسا ہوتا تو اچھا ہوتا آخر میں تمام کارکنانوں کو اور رائٹرز کو میرا اسلام ۔خدا حافظ۔

راحیلہ بنت مہر علی شاہ گاؤں آما خیل تحصیل وضلع ٹانک

☆......☆......☆......☆

..اسلام وعلیکم امائیہ خان سردار، کبریٰ نوید) اور تمام ٹیم(خوشبو ڈائجسٹ کا ٹائٹل بہت زیادہ پسند آیا۔جلدی سے فہرست میں کبریٰ نوید کے سلسلے ناول رادیار تیری بارشیں کا صفحہ نمبر دیکھا اور پڑھنا شروع کر دیا۔گلاب خان کے یہ الفاظ بہت خاص محسوس ہوئے۔ جس کو تم ڈھونڈ رہا ہے وہ بہت اللہ والا ہے، اس وقت اگر اس کا مضبوط رابطہ کسی کے ساتھ ہے تو وہ خدا ہے۔ تم اس کے ظاہر جان سکے ہو باطن کو نہیں۔۔۔وہ دنیا داری نبھا رہا تھا۔۔دنیا میں دل بھی لگا بیٹھا تھا۔مگر خدا سے آگے کسی کو نہیں رکھا اس نے۔۔۔اگر اس کی چاہت ہے تو خدا سے مانگو اور دل سے مانگو وہ تمہاری ضرور سنے گا۔ایک تسلسل تھا جو شروع سے آخر تک قائم رہا، اب دوسری قسط کا انتظار ہے۔نوشین اقبال نوشی کا انٹرویو اور شاعری دونوں بہت پسند آئے۔آمنہ ولید نے ہمیشہ کی طرح بہت خوبصورت انداز میں عہد الست پہ تبصرہ کیا۔سحرش رانی کی تحریر پچھلے ماہ بھی بہت حب الوطنی کا پیغام لیے تھی اور اس بار بھی مختصر مگر اعلیٰ پیغام تھا تحریر میں، بہت خوب سحرش رانی۔۔۔سیدہ عروج فاطمہ کی تحریریں اعتبار اور محبت ہو تو ایسی ہو بہت پسند آئی۔نمرہ فرقان، ریمل آرزو، سحرش علی نقوی، شائلہ زاہد کی تحریریں پسند آئیں۔ چلتے ہیں اب

شاعری کی طرف۔۔ شہباز اکبر الفت، طیبہ عنصر، مسکان ثمرین، کنول خان، مون کنول، شفا ایمان اور سونیا چوہدری کی شاعری پسند آئی۔

اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ پاک بہت سی کامیابیاں آپ کا نصیب فرمائے۔ آمین

جزاک اللہ۔ آپ کی نبیلہ اقبال

☆..........☆.....☆

تبصرہ.............اسامہ زاہروی ڈسکہ

سب سے پہلے خوشبو ڈائجسٹ کی تمام ٹیم کو دسمبر کے شمارے کے منظر عام پر آنے پر مبارکباد دینا چاہوں گا۔ اس بار کا شمارہ پہلے کی نسبت بہت ہی عمدہ اور خوبصورت انداز میں دیکھنے کو ملا۔ خوشبو ڈائجسٹ میں ایک اور نئے سلسلہ ڈرامہ نگاری کا بھی آغاز کر دیا جائے تو کافی حد تک بہتر نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ پچھلے بار میں نے سر اظہر فراغ کی غزل بھیجی تھی جو کہ کچھ وجوہات کی بنا پر شامل نہ ہو سکی میں وہ غزل اس بار دوبارہ بھیج رہا ہوں۔ آپ سے درخواست ہے کہ اس غزل کو بھی جنوری کے شمارے کی زینت بنایا جائے۔ خوشبو کے ایک سلسلہ شاعروں کے تعارف کی فہرست میں سر اظہر فراغ، سر پارس مزاری اور فریحہ نقوی کا نام بھی شامل کیا جائے۔ کبریٰ نوید نے جو اداریہ لکھا اس میں میں نے پڑھا کہ رائٹرز حضرات کو اعزازی اسناد دینے کا سلسلہ بھی شروع کیا جا رہا ہے جو کہ ادب کی دنیا کے رائٹرز کی حوصلہ افزائی کے لیے ایک مثبت اور منفرد قدم ہے۔ شازیہ خان نے اچھی حمد لکھنے کی کوشش کی ہے۔ شاعرہ مہمان نوشین اقبال نوشی کا انٹرویو قابل تعریف ہے۔ کبریٰ نوید کے ناول کی پہلی قسط پڑھی۔ آغاز بہت احسن انداز میں کیا ہے۔ الفاظ کی بندھیا منفرد انداز سے باندھی ہے۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ مریم مرتضیٰ کا ناول بھی عمدہ ہے۔ مون کنول کا افسانہ کافی بہتر تھا۔ ہما طاہر کی تحریر جہیز کے لیے بہت سی داد۔ ماذی سلطان ان کی تحریر پہلی بار پڑھ رہا ہوں۔ کافی اچھی تحریر لکھ لیتی ہیں آپ۔ زویا حسن کی تحریر بھی قابل تعریف ہے۔ ریما آپی کا افسانہ عذاب محبت عمدہ ہے۔ کینو کھائیے جان بنائیے اس انفارمیشن والے کا نام مینشن نہیں ہے۔ باقی تمام رائٹرز نے بھی اچھی تحریریں اور عمدہ شاعری لکھی ہے۔ امید ہے کہ مستقبل میں بھی آپ لوگ ایسے ہی ہمارا ساتھ دیں گے۔

☆......☆......☆......☆......☆

آداب! تسلیمات! اور نیک تمناؤں کیساتھ عرض ہے کہ خوشبو کا ماہ دسمبر کا شمارہ پڑھا' بہت پسند آیا مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آن لائن بھی اتنا خوبصورت ڈائجسٹ پڑھنے کو ملے گا میں مدیراعلیٰ کبریٰ نوید 'مدیرہ امانیہ سردار کو بہت مبارکباد دیتی ہوں کہ وہ انٹرنیٹ کی دنیا میں تہلکہ برپا کر چکی ہیں ان کی کاوشوں کو سلام پیش کرتی ہوں انشاءاللہ یہ ڈائجسٹ انٹرنیٹ کی دنیا میں اپنا مقام بنانے میں جلد مقبولیت حاصل کر لے گا۔ مدیراعلیٰ کبریٰ نوید کو خراج تحسین پیش کرتی ہوں کہ آج کے اس افراتفری کے دور میں وہ اپنی محنت سے آن لائن ڈائجسٹ چلا رہی ہیں جو کہ ادب کی بہت بڑی خدمت ہے۔

ان کی اس خوبصورت کاوش پر میں اپنی تنظیم کی طرف سے کبریٰ نوید کو اعلیٰ ادبی خدمات پر ایوارڈ دینے کا اعلان کرتی ہوں۔

شازیہ نورین.....چیئرپرسن ارتقاء انٹرنیشنل جرمنی

لکھنے والے ہی جان سکتے ہیں
لفظ لکھنے میں جو قیامت ہے

افسانہ، ناول نگاری بے شمار ہو رہی ہے لیکن کچھ ناول ایسے بھی ہیں کہ جن کا مطالعہ کر کے یہ احساس ہوتا ہے کہ......

ہے رگِ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو......

میں نے کبریٰ نوید کے ناول "راہِ یار تیری بارشیں" پڑھا بہت اچھا لگا ان کے قلم کی روانی ناول کی کردار کشی کو واضح طور پر نمایاں کرتی ہے انکا اندازِ تحریر منفرد اسلوب کا حامل ہے جو ہمیں ان کے ناول میں بخوبی نظر آ رہا ہے ان کے اس سلسلے وار ناول کو پڑھتے ہوئے سسپنس ہو رہا ہے کہ اسے پورا سے پہلے ہی مکمل پڑھ لیا جائے مگر کبریٰ نوید ہر ماہ ناول کی قسط روانہ کرتی ہیں یکمشت دینے سے مکمل انکاری ہیں۔ کبریٰ نوید تعلیم یافتہ 'شائستہ مزاج' مشرقی اقدار کی حامل رائٹر اور شاعرہ ہیں یہ نئے دور کی خواتین قلم کاروں کے قبیلے میں شامل ہو رہی ہیں جو خوش آئند ہے، کبریٰ نوید کی افسانہ یا ناول نگاری کے ساتھ ساتھ شاعری ایک فطری ساختگی کا مظہر ہے جیسے کونپل چٹانوں کو توڑ کر باہر آنے......

ورڈزورتھ نے شاعری کے بارے میں کہا ہے کہ......

Poetry Is The Spontaneous Overflow Of emotions Recollected in Tranquilty.

کبریٰ نوید کی تحریریں اور شاعری اس معیار پر پوری اُترتی ہے ان کا ناول "راہِ یار تیری بارشیں" معاشرتی زندگی میں رونما ہونے والی حقائق کا عکس ہے محبت، بے بسی، نفرت، یقین ٹوٹے ہوئے دلوں کی داستاں اس ناول میں خوب پڑھنے کو ملتی ہے، ان کے ناول کی پسندیدگی کی خاص وجہ یہ ناول حقیقت میں معاشرے میں رائج بلاوجہ کی ضروریات، رسم و رواج کی عکاسی ہے۔ اب تو ہر ماہ ناول کی قسط پڑھنے کا شدت سے انتظار ہوتا ہے۔ میری دعا ہے کہ کبریٰ نوید کا قلم سے رشتہ قائم و دائم رہے اور وہ ایسے بے شمار ناول اپنے فینز کیلئے تحریر کرتی رہیں۔ وہ وقت دور نہیں جب کبریٰ نوید کا شمار صفِ اوّل کی ناول نگار میں ہوگا۔ میری خوش قسمتی ہے کہ میرے خوشبو آن لائن ڈائجسٹ کی بطور مدیرِ اعلیٰ کبریٰ نوید اپنی خدمات سرانجام دے رہی ہیں اللہ رب العزت انہیں مزید کامیابیوں سے ہمکنار فرمائیں (آمین)

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ .... خضر حیات مون

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد　صائمہ اکرام　عُشنا کوثر سردار　اشفاق احمد
نمرہ احمد　سعدیہ عابد　نبیلہ عزیز　نسیم حجازی
فرحت اشتیاق　عفت سحر طاہر　فائزہ افتخار　عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو　تنزیلہ ریاض　نبیلہ ابر راجہ　ہاشم ندیم
نگہت سیما　فائزہ افتخار　آمنہ ریاض　مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ　سباس گُل　عنیزہ سید　مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ　رُخسانہ نگار عدنان　اقراء صغیر احمد　علیم ُالحق
رفعت سراج　اُمِ مریم　نایاب جیلانی　ایماےراحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

تعارف

آبرِ نبیلہ اقبال

میں کیا، میری اوقات تو کچھ بھی نہیں
ربِ ذوالجلال تیرے احسان بڑے ہیں

نام: آبرِ نبیلہ اقبال
تعلیمی قابلیت: ایم بی اے، ایم فِل
2 فروری کو کوئٹہ شہر میں پیدا ہوئی۔
راولپنڈی شہر میں مقیم ہوں۔
علم و ادب سے گہرا لگاؤ رکھتی ہوں۔
بچپن میں بہن بھائیوں کو خود سے کہانیاں بنا کر سنایا کرتی تھی اور جب سراہا جاتا تھا تب میں بتاتی کہ خود سے بنائی ہے۔ چھٹی جماعت سے لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا پہلی بار نعت لکھی۔ اب داستانِ دل، خوشبو، سرزمین، نئے افق ڈائجسٹ سمیت دیگر کئی ڈائجسٹ و اخبارات کے لیے شاعری، افسانے اور کالم لکھ رہی ہوں۔ ایک سفرنامہ بھی لکھ چکی ہوں اللہ پاک کا احسان توقع سے بڑھ کر پذیرائی ملی۔ داستانِ دل ڈائجسٹ میں نائب مدیرہ کے فرائض سرانجام دے رہی ہوں۔ پاکستان فیڈریشن آف کالمسٹ میں نائب صدر کے عہدہ پہ فائز ہوں۔ میں پھر کہوں گی میری اوقات تو کچھ بھی نہیں اللہ پاک کے احسانات بے شمار ہیں۔ سکول سے یونیورسٹی تک کا سفر اللہ پاک کا احسان، اساتذہ کی راہنمائی اور ماں باپ کی دعاں سے بے شمار کامیابیوں کے ساتھ طے ہوا۔ میں نے بھی محنت میں کبھی کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ ڈبل گولڈ میڈلسٹ ہوں۔ نصابی و غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی علاقائی اور قومی سطح پہ بہت سے انعامات حاصل کر چکی ہوں۔ ایک عہد تھا خود سے کہ تعلیم اس طرح حاصل کروں گی کہ دوسروں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں۔ الحمد اللہ آج ہمارے خاندان کی ہر بچی تعلیم جیسے قیمتی زیور سے آراستہ ہے۔

الحمد اللہ نعت خواں ہوں اور آل پاکستان کی طرف سے کم عمری میں ہی بہترین نعت خواں کا ایوارڈ بھی حاصل کر چکی ہوں۔ پاکستان کے بہت سے خوبصورت تاریخی و تفریحی مقامات کی سیر کر چکی ہوں۔ بہت سے چھوٹے بڑے بچوں کی روحانی اماں ہوں یعنی شعبہ تعلیم سے وابستہ ہوں۔ موٹیویشنل ٹرینر بھی ہوں۔ پاکستان کی بہت سی نامور یونیورسٹیوں میں بزنس پلان مقابلوں میں حصہ لے چکی ہوں۔ کتاب بینی کا بہت شوق رکھتی ہوں۔ دین و وطن سے بہت محبت رکھتی ہوں دعا گو ہوں کہ

خدا کرے میری ارضِ پاک پہ اترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو

ادارے اور اس سے منسلک لوگوں کے لیے بہت سی دعائیں

جزاک اللہ

تعارف

اسامہ زاہروزی

افسانہ نگار کرشن چندر اپنے سنہری حروف میں لکھتے ہیں کہ دنیا میں دو کام سب سے مشکل کام ہیں۔ ایک یہ کہ خواتین سے تعارف حاصل کرنا اور دوسرا خود کو دوسروں سے متعارف کروانا. خیر میں آپ کو اپنا تعارف کروائے دیتا ہوں. میرا نام اسامہ سلیم بھٹی ہے۔ اسامہ زاہروزی میرا قلمی نام ہے. زاہروزی میرا تخلص ہے۔ ضلع سیالکوٹ کے شہر ڈسکہ سے میرا تعلق ہے۔ اس وقت میری عمر صرف 18 سال ہے۔ میں یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور سے بائیومیڈیکل انجینئرنگ کر رہا ہوں۔ مجھے سفر کرنے کا بہت شوق ہے. فارغ وقت میں کتابیں پڑھتا ہوں اور اکثر فیس بک پر شاعری پڑھتا ہوں. فیس بک پر سر اظہر فراغ صاحب کی تک رکا ہے۔ خلف ڈائجسٹ، ویب سائنس اور اخبارات کے لیے شاعری، افسانے اور کالم لکھتا ہوں. انشا اللہ مستقبل میں ناول نگاری کا بھی ارادہ رکھتا ہوں. میں بہاولپور کے استاد محترم سر اظہر فراغ صاحب اور سر پارس مزاری صاحب سے شاعری سیکھ رہا ہوں۔ استاد محترم کی شاگردی میں رہ کر مجھے بہت کچھ سیکھنے کو ملا ہے اور امید ہے کہ انشا اللہ آگے چل کر بھی بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا۔ خلق نیوز ڈسکہ کے لیے باقاعدگی سے ہر ہفتہ کالم لکھتا ہوں۔ خوشبو ڈائجسٹ کے سلسلہ "کھلکھلاہٹیں" کا انچارج بھی ہوں۔ آخر میں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ

"ہم تو ہیں عاشقی کا ازالہ فقط"

☆......☆......☆......☆